بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل (اقبال)

مضامینِ خلافت

چودھری رحمت علی

(بابائے خلافت)

لافت پبلی کیشنز، دارُالسّلام، واپڈا ٹاؤن، لاہور۔

اکتوبر 2014ء

Marfat.com

Marfat.com

پرواز ہے دونوں کا اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

مضامینِ خلافت

DATA ENTERED
22/11

مؤلف
چودھری رحمت علی

دارالسلام' واپڈا ٹاؤن' لاہور
اکتوبر 2014

Marfat.com

(جملہ حقوق بحقِ مؤلف محفوظ ہیں۔)

کتاب : مضامینِ خلافت

مؤلف : چودھری رحمت علی (بابائے خلافت)

مقامِ اشاعت : دارالسلام، واپڈا ٹاؤن، لاہور۔

فون: 0300 - 9462188, 042 - 35183123 - 4

E-mail: khalafat@hotmail.com

ترتیب وتدوین : ال عمران چودھری

اشاعت : اکتوبر - 2014

تعداد : 1100

اہتمام : خلافت پبلی کیشنز

قیمت : -/350 روپے

Marfat.com

پیش لفظ

تحریکِ عظمتِ اسلام کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والے ماہنامہ رسالے ''سبق پھر پڑھ'' کی حیثیت، جیسے کہ اس کے نام سے عیاں ہے، اس لیے منفرد اور یکتا ہے کہ اس میں شائع ہونے والے مضامین میں قرونِ اولیٰ کا سا فکر، تڑپ اور جذبہ شامل ہے۔ دورِ خلافتِ راشدہ کے بعد امتِ مسلمہ پر ملوکیت، ملوکیتیں، طوائف الملوکی حتیٰ کہ غلامی جیسے ادوار آئے۔ اس دوران مختلف زمانوں میں مختلف حکمرانوں کے بدلتے ہوئے مختلف مفادات و واردات کے تحت دینِ اسلام میں مختلف نوع کی تبدیلیاں کی گئیں۔ بنابریں وہ دینِ حق جو رسول اللہ ﷺ امت کے سپرد کر کے گئے تھے اور اس دین میں جو ہمارے ہاں اس وقت رائج ہے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسلام پر اس عرصے میں کیا گزری اس کسوٹی سے پتہ چل جاتا ہے جو اللہ کا شکر ہے قرآنِ مجید کی شکل میں ہمارے ہاں من وعن موجود ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمیں کیا ہونا چاہیے تھا اور ہم کیا ہیں۔

ایک وہ وقت تھا کہ تمام مادی وسائل کی کمی کے باوجود چشمِ فلک نے دیکھا کہ اسلام کا بول بالا ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ وہ وقت آ کر رہا کہ اس وقت کی دونوں سپر طاقتیں چند برسوں میں دینِ متین کی زیرِ نگیں ہو گئیں۔ ایک یہ وقت ہے کہ تمام مادی وسائل کی فراوانی کے باوجود مسلمان ہیں کہ دنیا میں ذلت و رسوائی سے دوچار۔ ''ایسا کیوں ہوا اور کیوں ہے'' کا جواب ماہنامہ ''سبق پھر پڑھ'' سے منتخبہ ان مضامین میں دیا گیا ہے جو کتابِ ھذا میں جمع کیے گئے ہیں تا کہ اہلِ فکر و دانش کو ہمیشگی ان سے رسائی رہے۔

مضامین کی اہمیت و تشنگی کو مدنظر رکھتے ہوئے مؤلف کے تعارف وغیرہ کو اس جگہ پر حائل نہیں ہونے دیا گیا۔ خواہشمند خواتین و حضرات صفحات 297 تا 306 پر نظر دوڑائیں۔ شکریہ!

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
1۔	پیش لفظ، فہرست مضامین	IV - I
2۔	خلافتِ راشدہ، ایک زریں عہد اور اسلامی تقاضا	01 - 26
3۔	اسلام پر کیا گزری؟	27 - 44
4۔	فرقے، مسالک اور اسلام	45 - 62
5۔	حرا سے حرم تک	63 - 80
6۔	یہ لاڈ، یہ عطا آخر کیوں؟	81 - 87
7۔	عبادت و بغاوت	88 - 103
8۔	آپ بھی صرف مسلمان کیوں نہیں بنتے؟	104 - 113
9۔	شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات	114 - 125
10۔	تمام زمانوں، تمام جہانوں اور تمام انسانوں کے رسول ﷺ	126 - 136
11۔	نظامِ زندگی ضروری لیکن کونسا نظامِ زندگی؟	137 - 146
12۔	ووٹ......موجودہ نظام میں گناہِ جاریہ	147 - 156
13۔	قانونِ فطرت	157 - 166
14۔	امتِ مسلمہ......زیرِ عتاب	167 - 174

Marfat.com

صفحات	عنوانات	نمبر شمار
175 - 192	بھٹکے ہم تو ایسے کہ بھٹکتے ہی چلے گئے	15۔
193 - 202	اہلِ دنیا کو راہِ راست پر رکھنے کا ذمہ دار کون؟	16۔
203 - 210	اللہ کے حضور...... مشکل ہوگا ہمارا خود کو مسلمان ثابت کرنا	17۔
211 - 221	اسلام کا دعویدار 73ء کا آئین خود غیر اسلامی ہے	18۔
222 - 242	فریضۂ شہادت علی الناس	19۔
243 - 255	شومیٔ قسمت، قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو	20۔
256 - 261	اسلامی طرزِ انتخاب	21۔
262 - 274	نظامِ خلافت ہی کیوں؟	22۔
275 - 285	فرائضِ منصبی جو مسلمانوں سے ادا نہیں ہو رہے	23۔
286 - 296	سنگین مسئلہ مسلمانوں کا نامسلمان ہو جانا ہے	24۔
297 - 306	تحریک اور امیرِ تحریک کا تعارف	25۔
307 - 313	مدیرانِ جامعات و مدارس دینیہ کے نام کھلا خط	26۔
314 - 322	غلام قوم کے غلام سربراہ کی امریکی یاترا	27۔
323 - 333	منزل ہے کہاں تیری؟	28۔
334 - 341	مغربی فکر کی یلغار	29۔
342 - 346	67 سال بیت گئے اسلامی نظام نافذ نہیں ہو پایا	30۔

Marfat.com

خلافتِ راشدہ

ایک زرّیں عہد اور اسلامی تقاضا

Marfat.com

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں
چمن میں جب بہار آئے ہمیں بھی یاد کر لینا

Marfat.com

خلافتِ راشدہ

ایک زرّیں عہد اور اسلامی تقاضا

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں' اللہ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور ملک کا خلیفہ بنائے گا جیسے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کیلئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کیلئے وہ پسند فرما چکا ہے اور اس کے اس خوف و خطر کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے' اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری کریں اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں'' (القرآن)۔

خلافتِ راشدہ کا موضوع سال کے محض کسی ایک مہینے کے ساتھ تعلق رکھنے والا ایک موضوع نہیں بلکہ یہ موضوع ملتِ اسلامیہ کی موت و حیات کا موضوع ہے۔ ملتِ اسلامیہ اگر ایک باوقار قوم کی حیثیت سے دنیا میں اپنے عقیدے کے دفاع کیلئے' اپنی ثقافت' تہذیب اور تعلیمات کے دفاع کیلئے' اپنی دنیا اور آخرت کو بچانے کیلئے کسی طریقہ کو اختیار کرنا چاہتی ہے تو وہ طریقہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا طریقہ ہے۔

اس کائنات میں انسانیت اور نبوت کا آغاز ایک ساتھ ہوا۔ ایسا نہیں کہ انسانیت کا آغاز کسی ایک طریقہ پر ہوا ہو اور نبوت کسی اور نہج پر آئی ہو بلکہ اس دنیا میں آنے والا پہلا انسان ہی پہلا نبی تھا۔ یوں نبوت اور انسانیت ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو کر چلے' پھر انسانیت و نبوت کی فلاح کیلئے جو پہلا نظام ان کو دیا گیا وہ خلافت کے علاوہ کوئی دوسرا پیغام نہیں تھا اور اس منصب کا تعین تخلیقِ آدم کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ اس اعتبار سے آدمؑ کی تخلیق کا حسن اگر برقرار رہ سکتا ہے'

Marfat.com

آدم اگر آدمیت کی خو میں رہ سکتا ہے' آدم اگر آدمیت کی اقدار و روایات کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے اور آدم اگر آدم گر کی مشیت کو پورا کر سکتا ہے تو اس کیلئے اس کائنات کے اندر ماضی اور اس سے پہلے سارے زمانوں میں انسانیت کو ایک ہی نظام اور پیغام دیا گیا جو کہ خلافت کے نظام سے موسوم ہے۔ یہ وہ سلسلہ ہے جو سیدنا آدمؑ سے چلا اور جناب محمد الرسول اللہ ﷺ پر اس خلافت کی خوبیوں کا یہ کہہ کر اتمام و اکمال کر دیا گیا کہ:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"

یہ نہیں ہو سکتا کہ خالقِ کائنات ایک دین کو پسند کر کے اس کے کمال و اتمام کا اعلان فرمائیں اور پھر وہ نظام اور کلمہ مغلوبیت کے درجہ میں رہے۔ چنانچہ سورۂ نور کی یہ آیات 5 سے 6 ہجری کے درمیان کا معاملہ ہیں' غزوۂ خندق ہو چکا تھا' صلح حدیبیہ کا منظر سامنے ہے' مسلمان ایک ایسے صلح نامے پر دستخط کر رہے ہیں جسے "انا فتحنا لک فتحاً مبینا" قرار دیا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسی استخلاف فی الارض یعنی خلافت کے نظام کا ایک ایسا وعدہ اور تائید انسانیت کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ 13 سالہ مکی زندگی اور 5 سالہ مدنی زندگی' کل ملا کر 18 سال تک تم لوگوں نے اپنے عقیدے کے اعتبار سے ان قربانیوں کا نصاب پورا کر دیا اور اپنے اعمال کی ایک ایسی نشانی اور شہادت پیش کر دی کہ اب اللہ تعالیٰ اس کائنات کے اندر غلبۂ دین' تمکن فی الارض اور استخلاف فی الارض کے حوالے سے اس دنیا کی قیادت' سیادت' سیاست اور امامت تمہارے سپرد کرنے والا ہے "وعد اللہ الذین امنو منکم"۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے' یہ وعدہ کر لیا ہے اور ساتھ ہی جنہوں نے اعمالِ صالحہ کی شہادت بھی دے دی' کس چیز کا وعدہ (لیستخلفنھم فی الارض) کہ اب اس ایمان و اعمالِ صالحہ کا انعام یہ ہے کہ دنیا کے اندر خلافت کا تاج تمہاری امت کے سر پر پہنا دیا جائے (کما استخلف الذین من قبلھم) جیسا کہ تم سے پہلے کی امتوں اور انبیاء کو بھی استخلاف فی

Marfat.com

الارض کی یہ بشارتیں عطا کی گئی تھیں' لیکن پھر ان کی کاہلی' تجاہل' تغافل اور ناشکری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ منصب ان سے چھین لیا اور قیامت تک کیلئے ذلت و مسکنت ان کے ذمہ لگا دی۔

(کما استخلف الذین من قبلھم) میں آلِ یہود کی طرف اشارہ ہے کہ اب دنیا کے اندر استخلاف فی الارض کے معاملہ میں تمہارے یہی حریف ہو سکتے تھے کیونکہ یہودیوں سے یہ منصب چھین کر آپ مسلمانوں کو عطا کیا گیا۔ اور جب یہ منصب ہمیں عطا ہوا تو اسی یہود نے اس خلافت کے منصب کو تار تار کرنے کیلئے' اس کو نقب لگانے کیلئے اور اس کو داغ دار بنانے کیلئے آج تک کوششیں جاری رکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج 1434 سال گزرنے کے بعد بھی ایک ہی قوت دنیا کے اندر ایسی ہے جو خلافت کے اس نظام کو ناپسند کرتی ہے اور اس قوت کا نام یہود ہے' یا پھر وہ یہود نواز طبقے ہیں جنہوں نے فکری اعتبار سے ایسے رویے اختیار کیے ہیں کہ جس کے نتیجے میں خلافت کا یہ عمل امتِ مسلمہ میں ایک زوال پذیر اور اضمحلال انگیز کیفیت پیدا کرتا چلا گیا۔

آپ ذرا اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نظامِ خلافت کو انسانیت کے وقار کا ذریعہ بنایا اور پھر یہ بات بتائی کہ اس کائنات کے اندر اگر خوف' اضطراب اور انتشار' پریشانیوں اور تذبذب' لوٹ کھسوٹ اور استحصال جیسے دیگر جتنے بھی فتنے ہیں ان کے خاتمے کا صرف ایک حل ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں اور اجتماعی طور پر یہ نظامِ خلافت دنیا میں قائم ہو جائے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی عبادت و بندگی کیلئے لوگوں کو نبوت کی پوری زندگی تیار فرمایا' مکہ کے تیرہ سال مسلسل دعوت و تبلیغ کے بعد جب آپ کے موطن و مولد کی سرزمین آپ کیلئے تنگ ہو گئی اور وہاں کے باشندے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے پر مصر ہو گئے تو پھر اللہ کے حکم کے ساتھ آپ نے مکہ مکرمہ کو بادل نخواستہ چھوڑا۔ آپ ﷺ کی مخلصانہ جدوجہد نے وعدہ قرآن کے مطابق یہ دیا کہ مدینہ میں آپ ﷺ کو خلافت کے انعام سے بہرہ ور فرمایا۔ سو آپ ﷺ نے مدینہ میں آ کر اس خلافت کے مزاج کے موافق ایک ریاست قائم کی' اور وہاں چار مربع کلومیٹر کا رقبہ جب آپ ﷺ کو میسر آیا تو آپ ﷺ نے باقاعدہ اسلامی ریاست اور معاشرے کا آغاز

Marfat.com

فرمایا اور پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کمال سیاسی حکمتِ بالغہ سے مدینہ کے یہودی باشندوں سے میثاقِ مدینہ کے نام سے معاہدے فرمائے۔

آپ ﷺ نے اپنی بے مثال سیرت سے یہ مثال قائم کی کہ کسی ایک سرزمین میں اہلِ ایمان (Believers) کس طریق پر زندگی بسر کریں اور غیر مسلم کس طریق پر زندگی بسر کریں گے، دونوں مل جل کر کن اصولوں کے تحت رہ سکتے ہیں۔ یہ ریاست دنیا کے اندر پہلی ریاست بنی کہ جس میں دو مختلف النظریہ اقوام باہمی تعاہد و تحالف کی صورت میں پرامن معاشرے کا نمونہ پیش کرتی رہیں۔ پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کائنات کے اندر یہ پہلی باقاعدہ اور منضبط خلافت کے مزاج اور نظام پر مبنی ایک ریاست وجود میں آتی اور تدریجاً تکمیل کی طرف بڑھتی ہے۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے 5 اور 6 ہجری کے درمیان ایسے کوائف پیدا ہوتے ہیں، فتح مبین کی ایسی شکلیں پیدا ہوتی ہیں کہ فتح مکہ سامنے آتا ہے اور رسول اکرم ﷺ جب 10 سال مدینہ میں گزار چکے اور اپنے اللہ سے ملنے اور اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس جانے کیلئے تیار ہیں اس عالم میں کہ 12 سے 13 لاکھ مربع میل تک خلافت کا نظام قائم ہو چکا تھا اور خلافت کی برکات پورے طور پر قائم و دائم تھیں۔ اور صحابہ کرامؓ جو اس خلافت کے نظام کے کل پرزے تھے، اسکی مضبوطی اور استحکام کے اجزا تھے، اور اس کے عناصر تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے راضی ہونے کا اعلان آسمان سے کر دیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے پھر قرآنِ مجید نے ہمیں یہ بتایا کہ اس کائنات کے اندر اگر تم صداقت کی کوئی نشانی دیکھنا چاہتے ہو تو (اولٰئک ھم الصدقون)۔ یہ سچے لوگوں کی یہ علامتیں صحابہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں اور اگر تم رشد و ہدایت، پاکیزگی اور حق کا کوئی منارہ نور دیکھنا چاہتے ہو تو (اولٰئک ھم الرشدون) یہ وہ پاکیزہ لوگ ہیں، یہ وہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں جو تمہارے سامنے ہیں اور اگر تم کامیابی کا کوئی بڑا مینارہ دیکھنا چاہتے ہو تو (واولٰئک ھم المفلحون)۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کے اندر فلاح یافتہ ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو محمد الرسول اللہ ﷺ کے ساتھ رحماء بینھم یعنی ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا تصور لیے ہوئے ہیں اور اشداء علی

Marfat.com

الکفار کی تصویر کشی کر رہے ہیں۔

دنیا کے اندر دو ایسے ضوابط ہمارے سامنے پیش ہوتے ہیں کہ جس کے نتیجہ میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ایسی حزب اللہ' ایک ایسی جماعت پرورش پاتی چلی جا رہی ہے' ارتقاء اور استحکام کے مراحل طے کرتی جا رہی ہے۔ اس جماعت کے مقابلہ ارتقاء میں اسلامی ریاست کے اندر کسی حزبِ مخالف کا کوئی وجود نہیں۔ جہاں ایک اصول مشاورت دیا گیا ہو' اس اصول کے تحت باقاعدہ مسلمانوں کی یہ پوری کی پوری ریاست قائم ہوتی دکھائی دیتی ہے اور پھر جناب محمد رسول اللہ ﷺ جس نظام پر پوری امت کو قائم کر گئے' آپ ﷺ نے خود یہ فرمایا:

''یہ خلافت کا نظام ایک وقت تک ایسی شکل وصورت میں قائم رہے گا' پھر فرمایا کہ میرے بعد خلافت کا نظام یہ شکل پیش کرے گا پھر فرمایا کہ میرے بعد خلافت کے اس نظام میں یہ تغیرات پیدا ہونگے' یہ یہ شکلیں پیدا ہوں گی۔ پھر فرمایا کہ خلافت علی منہاج النبوۃ کا نظام قائم ہوگا اور دنیا کے اندر اس اسلام اور اسکے نظام یعنی خلافت کے علاوہ کوئی دوسرا تصور باقی نہیں رہے گا''۔

خلافت: اطاعتِ الٰہی پر مشتمل ایک بابرکت وفلاح سیاسی نظام

حاکمیت واقتدار اور شرع خداوندی کی بالاتری کو جو تصور اسلام نے پیش کیا' وہ اس کے نظامِ خلافت کے ساتھ وابستہ ہے اور مسلمان حکمرانوں کو یہ بتادیا گیا کہ یہ اقتدار اور یہ اختیارات تمہارے پاس ایک امانت ہے۔ اسکی مسئولیت بھی ہے اور اس کا احتساب بھی اور اس کی باز پرس بھی ہوگی اور پھر ان خلفائے راشدین نے قرآنِ مجید کے اندر تمکن فی الارض کے جو شرائط اور لوازم تھے انہیں اس شکل میں پورا کیا:

''الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوالزکوٰۃ و امرو بالمعروف و نھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور'' (یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں' زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں'

Marfat.com

برے کاموں سے منع کریں)۔

دنیا کے اندر نمازوں کے نظام کے ذریعے مسلمانوں کی معاشرت' ان کی سوسائٹی' انکا سماج ترتیب پاتا چلا گیا۔ زکوٰۃ وصدقات کے ذریعے ان کی معیشت ایک ہموار کیفیت اختیار کرتی چلی گئی۔ دنیا سے لوٹ کھسوٹ کا نظام ختم ہوگیا اور امراء اور غربا کے درمیان ایک ایسی صحت مند گردشِ دولت کو قائم کیا گیا کہ جس کے نتیجے میں محتاجی ختم ہوگئی اور اللہ نے اپنے غنی ہونے کے ذریعے سے انسانیت کو معیشت کا ایک حسن بخش دیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ سے معاشرے کے اندر وہ کیفیات پیدا ہوتی چلی گئیں کہ معاشرہ جہنم کی دلدل سے نکل کر جنت نظیر بنتا چلا گیا اور اس طریقہ سے امن کی یہ کیفیت تھی کہ خوف کو اس طریقہ سے ختم کیا گیا کہ بدامنی' لوٹ کھسوٹ' راہزنی' قزاقی' ڈاکے اور چوری الغرض بدامنی کی جتنی بھی شکلیں تھیں وہ ساری ایک ایک کر کے ختم ہوتی چلی گئیں اور معاشرہ جو دنیا کے اندر رومیوں کے ظلم اور کسریٰ ایران کے ظلم کے اندر سسک رہا تھا وہ معاشرہ جو مصر' چین اور ہندوستان کے اندر بت پرستی اور مختلف قسم کے اصنام پرستی کے مظاہر کے اندر گرفتار تھا' اسے ایک بار پھر اپنے مالک حقیقی کو پہچاننے کا موقع میسر آیا۔

یہ قرآن مجید اور محمد رسول اللہ ﷺ کے طرزِ حکومت اور آپ کے اسلوب خلافت کا اعجاز تھا کہ دنیا نے پہلی دفعہ ایک ایسا معاشرہ دیکھا۔ پہلی دفعہ ایک ایسی ریاست دیکھی' پہلی دفعہ ایک ایک ایسی سیاست دیکھی' پہلی دفعہ ایک ایسی معیشت دیکھی' پہلی دفعہ ایک ایسی معاشرت دیکھی' پہلی دفعہ ایک ایسی تہذیب دیکھی' پہلی دفعہ ایک ایسا تمدن دیکھا کہ جس کی مثال نہ اس سے پہلے دنیا کے اندر موجود تھی اور نہ آج 1434 سال گزرنے کے بعد اس کا نمونہ ہمارے سامنے آسکا۔ مسلمان جو مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک تقریباً دنیا کے ڈیڑھ ارب سے زیادہ تعداد میں ہیں' ان تمام مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن میں یہ نظامِ خلافت موجود ہے۔ مسلمان اپنی حیثیت اجتماعی کے اندر جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں آج کی ریاستوں' ان سیاستوں اور ان کی معیشتوں کو اس طاغوتی نظامِ کفر اور شرک نے اس انداز سے ڈسا ہوا ہے کہ مسلمان پھر اس نظامِ خلافت کی طرف پلٹ نہ

Marfat.com

قرآنِ مجید کے اندر یہ بتا دیا گیا ہے کہ نظامِ خلافت کے مقابلہ میں وقت کی ساری طاقتیں اور قوتیں مجتمع ہوں گی اور نظامِ خلافت کے چراغ کو بجھانے کی کوششیں کریں گی اور یہ بات فرمائی گئی کہ:

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے گو کافر برا مانیں''۔

دنیا کا تمام کفر بلکہ یہود و نصاریٰ اور ان کی ذریت جس جس شکل میں موجود ہیں یہ سارے کے سارے چاہتے ہیں کہ اللہ کی وہ روشنی جو اس کے نظام یعنی نظامِ شریعت کی شکل میں انسانی فلاح کیلئے اسے دی گئی ہے' اپنے منہ کی پھونکوں سے اسے بجھا دیں۔ مولانا ظفر علی خان نے اسی بات کی طرف رہنمائی کی تھی کہ:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اللہ نے اس بات کیلئے امتِ مسلمہ کو یہ مشن اور چارٹر دے دیا اور یہ بتایا کہ:

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام مذاہب پر غالب کر دے اگر چہ مشرکین ناخوش ہوں''۔

زمانے کے سارے مشرکین خواہ وہ امریکہ کی شکل میں ہوں یا روس کی شکل میں' اسرائیل یا ہندوستان کی شکل میں ہوں یا شرک اور کفر دنیا کی جتنی بھی اشکال اور اسالیب کے اندر موجود ہوں' اللہ کے نور کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ مجید جیسی نورانی شریعت کے ساتھ اس طرح بھیجا کہ دنیا کے اندر یہ دین باقی مذاہب' نظاموں اور معاشروں کے اوپر اور باقی دساتیر کے اوپر اس طرح غالب ہو جائے کہ دنیا میں اسلام کے علاوہ کوئی اور نقشہ دکھائی نہ دے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ پوری دنیا میں اللہ کا پیغام صرف اور صرف مسلمانوں کے پاس محفوظ ہے' وہ پیغام لوحِ محفوظ سے جبریل امین کے

Marfat.com

ذریعے جس طریق پر محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا کیا گیا اسی طریق پر وہ پیغام آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ صحابہ کرامؓ اور خلافتِ راشدہ نے عہدِ صدیقی کے اندر اس پیغام اور نظام خلافت کو علی منہاج النبوۃ پورے طور پر قائم کیا اور دنیا کے اندر 22 لاکھ مربع میل پر خلافتِ فاروقی میں مسلمانوں کی جو فلاحی ریاست اور اس ریاستِ اسلامیہ میں ان کے رفاہی کارنامے سامنے آئے۔ دنیا کے اندر پہلی دفعہ ایک ایسی ریاست جو 22 لاکھ مربع میل پر دنیا کے کئی براعظموں کی مرکزیت کو چھوتی ہوئی اپنے پورے کمالات اور صفات کے ساتھ اپنی پوری قوت اور خصائص کے ساتھ' اپنے پورے امتیازات کے ساتھ دنیا کے اندر قائم ہوئی اور دنیا کے غیر مسلموں نے اعتراف کیا کہ اگر مسلمانوں کی تاریخ میں ایک عمرؓ اور پیدا ہو جاتا تو تاریخِ عالم کا نقشہ تبدیل ہو جاتا۔

خلفائے راشدین کا متفقہ تعین

تاریخِ انسانی کے اندر یہ وہ صورتِ حال ہے جسے مسلمانوں نے قائم کیا اور پھر آج ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں اقتدار کیلئے رسہ کشی ہوتی ہے' اختیارات کے حصول کیلئے قتل و غارت ہوتی ہے' لیکن یہ خلافت ایک ایسی قوت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ذریعہ سے سیرت و تاریخ کی جو روایات ہم تک منتقل ہوئی ہیں ان کی روشنی میں یہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اور پورے اجماعِ امت کی دلیل بن کر ہمارے سامنے آئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد جناب صدیق اکبرؓ کی 27 مہینے کی خلافت' خلافت علی منہاج النبوۃ کا عظیم الشان مظہر تھی۔

تاریخِ انسانی کے اندر صدیق اکبرؓ کو رسول اللہ ﷺ کے فوراً بعد جن مسائل و مشکلات' مہمات اور سازشوں کا سامنا کرنا پڑا اور یہ خلافت کا گہرا شعور تھا کہ جس کے نتیجے میں 27 مہینہ کی مختصر مدت کے اندر خلافت کا یہ نظام علی منہاج النبوۃ محمد رسول اللہ ﷺ کے کھینچے ہوئے نقشے کے عین مطابق قائم ہو گیا اور ان 27 مہینوں کے اندر ارتداد اور مانعینِ زکوٰۃ کے فتنے ختم ہو گئے۔ اسامہ بن زید کا لشکر جس سمت روانہ ہو رہا تھا' عراق اور شام کی طرف فتوحات کے باب کھلنے لگے' جعلی نبوتوں کا استحصال ہونے لگا' امت کو قرآن جیسی نعمت' اور اجماعِ امت کی بے نظیر دلیل پر جمع

Marfat.com

کر دیا گیا' عدل وانصاف کا ایک ایسا پرچم بلند کیا گیا کہ انسانیت نے پہلی دفعہ یہ بات دیکھی کہ اللہ کی حکمرانی اور خلافت کے نظام میں آقا و مولا کے مابین' خلیفہ اور راعی کے بیچ ایک ایسا امتزاج اور حسن پیدا ہو گیا کہ یہ امتزاج یہ تعلق یہ ارتباط یہ محبت یہ موالات اور یہ یگانگت اس قدر پختہ تھی کہ تاریخ انسانی نے اس سے پہلے کبھی یہ منظر نہ دیکھا ہو گا۔

صاحبانِ گرامی! 27 مہینوں کے بعد صدیقِ اکبرؓ اپنے اللہ کے پاس جاتے ہیں اور عمرِ فاروقؓ کا دور ہمارے سامنے آتا ہے۔ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد صدیقِ اکبرؓ کی خلافت مسلمانوں کے اہلِ حل وعقد کے ذریعے منعقد ہوئی تھی جس پر بعد ازاں تمام مسلمانوں نے بھی اتفاق کیا تھا۔ گویا آپ کی خلافت پر اجماعِ امت تھا' آج کی سیاستوں کی طرح آپؓ کی خلافت کسی ایک اکثریت کے غلبہ کا نتیجہ نہ تھی۔ اس معاشرے کے اندر قریش' اوس اور خزرج تھے' مہاجرین اور انصار تھے' اس معاشرے کے اندر ایک سے بڑھ کر ایک صحابہؓ موجود تھے' دیگر جلیل المرتبت صحابہؓ بھی موجود تھے' اس معاشرے میں ابھی قبائلیت کا عنصر بھی باقی تھا' عصبیت کی بحثیں باقی تھیں مگر یہ اسی خلافت کی برکت تھی کہ جناب صدیقِ اکبرؓ جن کی نامزدگی عمرِ فاروقؓ نے کی اور امت نے پورے اجماعی طور پر پورے شعور کے ساتھ اور شورائیت کے ذریعہ سے نظامِ بیعت کو اس طرح قائم کیا کہ 27 مہینوں کے اندر پوری 13 لاکھ مربع میل کی ریاست کے اندر کوئی ایک فرد ایسا نہیں تھا جس کا اختلاف صدیقِ اکبرؓ کی خلافت پر ہو۔

صدیقِ اکبرؓ کے بعد عمرِ فاروقؓ کا عہد آتا ہے' شوریٰ کی صورتِ حال ہمارے سامنے آتی ہے' قرآن میں ایک مستقل نظامِ مشاورت کو وامرھم شوریٰ بینھم ' وشاورھم فی الامــــر کو اس نظام کا حصہ بنایا۔ اسی طریقہ سے شورائیت کی روح صاحب الرائے لوگوں کو گردانا گیا ہے۔ اور یہ صحابہؓ کی عظمت تھی کہ ان عظیم ہستیوں نے شورائیت کے حسن کو برقرار رکھا اور شورائیت کا حسن اتنا اس قدر تھا کہ مسلمانوں کے نظامِ خلافت کے اندر جس چیز نے سب سے زیادہ خوبصورتی پیدا کی وہ شورائیت ہے اور دوسری چیز مسؤلیت اور احتساب کا نظام ہے۔

Marfat.com

ان دو قوتوں نے اسلامی خلافت کو اتنا مستحکم کر دیا کہ جناب محمد الرسول اللہ ﷺ (باوجود اس کے کہ نبوت اس بات کی محتاج نہیں ہوتی ہے کہ وہ انسانوں سے مشورہ کرے) نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ ایک مرتبہ نہیں بیسیوں مرتبہ مشاورت کی اور یہ مشاورت کئی شکلوں میں موجود رہی۔ بدر واحد اور خندق میں اس مشاورت کی شکلیں ہمیں ملتی ہیں۔ جب ضرورت ہوئی مشاورت کی گئی اور جب یہ سمجھا گیا کہ مشاورت کی ضرورت نہیں تو مشورہ نہیں لیا گیا۔ انتظامی اور تدبیری امور کے اندر مشاورت ہوتی رہی۔ مشاورت کا ایک ایسا نظام جناب محمد الرسول اللہ ﷺ نے قائم کیا کہ اس مشاورت کے ذریعہ سے مشورہ طلب امور کے اندر یہ معاملات بڑھتے گئے اور اس مشاورت کیلئے کوئی بڑی اسمبلیوں کی ضرورت نہیں تھی' ملک کا سارا خزانہ ان اسمبلیوں کے ذریعے سدھارنے کی کوئی منصوبہ بندی نہیں تھی' مسلمانوں کی شوریٰ اتنی محدود تھی کہ بعض اوقات ایک یا دو صحابہؓ کے ساتھ اور بعض اوقات سیدنا عمرؓ کی شہادت کے موقع پر صرف 6 افراد کے اندر مشاورت کمیٹی تشکیل دی گئی۔ 22 لاکھ مربع میل کے نئے حکمران کے انتخاب کیلئے 6 لوگوں میں وہ بصیرت اور ایثار موجود تھا کہ پہلے ہی مرحلہ پر ایک دوسرے کے مقابلے پر تیسرا چوتھے کے مقابلے میں پانچواں چھٹے کے مقابلے میں اپنے آپ کو سبکدوش کرتا ہے۔ تاریخ نے یہ منظر کبھی نہیں دیکھا تھا کہ خود اپنی رضا مندی کے ساتھ سیدنا طلحہؓ کہے کہ میں فلاں کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔ سیدنا زبیرؓ کہے کہ میں فلاں کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں' سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہے کہ میں فلاں کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں اور جب تین باقی رہ جائیں تو ان میں سے ایک کہے کہ اے عثمانؓ اور علیؓ میں آپ دونوں کے مقابلے میں دستبردار ہوتا ہوں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں کم سے کم فرصت کے اندر مختصر مشاورت کے ذریعے کسی فیصلہ تک پہنچوں اور وہ سارا وقت مشاورت میں صرف کرتے ہیں اور نتیجتاً خلافتِ عثمانی کا آغاز ہوتا ہے۔ خلافتِ عثمانی بھی 13 سال تک امت کے اندر ایک اجتماع کے حسن اور وقار کی علامت بنتی ہے۔ اسی اعتبار سے بعض مؤرخین نے (اور ہمیں معلوم ہے کہ مؤرخین کی عصبیتیں کہاں کہاں

Marfat.com

چھپی رہیں' انہوں نے ملوکیت کے زمانہ میں تاریخ کے ذخیرہ کو کیسے نظر انداز کرنے کی کوشش کی) لیکن یہ بات بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ سیدنا عثمانؓ کی بصیرت اور آپؓ کی خلافت کا کمال یہ تھا کہ صرف اٹھارہ' انیس سو بلوائی مدینہ کے اندر محاصرہ کرتے ہیں' سات سو کے قریب محافظ اور گارڈز موجود ہیں اور وہ اجازت طلب کرتے ہیں کہ اجازت دیجئے ہم گھنٹوں میں بلوائیوں کے اس فتنہ کو ختم کرتے ہیں' لیکن فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ امت کے اندر میری ذات کے دفاع کیلئے اور محض میری ذات کو بچانے کیلئے خون کا بازار گرم کیا جائے۔ انہوں نے شہادت پیش کر دی لیکن امت کے اندر کشت و خون کا بازار گرم نہیں ہونے دیا۔ یہ ان لوگوں کے کمالات تھے۔

خلفائے راشدین کے معاشی حالات

یاد رکھئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں اور صدیق اکبرؓ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں' نبی اکرم ﷺ نے اللہ سے ملنے والا نظام خلافت اپنی امت میں یوں جاری و ساری کر دیا کہ قرآن نے اس پر گواہی دی کہ:

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ ہے ہر اس شخص کیلئے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کو یاد کرتا ہے''۔

یہ ماڈل اور اسوۂ حسنہ ہے کہ تمہارا معاشرہ تمہاری معیشت اور عقائد' تمہارا تمدن اور سیاستیں' تمہاری ریاستیں' تجارتیں اور زراعتیں' داخلی اور خارجی' بین الاقوامی قوانین کس طریقہ سے سلجھ سکتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے سارا منظران کے سامنے پیش کیا تھا پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسی تناظر میں یہ نظام خلافت آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس درجہ بڑھتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کا جو آخری دن مدینہ میں بسر کیا' اس رات آپ ﷺ کے گھر میں جو چراغ روشن ہوا اس چراغ کا تیل کسی گھر سے ادھار آیا ہوا تھا۔ یہ نظام خلافت اور اس کی عظمتیں ہیں اور جب خلافت سنبھالنے کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ دوسرے دن اپنے کپڑے کا کاروبار

Marfat.com

کرنے کیلئے نکلتے ہیں تو عمر فاروقؓ پوچھتے ہیں کہ میاں کہاں چل دیئے؟ فرمایا کہ بال بچوں کا پیٹ کہاں سے پالوں گا تو عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ اب امت کی نگہبانی آپؓ کے سپرد کی جا رہی ہے لہٰذا امت کا بیت المال آپؓ کی کفالت کرے گا اور پھر وہ کفالت کس درجہ تھی۔ تاریخ کے اندر ایسی مثال کہیں موجود نہیں ہے۔ اتنا سیر چشم تاجر جس کی تجارت کے ذریعہ سے مکہ کے غلاموں کو رہائی ملتی ہے اور جس کے ذریعہ سے غزوات کے اندر نصرت اور قوت کے سامان فراہم ہوتے تھے وہ جب دنیا سے جاتا ہے تو کوئی بہت بڑا ساز و سامان موجود نہیں۔ عمر فاروقؓ جب دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو مال و دولت نام کی کوئی چیز آپؓ کے گھر میں موجود نہیں تھی بلکہ محدثین نے لکھا ہے کہ کچھ قرضہ آپؓ کے ذمہ تھا جسے ادا کرنے کیلئے مکہ میں بنو عدی کے وراثتی خاندانی مکانات کے حصوں سے جو حصہ ان کے پاس آتا تھا اس کو فروخت کرنے کے بعد 22 لاکھ مربع میل کے حکمران شہادت اور نزع کے عالم میں اپنا قرضہ ادا کرنے کیلئے اپنا مکان اس کو دے جانا پڑتا ہے۔ عثمانِ غنیؓ شہید ہوتے ہیں جس نے دس ہزار اونٹ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر پیش کیے اور اس موقع پر ایک تہائی فوج کے خرچ اٹھائے' جس نے اپنے گھر کے ساز و سامان کو دفاعی کاموں کیلئے وقف کیا' کنویں خریدے جا رہے ہیں' زرہیں خریدی جا رہی ہیں۔ مساکین اور یتامیٰ کیلئے رفاہی کام ہو رہے ہیں۔ لیکن خود اپنی حالت یہ ہے کہ چالیس دن تک کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ان کے گھر تک پہنچنے دی جا رہی ہو' اور وہ اسی عالم میں دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ سیدنا علیؓ جب اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو 700 درہم کا اثاثہ ان کے گھر کے اندر دکھائی دیتا ہے اور یہ اثاثہ کئی سالوں تک سینچ سینچ کر انہوں نے جمع کیا کہ اس ذریعے سے کوئی ایک غلام وہ اپنے لیے رکھ سکیں۔ اس اعتبار سے یہ چاروں خلیفہ دنیا سے اسی حالت میں نکلے ہیں۔

مسجد: خلافتِ اسلامیہ کا مرکز

لیکن آج کی مملکتیں جو دنیا سے قرض پر پلی ہوئی اور پوری قوم کو قرضوں کے شکنجوں کے

Marfat.com

اندر جکڑے ہوئی ہیں وہ یہ بات سوچنے کی کوشش کریں کہ یہ محلات' یہ ایوانِ صدر تین تین سو کمروں پر مشتمل ہیں' اسی طرح یہ وزیراعظم کے ایوان اور وزیراعظم ہاؤس یہ سب اس بات کی نشانی ہیں کہ قوم کے اندر لوٹ مار کا ایک بڑا نظام قائم ہے۔ ذرا اس خلافتِ راشدہ کا سیکرٹریٹ دیکھئے کہ وہ خلافتِ راشدہ جو 36 لاکھ مربع میل پر اور عہدِ اموی میں 45 لاکھ مربع میل پر محیط تھی' اس خلافتِ راشدہ کے ابتدائی 40 سالوں میں محمد رسول اللہ ﷺ سمیت سب نے کس جگہ کو سیکرٹریٹ بنایا ہوا تھا؟ بھائیو مسجدِ نبویؐ ہی مسلمانوں کا سیکرٹریٹ تھا' سارے فیصلے اسی میں ہوتے تھے۔ یہ مسجد مسلمانوں کا مرکزی خزانہ دفتر بھی تھا۔ مسلمانوں کی عدالتِ عظمٰی بھی مسجدِ نبویؐ کے اندر قائم تھی اور مدینہ سے باہر یہ ریاست 12 لاکھ مربع میل میں پھیل گئی تو آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں گورنر بنائے جو دوسرے علاقوں میں جاتے تھے اور جب ان کے کیے ہوئے فیصلوں پر ہائی کورٹ کے اندر کوئی کیس آتا تو وہ کورٹ بھی مسجدِ نبویؐ کے اندر ہی قائم تھی۔ یہ مسجد اس نظامِ خلافت کا مرکز تھی' مسلمانوں کی حکومت کا سول سیکرٹریٹ تھا اور یہ مسجد مسلمانوں کا جی ایچ کیو تھا۔ 28 غزوات جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اور ان سے دوگنے تعداد کے اندر وہ جنگیں اور سرایا جن کی کمان دوسروں کے سپرد کی گئی تھی وہ سارے کے سارے اسی مسجد سے روانہ کئے جاتے تھے۔ یہ مسجد مسلمانوں کی یونیورسٹی' ان کی جامعۃ العلوم اور ان کی درسگاہ تھی جس کے اندر صفہ کے لوگ باقاعدہ اور ہمہ وقتی پڑھتے تھے۔ یہ مسجد مسلمانوں کے باہر سے آنے والے مسلمانوں کا ایک ایسا سماجی مرکز بن گئی کہ جہاں مسلمانوں کے نکاح ہوتے تھے اور اسی مسجد کے اندر دوسرے قبائل سے معاہدے ہوا کرتے تھے۔ عیسائیوں سے دس معاہدے اسی مسجد کے اندر ہوئے تھے۔ یہی مسجد مسلمانوں کا سیکرٹریٹ تھا۔ یہ ان کا ریکارڈ روم اور ریکارڈ آفس تھا۔ اور یہ مسجد ہی مسلمانوں کا پروٹوکول اور چیف گیسٹ ہاؤس تھا جہاں مہمانوں کو لا کر ٹھہرایا جاتا تھا اور آج یہ مسجد کیا ہے؟ اس نظامِ خلافت کے اجڑنے اور مسجد سے اس نظامِ خلافت کو جدا کرنے کے بعد اور عیسائیت و مغربیت کی طرز پر دین اور دنیا کو جدا

Marfat.com

کرنے کے نتیجہ میں جب ہم نے اس دین کو مسجد سے جدا کیا تو خلافت کی روح مجروح ہوئی۔ اور اس خلافت کی روح مجروح ہونے کے نتیجے میں یہ امتِ مسلمہ دلدل کے اندر دھنستی چلی گئی۔

میں علمائے امت کو اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جب تک مسجد کا یہ گم شدہ وقار اسے واپس نہیں دلایا جائے گا' جب تک نظامِ مملکت کو اسی صورت میں استوار نہیں کیا جائے کہ مملکت کا سب سے بڑا عہدیدار اس مملکت کی سب سے بڑی مسجد کا امام بھی ہوگا اس کا خطبہ بھی اسی میں پیش کرے گا' اس وقت تک یہ راستہ ہمارے درمیان کھلتا ہوا دکھائی نہیں دیتا ہے۔ اس لحاظ سے ہمیں یہ ضرورت ہے کہ آج دنیا کے اندر جتنی جمہوری حکومتیں اور پیغامات ہیں وہ ایک ایک کر کے ٹوٹ چکے ہیں۔ ستر سال پہلے روس سے ایک نظام نکلا جسے ہماری آنکھوں نے دیکھا' ہمارے سامنے روس کا وہ عالمی پردہ ٹوٹ گیا' شکست وریخت کا شکار ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بطن سے چھ ریاستیں پیدا کر دیں۔ اور اب وہ ریاستیں نظامِ خلافت کی طرف پلٹ رہی ہیں۔ اس مملکت کو جسے پاکستان کہتے ہیں جسے 27 رمضان کی پاکیزہ ساعتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیا۔ اور 65 سال پہلے ایک قوم جو شکستہ تھی' برطانوی عیاریوں کی ستائی ہوئی تھی اور ہندو کی مکاریوں سے تنگ آ چکی تھی' وہ قوم اپنے نظریئے اور اپنی خلافت کے تصورات کیلئے ایک ملک ڈھونڈ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ مملکت دے جسے ہم نظامِ خلافت کا ماڈل بنائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ مملکت عطا کر دی تو اب 5 6 سال سے ملک اس قوم کو ڈھونڈ رہا ہے کہ وہ قوم کہاں چلی گئی جس نے میرے ساتھ یہ عہد کیا تھا' یہ وعدہ میرے ساتھ نبھانے کا عزم کیا تھا کہ وہ مملکت ملے گی تو اسے اسلام کا ماڈل بنائیں گے۔ آج ہم لوگ ترس گئے ہیں کہ یہ مملکت قرضوں' مغربی تہذیب اور ذرائع ابلاغ کی فحاشی کے اندر لتھڑی ہوئی ہے' ہمارے ہاں اس قوم کے اندر جشن بہاراں اور بسنت کے نام پر ایک ایسی تہذیب کو جس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں پروان چڑھاتے ہیں۔ اور یہ بات یاد

Marfat.com

رکھیے کہ مسلمانوں کا عقیدہ مر جاتا ہے اگر اس عقیدہ کی بنیاد پر کوئی صحت مند ثقافت نہ اٹھائی جائے اور مسلمانوں کی ثقافت بھی مر جاتی اگر اس کے پشتیبان کے طور پر کوئی تہذیب نہ اٹھائی جائے اور مسلمانوں کی تہذیب بھی مر جاتی ہے اگر اس کی پشتیبان کے طور پر کوئی ریاست قائم نہ کی جائے اور مسلمانوں کی ریاست بھی مر جاتی ہے اگر اسکا پشتیبان کوئی امت موجود نہ ہو اور وہ کون سی امت کہ:

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے ہی پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کیلئے بہتر تھا۔ ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر فاسق ہیں''۔

آج یہ امت اس خلافت کی نگہبان ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ نے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا جو پرچم ہمارے سپرد کیا تھا' آج اس کو تھامنے کی ضرورت ہے۔ پوری دنیا اس وقت انتشار کا شکار ہے۔ مغرب خاندانی نظام کے اعتبار سے بکھر چکا ہے' وہاں کے سات ملکوں کے شہریوں کے پاسپورٹ پر باپ کی بجائے ماں کا نام لکھا جاتا ہے۔ 37 فیصد بچے اپنے باپ کا چہرہ پہچاننے سے قاصر ہیں۔ وہ مغرب جس کی تہذیب کٹ چکی ہے جو آبرو باختہ ہو چکی ہے جو ایک فاحشہ اور طائفہ کی طرح بدنام دنیا میں پھرتی ہے' آج اس فاحشہ تہذیب کو اپنے گلے سے لگانے کیلئے ہمارے بھی چند لوگ تیار ہیں۔ شرمناک بات یہ ہے کہ پاکستان کی قراردادِ مقاصد اور اس کے آئین کے سیکشن 227' اسلامی نظریاتی کونسل کے تحفظات اس کی رپورٹیں اور یہ سارے شرعی ادارے اس کو نظامِ خلافت کی طرف لے جانے والے ہیں۔ افسوس ہے کہ ملک کا دستور اس ملک کو نظامِ خلافت کی طرف لے جانا چاہتا اور اسے کتاب وسنت کی سچی تصویر بنانا چاہتا ہے لیکن ایک ایسی تصویر جو جاگیرداروں اور مغربی تہذیب کے رسیا لوگوں کی شکل میں اس نظام خلافت کا علیٰ منہاج النبوۃ راستہ روکے ہوئے ہے۔ مسلمانوں کو اپنے اندر یہ روح بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ پھر اٹھیں اور دنیا کو جس پیغام سے محروم ہے وہ نوید انہیں سنائیں۔

Marfat.com

خوش آئند بات یہ ہے کہ آج مشرق و مغرب میں مسلمانوں کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے۔ تاریخ کے اوراق کو توجہ کے ساتھ دیکھئے' دنیا کا نقشہ تبدیل ہونے والا ہے اور دنیا کے اس نقشے پر آپ غور کریں' وہ لوگ جنہوں نے ایک گول رنگ کا کرہ دیکھا ہے جس پر تین حصے سمندر اور ایک حصہ خشکی ہے' اس کے اوپر کچھ خط اوپر سے نیچے کو آتے کچھ دائیں سے بائیں چلتے ہیں۔ ان خطوں کو دیکھئے' مسلمان مراکش سے لیکر ملائشیا تک اس کرے میں ایسے حصے پر موجود ہیں کہ جسے خطِ استوا کہتے ہیں۔ اس حصے کے اندر موسم بہترین' اجناس بہترین' فصلیں اور معدنیات بہترین اور اس حصے کے اندر افرادی قوت کی پوری توانائیاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کی ان ساری قوتوں کو جو اللہ کا عطیہ ہیں اس لیے دے رکھا ہے کہ یہ امت اس پیغام کو کہ جسے یہ بھول چکی ہے' اس سنت کو جسے یہ فراموش کر چکی ہے' وہ اسوہ جو طاقِ نسیاں پر رکھ دیا ہے پھر سے اٹھائے اپنے سامنے رکھے اور اس عزم کے ساتھ آگے بڑھے کہ جو پیغام آپ ﷺ کو دیا گیا ہے اس کو بجالائے:

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام مذاہب پر غالب کردے' اگرچہ مشرکوں کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو''۔

آج دنیا کے کافر خواہ کچھ کہیں لیکن یہ نظام آگے بڑھ رہا ہے یہ نظام یورپ کے وسط میں آگے بڑھ رہا ہے اور شیشان و چیچنیا کے منجمد شہروں کے اندر ایک حرکت پیدا کر رہا ہے۔ یہ پیغام دنیا کے کونے کونے میں پیوست ہو رہا ہے۔ اس پیغام کے خوف سے امریکہ کی یونیورسٹیوں کے اندر فنڈا مینٹل ازم اور ٹرائیبل ازم کی تحقیقات جاری ہیں۔ وہ سوچ رہیں ہیں کہ یہ کیا قوم ہے کہ جس کی مائیں اپنے شہیدوں کے جنازوں کا استقبال کرتی ہیں۔ یہ کیسی قوم ہے کہ جس کی مائیں خنساؓ کی طرح اپنے بیٹوں کی شہادت کی منتظر دکھائی دیتی ہیں۔ انہوں نے وہ کون سی زرہ پہنی ہیں کہ ہمارے ایٹم بم سے بھی خوف زدہ نہیں۔ اگرچہ یہ قوت بھی دین کی عطا کردہ قوتوں میں سے ایک ہے لیکن وہ قوت جس سے وہ خوف زدہ ہیں وہ یہ ہے کہ اس امت کے اندر ایمان اور جہاد کی

Marfat.com

قوت پھر نہ اٹھ جائے کہ دنیا پر پھر غالب آنے کا سامان وہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہی بات سورۂ نور کے اندر فرمائی اور سورۂ صف کے اندر تو یہ وعدہ کر رکھا ہے۔ آیتِ استخلاف میں مسلمانوں کو یہ برہان عطا کر رکھی ہے کہ تجاھدون اگر تم جہاد اختیار کرو گے' اپنے اموال اور اپنے نفس سے تو پھر کائنات میں کوئی بھی تمہارا راستہ نہیں روک سکے گا اور یہ راستہ روس کی آہنی قوت نہیں روک سکی' یہ راستہ امریکہ کی قوت بھی نہیں روک سکے گی' یہ راستہ کوئی سازش بھی نہیں روک سکے گی۔ انشاء اللہ۔

جس امت کو فقر اور اقتصاد کا تصور دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ''الاقتصاد نصف المعیشۃ'' تمہاری معیشت میانہ روی کی معیشت ہونی چاہئے۔ آج ہم افراط و تفریط کا شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ خلافت کا نظام ''الاقتصاد نصف المعیشۃ'' کی تصویر تھی' 22 لاکھ مربع میل کا تاجدار اپنے جسم پر پیوند پہنے ہوئے ہے۔ اپنی پشت پر رات کو گشت کرتے ہوئے خوراک کا سامان اٹھائے ہوئے راتوں کو پہرا دے رہا ہے۔ امر بالمعروف کے ایک ایک پہلو کی نگہبانی کر رہا ہے اور نہی عن المنکر کی صورتیں وضع کر رہا ہے۔ عالم کے اندر پیدا کی ہوئی خرابیوں کو دیکھ رہا ہے۔ اصولِ مشاورت کو اپنی انتہاؤں تک پہنچا رہا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے وقتی مصالح کے تحت مالِ غنیمت تقسیم کیا تھا لیکن عراق کی یہ جو زرخیز زمینیں ہیں اب تقسیم کی بجائے اسلامی مملکت کا حصہ ہیں تاکہ ریاست کا ساز و سامان پیدا کیا جائے۔ مشاورت آگے سے آگے بڑھتی ہے اور اس طریقہ سے خلافت کا نظام پوری قوت کے ساتھ انسانیت کے سامنے روشن ہو جاتا ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام نے اپنے خلافت کے نظام کے ذریعے سے انسانیت کو جو حکمرانی کے اصول عطا فرمائے ہیں اس میں انسانوں پر انسانوں کی حکمرانی کو ختم کر کے انسانیت پر لا الٰہ الا اللہ کی حکمرانی کو قائم کیا گیا۔ معاشرے میں عدل بین الناس کا ایک عظیم الشان نظام کیا۔ جبکہ آج کے معاشرے میں افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ وکیل کرنے کی بجائے جج کر لیا جائے۔ اور ایک ایک ہائی کورٹ کے اندر ہزاروں

Marfat.com

مقدمات انسانیت، کے منہ پر طمانچہ بنے ہوئے ہیں۔ آج انسان معاشرے کی خرابیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ خلافت کا نظام ہے جو عدالتوں کے نظام کو درست کرے گا' انصاف کے میزان اور ترازو کو قسطاس کے ساتھ قائم کرے گا۔

جب تک خلافت کا نظام قائم نہیں ہوگا معاشرے میں عدالتوں اور کچہریوں میں یہ ظلم جاری رہے گا' اس معاشرے میں موجود ایکسپورٹیشن کا ہر ملازم اس بات کو سنے' عوام الناس' تاجر اور کاشتکار اس بات کو سنیں کہ جب تک یہ نظامِ خلافت اپنے عدل اور عمل اجتماعی کو یہاں پر نافذ نہیں کرے گا تب تلک تمہاری عدالتیں انصاف کی بجائے ظلم کاشت کرتی رہیں گی تمہارے ہاں عدل کی بجائے لوٹ کھسوٹ جنم لیتی چلی جائے گی۔ اس ہلاکت خیز دور اور انتشار کے اندر اپنے ہاں عدلِ اجتماعی کے اس نظام کو لانے کیلئے نظامِ خلافت کے پرچم تلے آ جائیں' یہ نظامِ خلافت کتاب وسنت کا داعی ہے۔

ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس نظامِ خلافت کو نقب لگانے کیلئے یہودیوں نے سب سے پہلے یہ کوشش کی کہ یونانیوں کے علوم کو کتاب وسنت کے علوم کے ساتھ پیوست کیا جائے۔ بغداد کے اندر پہلا فکری انتشار پیدا کیا گیا کہ مسلمانوں کو جو کتاب وسنت کی حجت اور برہان عطا کیا گیا تھا' اس کے اندر یونانی فکر کا پیوند لگانے کے بعد اعتدال کے فتنے پیدا کیے گئے۔ اشاعرہ اور معتزلہ کی بحثیں چھیڑی گئیں۔ پھر ہم نے دیکھا کہ اس دین اور پیغام کے اندر' دین کے اس ماڈل اور آفرینش میں اسوۂ حسنہ میں سب سے پہلا داغ ایران اور خراسان کی سرزمین کے اندر لگایا گیا۔ ایرانیوں نے اپنی مجوسیت اور اس کے باطل عقائد کو اس دین اور پیغام کے ساتھ پیوست کر کے اس دین کی روح کو مجروح کیا اور اس دین کے ساتھ تیسرا پیوند برصغیر کے ہندومت اور ہندو مذہب کے جو معاشرت اور عقائد تھے اس کا اضمحلال اس کے اندر داخل کیا گیا اور اب وہ دین الخالص' وہ دین جسے دنیا کے اندر غالب ہونا تھا' اس کے کئی ایڈیشن ہم نے بنا ڈالے۔ ایک وہ ایڈیشن جو معتزلہ کے ذریعہ سے یونانی فکر کے ساتھ ملا ہوا تھا اور دوسرا وہ جو ہندوستان اور خراسان کے

Marfat.com

ساتھ ملکر عجمی اور متصوفانہ عقائد کے ذریعے سے پیوست تھا اور تیسرا وہ جو ہندوستان کی صنمیت اور علم اصنام کے حوالے سے ہمارے دین میں ایک نیا ملغوبہ پیدا کرتا چلا گیا۔

ضرورت ہے کہ اس نظامِ خلافت کیلئے کتاب وسنت کی سچی اور سُچی تعلیمات کو بلند کیا جائے۔ 11 ہجری تک نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ کا جنگ کا آخری پرچم جو اسامہ بن زید کے ہاتھوں میں دیا اور جب یہ مرحلہ آیا اور سوچا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف فرما نہیں ہیں اور ایک غلام زادے کے سپرد اتنے بڑے لشکر کی قیادت جو ہم سونپ رہے ہیں کسی اور قریشی النسل اور نام ونسب والے کے پاس ہونی چاہئے تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا (اور یہ روح خلافت کا کمال تھا) کہ جس لشکر کی قیادت جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اسامہ کے ہاتھ میں رکھی ہو کسی کے اندر یہ قوت نہیں ہو سکتی کہ وہ ان ہاتھوں کو یا اس علم کو تبدیل کرنے کی کوشش کرے۔ پھر اس طرح سے جواب دہی کا ایک ایسا احساس پیدا کیا گیا کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سے چھوٹی عورت ایک بڑھیا بھی سرعام خلیفہ وقت کا احتساب کر سکتی ہے وہ اس کے معاملے میں پوچھ سکتی ہے اور سیدنا عمر فاروقؓ یروشلم کے علاقہ سے واپس آرہے ہیں۔ راستے میں ایک بڑھیا کا شکستہ خیمہ دیکھتے ہیں۔ بڑھیا سے اس کی حالت پوچھتے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ خلیفہ کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ تو عمرؓ نے فرمایا معافی چاہئے کہ میرے پاس امور سلطنت بہت زیادہ ہیں۔ تو کہتی ہے کہ اگر امورِ سلطنت زیادہ ہو گئے ہیں اور تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے تو بہتر ہے کہ منصب خلافت سے الگ ہو جاؤ ورنہ اس کی ذمہ داریاں نبھاؤ۔ خلیفۃ المسلمین اس بات سے ناراض نہیں ہوتا بلکہ درخواست کرتا ہے کہ میں خدمت کے سارے تقاضے پورے کروں گا' مجھے معافی دے دو اور پھر معافی نامہ لکھنے کی درخواست کرتے ہیں۔ 22 لاکھ مربع میل کے حکمران عمر فاروقؓ بڑھیا سے وہ معافی نامہ لکھواتے ہیں اور پھر یہ وصیت کرتے ہیں کہ جب میں مروں تو میرے ساتھ میرے اس معافی نامہ کو بھی دفن کر دیا جائے اور پھر نزع کے عالم میں اپنے بچوں سے کہتے ہیں کہ امت کی ماں سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس جاؤ اور یہ درخواست کرو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صدیق اکبرؓ کے پہلو

Marfat.com

میں دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔ امت کی ماں نے اس کی اجازت دے دی تو اس کے باوجود فرمایا کہ بیٹے ابھی میری سانس باقی ہیں اور میں خلیفۃ المسلمین ہوں جب میری سانس اکھڑ جائے اجل مسمیٰ آ جائے' میں اللہ کے پاس پہنچ جاؤں تو تدفین سے پہلے ایک مرتبہ پھر امت کی ماں سے میرے لیے تدفین کی اجازت چاہنا۔ خلافتِ اسلامیہ میں جواب دہی اور مسؤلیت کے ایسے واقعات سے کتب تاریخ بھری پڑی ہیں۔ اطاعت بالمعروف کا ایسا نمونہ اور اقتدار کی حرص و ہوس سے الگ رہنے کی ایسی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔

چاروں خلفا نے جب خلافت کا حلف اٹھایا تو ابتدائی خطبات اور تقریر میں ان کا کیا موضوع تھا؟ کتاب وسنت سے تمسک کا کیا معاملہ تھا؟ اپنی سمع وطاعت کو معروف کے ساتھ کیسا مخصوص رکھا ہے' یہ اس نظامِ خلافت کی وہ قوت ہے جو اس خلافتِ راشدہ کے اندر پوری قوت کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خلافت پوری قوت کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ شورائیت اپنی پوری قوت' اہل الرائے اور قانون کی بالاتری کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔ بیت المال میں امانت کے تصور کے ساتھ تصرف کیا جاتا ہے۔ حکومتوں کا یہ تصور ہے کہ کتاب وسنت کی بالاتری ہے اور خلیفہ بھی اس کتاب وسنت کی بالاتری کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہے اور اقتدارِ اعلیٰ انسانوں کی بجائے اللہ احکم الحاکمین کے پاس ہے۔ ہمارے ہاں یہ جو عوام الناس کے اقتدار کا نعرہ لگایا جاتا ہے' گمراہ کن اور شرکیہ ہے۔ ان الحکم الا للہ کہ حاکمیت واختیار تو صرف اللہ کے پاس ہے اور وہ اقتدار خلفائے امت کے پاس ایک امانت کے طور پر موجود ہے اور پھر یہ دین ایک عالمگیر دین ہے۔ آج لوگ گلوبل ولیج اور یونیورسل ازم کی بات کرتے ہیں جبکہ محمد الرسول اللہ ﷺ نے دنیا کے اندر پہلا عالمگیر نظام دیا۔ اس سے پہلے دنیا کے اندر پیغام وقتی ہوا کرتے تھے۔ علاقائی طبقاتی اور لسانی بنیادوں پر استوار تھے جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا پیغام ایک عالمگیر پیغام تھا جسے صحابہؓ نے خلافتِ راشدہ کے دور میں اپنے زمانہ میں تین براعظموں کے مختلف حصوں پر قائم کر کے انسا[illegible]ں

۱۲۵۷۸۸

Marfat.com

کو یہ بتلایا کہ یہ پیغام صرف حجاز' خراسان اور ایران کیلئے نہیں تھا بلکہ سمندروں سے پار اور خشکیوں سے پرے جہاں جہاں بھی دنیا کے حصے موجود ہیں وہاں تک پہنچے گا۔ یہ نظام ایک عالمگیری نظام ہے۔ 1434 سال پہلے یہ نظام' صحابہ کرامؓ کا یہ اثاثہ ایک عالمگیر' یونیورسل اور گلوبل اثاثہ تھا اور آج 1434 سال گزرنے کے بعد یہ صرف ایک عالمگیر پیغام ہے۔ دوسری طرف امریکہ کا پیغام عالمگیر نہیں۔ اس کے پیغام کو تو خود امریکہ میں نہیں مانا جاتا' دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت امریکہ کے انتخابات ہوئے اور آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ ڈیڑھ مہینہ تک فیصلہ نہ ہو سکا۔ ان کی کرپشن اور خرابیوں کی داستانیں دنیا بھر کے انٹرنیٹ اور مختلف میڈیا کے ذریعہ سے ان کی تفصیلات ہمارے سامنے آتی ہیں۔ جو لوگ اپنے گھر کا نظام نہیں سنبھال سکتے وہ عالمگیر نظام کی نوید کیسے سنائیں گے؟ عالمگیر نظام کی نوید تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے خطبہ الوداع کے موقع پر منشورِ انسانیت پیش کرتے ہوئے بتادی تھی۔

میں مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہوں گا کہ 1215ء میں کنگ جاؤن کے زمانہ میں انگلستان میں عالمگیر یا بنیادی حقوق کا تصور بھی نہیں تھا۔ عالمگیر تصور انقلابِ فرانس میں بھی نہیں ہے۔ عالمگیر تصور تو اقوامِ متحدہ کے 1947ء میں فنڈامینٹل رائٹس اور بنیادی حقوق کا چارٹر بھی نہیں ہے۔ دنیا کا پہلا عالمگیر تصور محمد رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر پیش کیا اور قیامت تک کیلئے یہ منشور ایک عالمگیر تصور پیش کرتا ہے۔ لیکن آج ہم علاقائی ہیں محمد الرسول اللہ ﷺ نے انسانیت کو ایک عقیدہ کی بنیاد پر قائم کیا کہ:

اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

دنیا کے اندر اسلام وہ پہلا دین تھا جس نے قومیتوں کو لسانی' علاقائی اور جغرافیائی تصورات ختم کر کے ایک عقیدے کے تصورات میں پرو دیا۔ ایک ملت ملۃ ابیکم ابراھیم کا تصور پیش کیا۔ دنیا کے اندر یہ خلافت کا تصور آج اس عالمگیر حوالہ سے ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ وہ نظام ہے کہ جس کے اندر کسی اپوزیشن یا اصحابِ اقتدار کا کوئی تصور نہیں۔ خلافتِ راشدہ ایک

Marfat.com

یہ وہ نظام ہے کہ جس کے اندر کسی اپوزیشن یا اصحابِ اقتدار کا کوئی تصور نہیں۔ خلافتِ راشدہ ایک منظم جماعت کا نام ہے۔ وہ نظام یا جماعت ایک کتاب وسنت کے نظام کے ساتھ منسلک تھی۔ یہ بات کون نہیں جانتا کہ صحابہؓ ایک جماعت اور ایک حزب اللہ کے اندر شامل و منحصر تھے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ کتاب وسنت کی بنیاد پر ان تعصبات کو ختم کریں۔

آج اگر ہم دیکھیں کہ وہ کون سی رکاوٹیں ہیں کہ دنیا کے اندر خلافت جیسا نظام اور شریعت جیسا قانون' حجۃ الوداع جیسا منشور انسانیت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو رہا۔

اس کی تین وجوہات سامنے آتی ہیں: سب سے پہلے یہ کہ جب تک ہم اپنے علوم کو ہر قسم کے یونانی' مجوسی' ایرانی اور ہندی تصور سے پاک کر کے اس دین کو الدین الخالص نہیں بنائیں گے اس وقت تک یہ پیغام' پیغامِ خالص نہیں بن سکتا۔ ہم اپنے دین کے تقاضوں کے مطابق قرآن وسنت پر جمع ہو جائیں اور یہ امت اپنے آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کہلوانے کیلئے کتاب و سنت پر جمع ہو جائے۔ یہ عصبیتیں اور فرقہ وارانہ تصورات چھوڑ دیں۔ صحابہؓ ایک تھے' صدیقِ اکبرؓ نبی اکرم ﷺ کے سسر تھے' آپؐ کی بیٹی سیدہ عائشہ صدیقہؓ ان کے گھر میں ہیں۔ عمر فاروقؓ کی بیٹی آپ ﷺ کے گھر میں تھیں' سیدنا علیؓ کی صاحبزادی عمر فاروقؓ کے گھر میں تھیں۔ اس طرح حضرت ام عمیسؓ کبھی وہ سیدنا جعفرؓ کے گھر میں ہیں اور کبھی صدیقِ اکبرؓ کے گھر والی ہیں اور کبھی علیؓ کے گھر میں ہیں۔ ان کے بچوں کے نام ایک جیسے ہیں۔ آپس میں رحماء بینھم کی تصویر بنے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ لوگ رحماء بینھم' اولئک ھم الصدقون اور اولئک ھم المفلحون ہیں۔ اور کبھی رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ یعنی آسمان والا ان سے راضی ہو گیا اور یہ آسمان والے ان سے راضی ہو گئے۔ لیکن وہ کون ہیں جو آسمان والے کے فیصلے سے راضی ہو گئے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس امت کی تاریخ ایک ہے' اس کا پیغام اور نظام بھی ایک ہے' افسوس کہ یہ امت ایک نہیں ہے۔ جب تک اس خلافت کے راستہ میں پہلی اور آخری رکاوٹ یعنی امت کے انتشار کو وحدانیت سے نہ بدلا جائے گا' ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں

Marfat.com

کیلئے تیار ہو جائیں کہ ان کے ایسے فقہی اختلافات کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ جس کتاب و سنت پر لوگوں کو قائم کر کے گئے تھے اور جسے قرآن نے کہا تھا کہ:

"وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا"

تم نے یہ معیار چھوڑ کر اپنی ذہنی علاقائی اور طرح طرح کے تعصبات اور پیغام کیوں اختیار کر لیے' سوچ لیجئے کہ اس دن آپ کے پاس کیا جواب ہوگا۔ اگر آپ اس جواب دہی کیلئے تیار ہو جائیں تو آج ہمارے زمانے میں انسان پھر انسانی غلامی سے نجات پالے گا اور انسانوں کیلئے کائنات کے اندر ایک ایسا نظام پیدا ہو جائے گا' خلافت کے ذریعے ایک ایسی قوت اور مساوات کی بنیاد پڑ جائے گی کہ زمین خزانوں کو اگل دے گی۔ آسمان برکات نازل کر دے گا اور امت ایک دفعہ پھر (جیسا کہ قرآنِ مجید میں کہا گیا ہے کہ) خوف کے بعد امن کی حالت میں تبدیل ہو جائے گی۔ سورۂ نور کے اندر ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ جس استخلاف فی الارض کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اس نظام کو اپنانے کے بعد جو پہلا انعام انسانیت کو ملے گا وہ یہی ہے کہ جس خوف میں ہم آج مبتلا ہیں اس سے نجات مل جائے گی اور امن کی حالت آ جائے گی۔ صنعا سے حضر موت تک ایک بڑھیا سونا اٹھائے آئے گی کوئی میلی آنکھ سے دیکھنے والا نہیں ہوگا جب کہ فی الوقت صورتِ حال یہ ہے کہ ایک دکان سے گھر تک جانے کا راستہ بھی محفوظ نہیں۔ آج ہمیں اپنی اس شکستہ حالی پر سوچنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ ملک پاکستان اس خلافت کا سب سے بڑا مرکز ہے اس لیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ مدینہ کی اسلامی ریاست کے بعد ہم نے اللہ سے ایک عہد کیا ہے کہ اس ملک کے اندر کتاب و سنت کے نظام کو قائم کریں گے۔ ایک نفاق' تضاد اور تناقض ہے جس میں 46 سال سے ہم گرفتار ہیں۔ آیئے اٹھیں اور اس نظامِ خلافت کو قائم کر دیں۔ سارے طبقات' سارے مسالک' ساری قوتیں اور سارے حصے جب ایک امت کے جھنڈے تلے آ جائیں گے تو یقین جانئے کہ یہ خشک سالی ختم ہو جائے گی۔ قحط کے یہ مسائل ختم ہو جائیں گے' عدالتوں کے اندر انسانوں کے

Marfat.com

ہاتھوں انسانوں کی رسوائی کا باب بند ہو جائے گا' یہ عزتوں کی نیلامی ختم ہو جائے گی' یہ فحاشی اور بے حیائی کے سامان ختم ہو جائیں گے' گھروں کے اندر امن ہوگا' محبتوں کا پرچار ہوگا' دنیا بھی سنورے گی اور اس کے نتیجے میں آخرت کا نظام بھی سنورے گا اور (یریدون لیطفوا نور اللہ بافواھھم) اقوامِ عالم خواہ اس چراغِ خلافت کو کتنا ہی بجھانے کی کوشش کریں' ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گی۔

بوسنیا' چیچنیا اور افغانستان میں تم نے دیکھ لیا' یہ اللہ کا وعدہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ایمان' اعمالِ صالحہ' جہادِ مالی' اور جہادِ نفسی کرنے والوں کے ساتھ اس وعدہ کو برقرار رکھا ہے' آئیے دنیا بھر میں یہ پیام لیکر جائیں' ایک عزم لیکر جائیں کہ ہماری نمازیں' ہمارے روزے' زکوٰۃ اور دیگر تمام اعمال کی برکات پوری طرح اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتیں جب تک ان کا مقصود کتاب وسنت پر مبنی نظامِ خلافت یعنی الخلافۃ علی منہاج النبوۃ بھی قائم نہ کر دیا جائے۔ سیدنا نعمان بن بشیرؓ نے اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی حدیث پیش کی' وہ حدیث بڑی طویل ہے اور اس کی تشریح اس سے طویل تر' لیکن اس حدیث میں محمد رسول اللہ ﷺ نے پانچ مراحل گنوائے کہ یہ خلافت کیسے قائم ہو گی اس میں زوال کیسے آئے گا اور پھر اس زوال سے نکلنے کا راستہ کیا ہوگا اور پھر خلافت علی منہاج النبوۃ کیسے قائم ہوگی۔

ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کا سٹیج تیار ہو چکا ہے' طاغوتی قوتیں مجتمع ہو چکی ہیں اور عالمِ اسلام جو ایک ذہنی غلامی کی شکار قیادت کے پنجے میں جکڑا ہوا تھا' اب انگڑائیاں لے رہا ہے۔ آئیے اپنے اوپر اللہ کے دین کو قائم کریں' معاشرے سے شرک وبدعات کا خاتمہ کریں' اللہ کی توحید کو قائم کریں اور زندگی کے ہر میدان میں کتاب وسنت کو لیکر نکلیں اور اس ملک کے اندر اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کریں اور کتاب وسنت' خلافتِ راشدہ اور اسوۂ حسنہ کا یہ پیغام لیکر زمانے کے اندر آگے بڑھیں۔ ہماری دنیا بھی سنور جائے گی اور ہماری نسلیں بھی سدھر جائیں گی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

Marfat.com

اسلام پر کیا گزری؟

Marfat.com

اٹھو میری دنیا کے مکینوں کو جگا دو
غیر اللہ کی غلامی کے ہر پھندے کو اڑا دو

Marfat.com

اسلام پر کیا گزری؟

......چودھری رحمت علی

مسلمانانِ عالم ہیرو سے زیرو بن گئے۔ آئیں، جائزہ لیں آخر کیوں؟

بے پایاں عنایات

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو عنایات عطا کر رکھی ہیں زیرِ آسماں کسی دوسری قوم کو عطا نہیں کیں۔ مثلاً:

1- دنیائے اسلام کا محلِ وقوع ایسا کہ کرۂ ارض کے عین وسط میں۔ دورِ حاضر کے بڑے بڑے ممالک واقع ہیں تو دنیا کے کناروں یعنی قطبین پر۔ روس، امریکہ، چین، آسٹریلیا وغیرہ نہایت ناموزوں محلِ وقوع میں واقع ہیں۔ نہر سویز جیسی دنیا کی آٹھ بڑی آبی گزرگاہیں بھی اسلامی دنیا میں واقع ہیں۔ دنیا کی بری، بحری، فضائی شاہراہیں اسلامی دنیا سے ہو کر گزرتی ہیں۔ آب و ہوا دنیائے اسلام کی ایسی کہ ہر لحہ کہیں نہ کہیں سورج اسلامی دنیا میں چمکتا ہے۔ بالفاظِ دیگر ہر موسم کی اجناس، سبزیاں، پھل وغیرہ اسلامی دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں پرورش پا رہی ہوتی ہیں۔ دنیائے اسلام ان فصلات و ثمرات کے حساب سے خود کفیل ہے۔ سندھ طاس اور دریائے نیل جیسے عظیم ذرائع آبپاشی مسلمانوں کے پاس ہیں۔ کرۂ ارض کی ہموار اور زرخیز زمینیں زیادہ تر مسلمانوں کے پاس ہیں۔

2- دنیا بھر کے 60 فیصد سے زیادہ معدنیات کے ذخائر مسلمانوں کے پاس ہیں۔ کسی بھی دور کا مؤثر ترین ہتھیار یعنی معدنی تیل تو ٹھاٹھیں مارتا ہوا زیادہ تر مسلمان سرزمینوں میں ہے۔ پٹ سن اور کپاس جیسے قیمتی ریشوں کی بہتات بھی مسلمان خطوں میں ہے۔

3- افرادی قوت اتنی کہ دنیا کی آبادی میں ہر چوتھا فرد مسلمان ہے۔ سرمایہ و زر کی اس قدر فراوانی کہ دنیا بھر کے بیشتر کارخانے، فیکٹریاں، بنک اس سرمائے کے بل پر معرضِ وجود میں

Marfat.com

آئے جو مسلمان اوپیک ممالک نے ان کے ہاں بینکوں میں جا جمع کروائے۔ اغیار نے اسی سرمائے کا کچھ حصہ اپنی صنعت بالخصوص عسکری ہتھیار تیار کرنے میں لگایا اور پھر زیادہ تر مسلم ممالک کو ہی بیچا تاکہ وہ خود ایسا اسلحہ تیار کرنے کا کبھی نہ سوچیں۔ دوسرا بڑا حصہ اسی سرمائے کا پاکستان جیسے بھکاری ملکوں کو ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف وغیرہ جیسے اداروں کے ذریعہ بطور قرض دیا تاکہ وہ انہی ممالک کے گن گائیں کہ جن کا دیا کھائیں۔ مغربی سامراجی ممالک نے مقروض ممالک سے سود لیا تو وہی سود اوپیک ممالک کو اپنے ہاں رکھے گئے سرمائے کے طور ادا کیا۔ دو بلیوں اور بندر کی مثال ایسے ہی مواقع پر بولی جاتی ہے۔

4۔ مسلمانوں کو بے پایاں قدرتی اور مادی وسائل کے ساتھ ایک اور بڑی...... بہت ہی بڑی نعمت عطا کی تو یہ کہ قرآن وسنت کا بے مثل سرمایہ ان ہی کے پاس ہے۔ پھر مسلمانوں کو ہی "خیر امت" کا عظیم لقب دے کر انہیں دنیا والوں کی اصلاح ورہنمائی کا عظیم رتبہ ومقام عطا فرمایا۔ لیکن......

پستی ومغلوبیت

ان بے پایاں عنایات ونوازشات کے حامل ہونے کے باوجود مسلمان ہیں آج کی دنیا میں تو نہ صرف زوال پذیر بلکہ ذلت ومسکنت کا شکار۔ اقوامِ عالم میں آج مسلمانوں کی وہی حیثیت ہے جیسے ہندوؤں کی ایک نچلی ذات یعنی شودروں کی۔ بھلا کیسے؟

1۔ اغیار کی معرضِ وجود میں لائی ہوئی عالمی پنچائیت...... یو این او کے ذیلی ادارے سلامتی کونسل میں کچھ مستقل ممبران ہیں تو کچھ وقتی وعارضی۔ مستقل ممبران ویٹو پاور کے بھی حامل ہیں۔ یو این او میں تقریباً ایک تہائی تعداد مسلمان ممالک کی ہے لیکن اتنی بڑی نمائندگی کے باوجود چراغ لیکر ڈھونڈیں سلامتی کونسل کے مستقل ممبران میں کوئی ایک بھی مسلمان ملک نہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ تمام مسلمان ممالک اگر کوئی متفقہ قرارداد بھی پاس کرلیں تو "ویٹو" اپنی ایک جنبش سے ایسی قرارداد کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔ پستی اور کیا ہوتی ہے' مغلوبیت اور کس کا نام ہے؟

2۔ دنیا کی ڈرائیونگ سیٹ پر کفر براجمان ہے۔ مسلمان بھی اسی کشتی کے کسی کونے میں

Marfat.com

موجود ہیں لیکن سہمے ہوئے‘ ڈانٹے ہوئے‘ دم بخود۔ ڈرائیور خود کو بھی اور دبائے گئے مسلمانوں کو بھی اندھیروں‘ کھائیوں اور پگڈنڈیوں میں بسرعت لے جارہا ہے۔ ایسے میں مسلمان ہیں کہ بے بس و بے زباں۔ ذلت و مسکنت اور کس بلا کا نام ہے؟

3- دنیا بھر میں جہاں جہاں بھی خون کی ندیاں بہائی جارہی ہیں اکثر و بیشتر مسلمان سرزمینیں ہیں۔ ارزانی ہے دنیا میں تو خونِ مسلم کی اور ویرانی ہے تو عصمتِ مسلماں کی۔

ایک اہم سوال

پچھلی کئی صدیوں پر بغور نظر دوڑائیں‘ بات بڑی واضح کہ ایک طرف علماءِ کرام‘ خطباءِ عضام‘ دینی مدرسوں‘ دارلعلوموں‘ اسلامی کتب اور کتب خانوں‘ اسلامی تحریکوں اور ان کی جانفشانیوں کا گراف اوپر کو گیا ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کی ذلت و رسوائی اور پستی و زوال کا گراف بھی بدستور اوپر کو گیا ہے بلکہ اوپر سے اوپر جارہا ہے۔ آخر یہ تضاد کیوں کہ ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“؟ یقیناً مرض کی تشخیص میں کوئی زبردست خامی ہے کہ علاج تو ضرور ہورہا ہے لیکن اصل مرض کی تشخیص کیے بغیر۔ اس مختصر تحریر میں صدیوں بعد پہلی دفعہ نہ صرف اس اصل مرض کی تشخیص کی گئی ہے بلکہ اس کا تیر بہ ہدف اور مجرب علاج بھی پیش کیا گیا ہے۔

کارواں لٹا تو کیسے؟

11 تا 40 ہجری پر پھیلا تقریباً 30 سالہ زیرِ آسماں رواں دواں رہنے والا زمانہ وہ سنہری اور انوکھا دور ہے کہ جس جیسا دور چشمِ فلک نے نہ اس سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں۔ ترس گئے کون و مکاں‘ بحر و بر‘ شمس و قمر‘ لیل و نہار ویسے دور کے انتظار میں۔

اس بے مثل اور انوکھے دور میں صرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کو ہی مدِنظر نہ رکھا گیا‘ غیر مسلموں کی فلاح و بہبود کو ہی مدِنظر نہ رکھا گیا‘ پرندوں‘ چرندوں اور چوپایوں تک کی سہولتوں کو بھی مدِنظر رکھا گیا۔ یہی وہ دور ہے کہ جب عدل تھا تو اس پائے کا کہ خلیفۂ وقت یعنی مراکش و چین کی سرحدوں

Marfat.com

تک پھیلی ہوئی سلطنت کے سربراہ کو بوقتِ ضرورت عدالت کے کٹہرے میں کھڑا دیکھا گیا۔امن تھا تو اس قدر کہ جس ملک میں صرف قافلوں کی شکل میں سفر کیا جاتا تھا' وقت آیا کہ زیورات سے لدی پھندی عورت کو ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اکیلی سفر کرتے ہوئے دیکھا گیا اس حالت میں کہ اسے اللہ کے خوف کے علاوہ کوئی دوسرا خوف لاحق نہ ہوتا۔خوشحالی تھی تو اتنی کہ اہلِ ثروت حضرات صدقات اٹھائے نکلتے تھے تو انہیں کوئی ضرورت مند مشکل سے ملتا۔اتحاد تھا تو اتنا کہ پوری دنیائے اسلام کے ذرائع و وسائل اس ایک خلیفہ کے ہاتھ میں مرتکز تھے جس کی اطاعت بھی سمع وطاعت کی حامل تھی۔دنیا میں غلبہ تھا تو قرآن وسنت کی تعلیمات واحکامات یعنی دینِ حق کا۔

عین اس وقت جب وہ دور یعنی دورِ خلافتِ راشدہ بڑی آن و شان سے رواں دواں تھا اس مبارک دور کو منقطع کرتے ہوئے ملوک آدھمکے۔یہ ہمالہ قد تبدیلی تھی۔یہ المناک سانحہ برپا کرنے والے ملوک غیر مسلم نہ تھے۔کسی سامراجی وابلیسی قوت سے ان کا تعلق نہ تھا۔یہ مسلمان تھے۔اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔آج ہمارے ہاں شور شرابہ ہے کہ فلاں طاغوتی طاقت ہم پہ حملہ آور ہے۔فلاں فلاں دشمن ہمیں لوٹ رہا ہے۔لوٹنے والے اس وقت اغیار نہ تھے' کلمہ گو تھے۔البتہ ان گم گشتہ مسلمانوں کے کئے کا آج کے مسلمان بھگت رہے ہیں۔قصرِ اسلام کو مسمار کرنے والوں نے اغیار کو موقع فراہم کیا تو اب بقول اقبال' صورتِ حال کچھ اس طرح ہے:

نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑا اس باغ میں گلچیں
تری قسمت کو رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

ملوکیت کی طرح ڈالنے والے تھے تو مسلمان لیکن غیر تربیت یافتہ تھے' غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا شکار۔ہوا یہ کہ اسلام کی برکات وثمرات اور فوائد وفیوض کی دل آویز اور سکوں پرور گونج جب گم گشتہ تہذیبوں اور دبے ہوئے انسانوں تک پہنچی تو دنیا کے کونے کونے میں دینِ حق کی کشش پیدا ہوئی۔عساکرِ اسلام بعض علاقوں تک پہنچے بھی نہ تھے لیکن وہاں کے عوام امڈ امڈ کر دائرہ اسلام میں آنے لگے۔بنابریں حضرت عمرؓ یعنی خلیفۂ دوم کے دور ہی میں اسلام کی بساط کوئی 22

Marfat.com

لاکھ مربع میل کے رقبے پر بچھ گئی۔ یہ لوگ بادشاہوں، راجوں، مہاراجوں کی تربیت میں پلے تھے۔ بہت سے لوگ تو دیکھا دیکھی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ عین مرکز اسلام میں بھی ایسے لوگ تھے جو اس لیے مسلمان ہو گئے کہ یہ عارضی لہر ہے، آج نہیں تو کل تختہ پلٹ جائے گا۔ مختصر بلکہ نہایت مختصر عرصے میں ان کی مطلوبہ تربیت نہ ہو پائی۔ اس دور میں وہ ذرائع ابلاغ اور ذرائع آمدورفت بھی میسر نہ تھے جو آج کی دنیا میں موجود ہیں۔ ایسے میں بالخصوص دور دراز علاقوں میں افواہوں، بداعتمادیوں، بدگمانیوں کا پیدا ہو جانا لازمی امر تھا۔ ملوک انہی لوگوں میں سے تھے۔ تین خلفائے راشد کو تو انہوں نے شہید کیا۔ بالآخر دورِ خلافت کو دورِ ملوک میں بدلا۔

یہ ملوک تھے لیکن چونکہ عنانِ اقتدار ان کے ہاتھ میں تھی، خود کو خلیفہ کہلواتے تھے۔ اصل میں وہ غاصب تھے اس لیے کہ انہوں نے اس خلیفۃ المسلمین کے حق کو غصب کر رکھا تھا جسے ہی قرآن وسنت کی رو سے حقِ حکمرانی حاصل ہوتا ہے۔ دورِ ملوکیت میں تاریخ چونکہ ان کے ہاتھوں بنی۔ وہی تاریخ ہمارے ہاں مروج ہے جسمیں انہیں آج تک خلفاء لکھا اور بولا جاتا ہے۔ یہ تو خلافت کے اس قدر مخالف تھے کہ ایک وقت پر جب عمر بن عبدالعزیزؒ نے دورِ خلافت کی طرف مراجعت کی تو ان کو زہر دے دیا گیا۔ ان کی مسخ شدہ تاریخ کے مطابق سقوطِ خلافت کو 1924ء میں اتاترک کے ہاتھوں قرار دیا جاتا ہے۔ لاریب، خلافت کے دورِ مبارک کا اختتام تو اسی وقت ہو گیا تھا جب اسے بے دردی سے منقطع کر کے ملوکیت کی داغ بیل ڈالی گئی۔ بعد میں تو حرم بھی بسے۔ خواجہ سراؤں، کنیزوں وغیرہ کی چاندی ہو گئی۔ 1924ء میں سقوط ضرور ہوا لیکن خلافت کا نہیں ٹوٹی پھوٹی مرکزیت کا جو سسکتی، ڈوبتی، مرتی اس وقت تک موجود تھی۔

اس پہلو کا ذکر بھی ضروری ہے کہ بعض ملوک کے ادوار میں فتوحات بھی ہوئیں، خوشحالی کے ادوار بھی آئے لیکن یہ ملوک کی مجبوری تھی۔ ترقیاتی کاموں کا ڈھنڈورا پیٹنے اور لوگوں کو ایسے کاموں سے متاثر کرنے سے ہی تو وہ اپنے اپنے اقتدار کو قائم رکھ سکے ورنہ تو مقتدر رہنے کے جواز ہی سے محروم قرار پاتے۔ حالیہ سالوں میں ایک ایسی ہی مثال سامنے آئی، وہ ڈکٹیٹر جو سالہا سال

Marfat.com

ملک عزیز پاکستان پر قابض رہا' بڑے گن گاتا تھا ذرائع ابلاغ پر ترقیاتی کاموں کے۔ پراجیکٹس' میگا پراجیکٹس کے بڑے اس نے نام یاد کرر کھے تھے لیکن ان ترقیاتی کاموں کی ہی آڑ میں وہ دینی اقدار پر بے دھڑک کلہاڑے چلاتا رہا۔ کہتا تھا اسلامی سزائیں نافذ کر کے میں نے لوگوں کو ٹنڈا بنانا ہے۔ خواتین کے ساتھ ناچتا اور پتنگیں اڑاتا تھا۔ پردے کو من مرضی کا کھیل قرار دیتا تھا۔ نیکریں پہننے کی تلقین کرتا تھا' مدارس کو تنقید کا ہدف اور دہشت گردی کی نرسریاں قرار دیتا تھا۔ اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کی خاطر لال مسجد جیسی عظیم درسگاہ پر چڑھ دوڑا۔ غرضیکہ اس ملک میں ترقیاتی کاموں کی آڑ میں اسلام کا قلع قمع کرنے کیلئے اس سے جو بن آیا' بہ بانگِ دہل کیا۔

یہی دھندا کیا دورِ ملوکیت کے ملوک نے خواہ ان کا تعلق بنی امیہ سے تھا' بنو عباس یا آلِ عثمان سے۔ ان کا یہی ایک بڑا جرم کہ انہوں نے خاندانی اور موروثی سلطنتیں قائم کیں۔ کیا انہیں پتہ نہیں تھا کہ قرآن وسنت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ہارون الرشید بنو عباس کا ایک مشہور ملک ہوا ہے۔ اس نے مرتے وقت اسلامی دنیا کے دو ٹکڑے کر کے اپنے دو بیٹوں امین الرشید اور مامون الرشید میں یوں تقسیم کر دی جیسے اسلامی دنیا اس کی ذاتی ملکیت ہو۔ ہارون کی وفات کے بعد مامون نے خراسان کے شہر مرو کو اور امین نے بغداد کو اپنا دارالحکومت بنائے رکھا۔ عام کہا جاتا ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔ یہی ہوا' ان دو بھائیوں کے مابین خون ریز جنگیں ہوئیں۔ سالہا سال تک عراق اور اس کے ساتھ ملے ہوئے صوبوں میں بدامنی کا دور دورہ رہا۔ بالآخر مامون کے لشکروں نے امین کی افواج کو شکست دی۔ حیرت کی ہی نہیں' غضب کی بات یہ کہ بھائی کا قاتل پھر خلیفہ۔ یہ اسی قاتل خلیفہ کا دور تھا کہ بغداد کانپ اٹھا۔ علماء کے سامنے صرف دو ہی راہیں تھیں یا خلقِ قرآن کا اقرار کریں جس کا اقرار خلافِ شریعت تھا یا جلاد کی تلوار کا سامنا کریں اور قید خانہ کی زنجیروں سے ہم آغوش ہوں۔ بہتوں نے بغداد سے ہجرت کی۔ کچھ نے گھر سے نکلنا بند کر دیا۔ بہتوں کی عزلت گزینی یہاں تک بڑھی کہ جمعہ کی جماعت میں شرکت ترک کر دی۔

پوچھے کوئی سقوطِ خلافت کو 1924ء میں قرار دینے والوں سے کس قدر بھول ہے ان کو۔ منصبِ خلیفہ تو وہ کہ مشروط سہی' اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ خلیفۃ المسلمین کی اطاعت لازمی۔

Marfat.com

کسی نے پلٹ کر نہ دیکھا کہ خلافت کا قلع قمع کر کے برسرِ اقتدار آنے والے کیا اس لئے خلیفہ قرار پائے کہ وہ مقتدر تھے۔ یہ ظلم وستم تو بار بار انسانی تاریخ میں ہوتا رہا ہے۔ بقول شاعر:

ہر عہد میں ہوتی رہی طاقت کی پرستش

ہر دور یزیدوں کا طرفدار ہے

اصل بات کو سمجھنے کیلئے مذکورہ پسِ منظر سے آگاہی ضروری تھی' اب ہم آتے ہیں اصل موضوع کی طرف کہ ان ملوک کے ہاتھوں اسلام پر کیا گزری؟ بڑی تبدیلی تو اس بنیادی تبدیلی میں آئی کہ "پہلے بیعت کے ذریعہ سے حکومت بنتی تھی پھر حکومت کے ذریعہ بیعت ہونے لگی"۔ باپ کے بعد بیٹا' بیٹے کے بعد پوتا' بھائی یا چچازاد وغیرہ۔ ملوک مسندِ اقتدار سنبھال لیتے خواہ ان کی کوئی بیعت کرتا یا نہ کرتا۔ تبدیلی کمر توڑ تھی' ایک وقت تک اس روش کی بھرپور مزاحمت ہوئی۔ مزاحمت کی ابتدا تو خانوادۂ رسول ﷺ ہی سے ہوئی۔ سانحہ کربلا اسی سلسلے کی کڑی تھا۔ آئمہ وفقہا پر کوڑے برسائے گئے' جیلوں میں ڈالا گیا۔ پھانسیاں دی گئیں لیکن کب تک؟ اقتدار پھر اقتدار ہوتا ہے' بالآخر حاوی آ گیا۔ میدان خالی پایا تو ملوک نے' جیسے کہ اوپر ذکر ہوا' دینِ حق کو دینِ ملوک میں بدلا۔ کیسے بدلا؟ قرآنِ مجید میں تو یہ کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے تھے' انہوں نے دین (نظام) کو بدلا۔ یہود ونصاریٰ نے اپنے دین کو بدلا تو ساتھ ہی اپنی کتابوں کو بدل لیا۔ اللہ کا شکر ہے ہمارے ہاں قرآنِ کریم من وعن اسی طرح موجود ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ امت کے سپرد کر کے گئے تھے۔ اس سے ہمیں فائدہ یہ ہوا کہ ہم آج کے مسلمان بڑے وثوق سے جان سکتے ہیں کہ دینِ حق کو دینِ ملوک میں ڈھالنے کیلئے کون کون سی تبدیلیاں کی گئیں۔ تبدیلیاں تو اَن گنت کی گئیں لیکن یہاں پر ہم صرف ان چار اداروں کا ذکر کرتے ہیں جن کی دینِ حق میں وہی اہمیت وحیثیت جیسے انسانی جسم میں چار اعضائے رئیسہ یعنی دماغ' دل' معدہ اور جگر کی۔ جسم میں ان چار اعضائے رئیسہ میں سے کسی ایک میں کچھ نقص پڑ جائے تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور ان میں سے اگر کوئی ایک بھی جواب دے جائے تو یہی موت ہے۔ دینِ حق سے نکالے گئے چار اجزائے رئیسہ یعنی قرآنی ادارے ہیں۔ 1- خلیفۃ المسلمین (بقرۃ:30 اور 38-39)' (نور:55)' (مدثر:1-3) وغیرہ۔

Marfat.com

2-اولی الامر (نساء:59)۔ 3-شوریٰ (شوریٰ:38) اور 4-امتِ مسلمہ (بقرۃ:128)' (آلِ عمران:110) وغیرہ۔ دینِ حق کے ان چار قرآنی اداروں کی تفصیلات تو ہماری تصنیف کتاب خلافت میں ملاحظہ فرمائیں' البتہ ان کی مختصر نوعیت واہمیت کا ذکر ہم ذیل میں کرتے ہیں:

1-خلیفۃ المسلمین

خلیفۃ المسلمین کے متعلق یہ جاننا بڑا ضروری ہے کہ جیسے منصبی الفاظ سے ظاہر ہے' پوری دنیائے اسلام کا واحد سربراہ۔ قرآن وسنت اس کی تصدیق کرتے ہیں اور قرآن وسنت کی ہی روشنی میں ثقیفہ بن ساعدہ میں امت کے گل ہائے سرسبدؓ نے بحث ومباحثہ کے بعد بالا جماع پوری اسلامی دنیا کیلئے خلیفہ کے واحد ہونے کا فیصلہ کیا۔ صحیح مسلم کی دو احادیث کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

☆ حضرت عرفجہؓ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' جو شخص تمہارے پاس آوے اور تم سب ایک شخص پر جمے ہوں' وہ چاہے تم میں پھوٹ ڈالنا اور جدائی کرنا تو اس کو مار ڈالو۔ (کتاب الامارت)

☆ حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جب دو خلیفہ سے بیعت کی جاوے تو جس سے اخیر میں بیعت ہوئی ہو اس کو مار ڈالو۔ (اس لیے کہ اس کی خلافت پہلے خلیفہ کے ہوتے ہوئے باطل ہے)۔

یہ تو ہوئی خلیفہ کی بات' خلافت' نظامِ خلافت' خلافتِ راشدہ کی مختصر تعریف یہ ہے کہ "کرۂ ارض پر بندوں کے ذریعہ سے اللہ کے قانون کی حکومت کا نام خلافت ہے"۔ اللہ کے قانون کے کارفرما ہونے کی اللہ کے نزدیک اتنی اہمیت کہ انسانوں کو زمین پر بھیجتے وقت کرنے کا جو پہلا حکم دیا تو فرمایا:

"ہم نے کہا کہ "تم سب یہاں سے اتر جاؤ' پھر میری طرف سے جو ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کیلئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا' اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے' وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے" (بقرۃ:38-39) یعنی اس رکوع میں جسمیں زمین پر

Marfat.com

خلیفہ بنانے کا ذکر کیا' کارِ خلافت کا ذکر بھی کیا۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیے گئے قوانین کے مطابق زندگی نہ گزارنے والوں کو کافر (مائدہ:44)' ظالم (مائدہ:45) اور فاسق (مائدہ:47) قرار دیا گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے قانون کی حکومت یا دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے نفاذ کا ذکر دوسری ہی وحی میں کیا۔ فرمایا:

''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے' اٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی کبریائی کو قائم کرو'' (مدثر:1-3)

جس اولیت سے اللہ تعالیٰ نے خلیفہ و خلافت کے انعقاد کا ذکر کیا' رسول ﷺ نے بھی اس اولیت کو اسی سنجیدگی سے لیا۔ چنانچہ رسول ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو دورِ جاہلیت تھا اور جب دنیا سے تشریف لے گئے تو دورِ خلافت تھا یعنی درمیان میں دورِ نبوت' ایک طرف دورِ جہالت تو دوسری طرف دورِ خلافت۔ دورِ نبوت میں کی گئی قربانیوں' جانفشانیوں کا حاصل کیا' ظاہر ہے قیامِ نظامِ خلافت۔ ملوک نے پہلا کلہاڑا اسی پر چلایا جو اللہ و رسول ﷺ کے نزدیک اولیت کا حامل تھا۔ دینِ حق سے خلیفۃ المسلمین کو چلتا کر کے اپنی خواہشات و مفادات پر مبنی دینِ ملوک کو رواں دواں کیا۔

2- اولوالامر

ہمارے ہاں دو اطاعتوں یعنی اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن قرآنِ مجید پتہ دیتا ہے کہ اطاعتیں تین ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اختیار کردہ اطاعت ادھوری اور ناقص ہے جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ اولوالامر کی اطاعت نہیں کی جاتی۔ فرمانِ ربِ کائنات ہے:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحبِ امر ہوں' پھر اگر تمہارے مابین کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق

Marfat.com

کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے'' (نساء:59)۔

مدتیں گزر گئیں اولوالامر کے بغیر ہے ہم مسلمانوں کا اختیار کردہ دین۔ لہٰذا ہم بھول ہی گئے کہ یہ اولوالامر ہوتے کون ہیں؟ اولوالامر وہ ہوتے ہیں جو کم از کم درج ذیل تین شرائط پوری کریں:

1- یہ مسلمانوں میں سے ہوتے ہیں یعنی ان کا مسلمان ہونا ضروری ہے (اولوالامر منکم)۔

2- یہ خود اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت میں ہوں یعنی ان کی اطاعت مشروط ہے۔ جونہی یہ اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت سے نکل جائیں' یہ اپنا حقِ اطاعت کھو بیٹھتے ہیں۔

3- یہ ہوتے تو اسلامی حکومت کے گورنرز' وزراء' جج صاحبان' اداروں کے سربراہان وغیرہ البتہ خلیفۃ المسلمین کو ان میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

ان کا کام قرآن وسنت کے نظام یعنی نظامِ خلافت کو قائم رکھنا اور اسے چلانا ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت مشروط سہی' لازم قرار دی۔ موقع پر قرآن وسنت کے احکامات کی پیروی کروانا ان کا ہی فرضِ منصبی ہے۔ نظامِ خلافت کا ہمارے ہاں ہونا اس لیے ضروری ہے کہ نظامِ خلافت قائم ہو تو اولوالامر ہوتے ہیں ورنہ نہیں۔ ملوک نے جب سے خلیفۃ المسلمین کو چلتا کیا اس وقت سے ہمارے اختیار کردہ دین میں یہ دوسرا قرآنی ادارہ نہیں۔

3- شوریٰ

شوریٰ بھی اہم قرآنی ادارہ ہے۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کا سروسامان ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ وہ ان لوگوں کیلئے ہے جو ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آجائے تو درگزر کر جاتے ہیں۔ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' اپنے معاملات آپس کے مشورہ سے چلاتے ہیں' ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں'' (شوریٰ:38)۔

Marfat.com

ارکانِ شوریٰ نے خلیفۃ المسلمین کو ان امور کے بارے میں قرآن وسنت سے استنباط کر کے مشورہ دینا ہوتا ہے جن کے متعلق اسے قرآن وسنت سے براہِ راست کوئی نص نہ ملے۔ یعنی ان کا کام اجتہاد کرنا ہے' بنابریں شوریٰ ایسے علماءِ کرام پر مشتمل ہوتی ہے جن کا قرآن وسنت پر بھی پورا عبور ہوتا ہے تو حالاتِ حاضرہ پر بھی۔ تیسرے قرآنی ادارے یعنی شوریٰ کا وجود بھی ہمارے اختیار کردہ دین سے اس وقت سے ناپید ہے جب سے خلیفۃ المسلمین کو چلتا کیا گیا ہے اس لیے کہ ارکانِ شوریٰ نے خلیفۃ المسلمین کو ہی تو مشورہ دینا ہوتا ہے جو خود موجود نہیں۔

4-امتِ مسلمہ

زیرِ آسماں اس وقت امتِ مسلمہ کا وجود نہیں۔ امتِ مسلمہ اقوام میں بٹ چکی۔ ہمارے ہاں درجنوں مسلم اقوام بمثل شامی قوم' مصری قوم' ایرانی قوم' پاکستانی قوم وغیرہ تو ہیں' نہیں ہے کہیں تو امتِ مسلمہ۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا پوری اسلامی دنیا کو فردِ واحد یعنی خلیفۃ المسلمین کی سرکردگی میں ہونا ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر نظامِ خلافت یونی کمانڈ (Uni. Command) ہے۔ نظامِ خلافت کا لازمی عنصر مرکزیت ہے جبکہ نظامِ ملوکیت کی سرشت میں تقسیم در تقسیم ہونا ہے۔ آج امتِ مسلمہ پر کوئی 58 سربراہان مسلط ہیں۔ کم وبیش اتنی ہی اقوام ہیں' آپس میں لڑتی لیکن اغیار کی دست بستہ غلام۔ ہمارے اختیار کردہ دین سے تقریباً اس وقت سے امتِ مسلمہ کا وجود معدوم ہے جب سے خلیفۃ المسلمین اور بنابریں مرکزیت ناپید ہے۔ بالفاظِ دیگر خلیفۃ المسلمین کا وجود ہو تو امتِ مسلمہ کا وجود ہوتا ہے' ورنہ نہیں۔

یاد رہے امتِ مسلمہ کی عدم موجودگی سے ایک مدت سے وہ شرعی کام نہیں ہو رہے جو امتی سطح پر ہی کیے جاسکتے ہیں۔ آج فریضۂ غلبۂ دینِ حق' فریضۂ شہادت علی الناس' عالمی سطح کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر' اجتہاد اور دیگر کام جو اجتماعی طور پر ہی کیے جانے ممکن ہیں ہم مسلمانوں سے نہیں ہو رہے' بنابریں دینِ حق کما حقہٗ آج دنیا سے معدوم ہے۔ دینِ ملوک یا بے دینی کی شکل ہے جسے آج کے ہم مسلمان دینِ حق سمجھ کر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اسلام کے یہ چاروں اجزائے

Marfat.com

رئیسہ دینِ حق سے معدوم ہو جاتے ہیں اگر نظامِ خلافت رواں دواں نہ ہو اور آ موجود ہوتے ہیں جب نظامِ خلافت قائم ودائم ہو۔ کتنا ضروری ہے دنیا میں نظامِ خلافت کا قائم ہونا اور رہنا۔

متبادل انتظامات

دینِ حق نہ رہا تو دینِ ملوک آ وارد ہوا' خالی دورانیہ تو نہ رہ سکتا تھا۔ اسی طرح جب مذکورہ چاروں قرآنی ادارے رواں دواں نظم میں نہ رہے اور نظامِ خلافت کی بحالی کا بھی دور دور امکان نظر نہ آیا تو متبادل ادارے معرضِ وجود میں آ گئے۔ ان متبادل اداروں کے آنے سے ہی دینِ حق نے دینِ ملوک کا روپ دھارا۔ خلیفۃ المسلمین کی جگہ مختلف مسلم ممالک میں بادشاہوں' صدروں' وزراءِ اعظم وغیرہ کو بطور متبادل انتظام قبول کر لیا گیا۔ مختلف مسلم ممالک کا ہونا بذاتِ خود ایک غیر اسلامی فعل ہے۔ دنیائے اسلام کی عظیم تر مملکتِ واحدہ کے یہ صوبے تھے جنہیں بیرونی مداخلت نے اسلامی دنیا کے اَن گنت ممالک بنا دیے۔ پھر خلیفۃ المسلمین کا تو منصب ہی پوری اسلامی دنیا کا واحد سربراہ ہونا ہے' موجودہ 58 سربراہان کی گنجائش کہاں؟

پھر ایک اور متوازی انتظام کہ کچھ بزرگ خلیفہ گر کی حیثیت اختیار کر گئے' فلاں علاقے کا فلاں خلیفہ تو فلاں شہر کا فلاں خلیفہ' خلفاء کی افواج معرضِ وجود میں آ گئیں۔ انہوں نے منصبِ خلیفہ کو یوں گرایا تو ہمارے ہاں قابض سفید چمڑی والوں کو بھی موقع مل گیا۔ انہوں نے اپنے بال کاٹنے والوں یعنی حجام کو خلیفہ کا لقب دے دیا جو آج تک بعض علاقوں میں مروج ہے۔

اسی طرح اولوالامر کی جگہ بیوروکریسی آ دھمکی۔ یہ بھی بھول گئے کہ اولوالامر منکم یعنی ان کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ غیر مسلم کو چیف جسٹس بنا دیا گیا۔ ہمارے ہاں کئی غیر مسلم مسندِ وزارت پر آج بھی براجمان ہیں۔ ارکانِ پارلیمنٹ میں غیر مسلم ارکان بھی ہیں۔ پارلیمنٹ کو شوریٰ کا متبادل قرار دے دیا گیا حالانکہ شوریٰ جیسے کہ اوپر ذکر ہوا مجتہدین کا گروہ ہوتا ہے اور ان کے لیے محض پڑھا لکھا ہونا ہی ضروری نہیں' قرآن وسنت پر عبور اور حالاتِ حاضرہ کا ماہر ہونا بھی ضروری ہے۔ پھر پارلیمنٹ ایک قانون ساز ادارہ ہوتا ہے جبکہ شوریٰ صرف مشاورتی ادارہ۔

Marfat.com

امتِ مسلمہ کی جگہ مسلم اقوام جیسے کے اوپر ذکر ہوا' متبادل کے طور پر ہی معرضِ وجود میں آئی ہوئی ہیں۔ تقسیم در تقسیم سے وقت کے ساتھ ان کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے اور آپس کی چپقلش بھی۔ یہ سب ادارے ملوکیت کی سوغات ہیں' خلافت سے انحراف کر کے وجود پذیر ہوئے ہوئے ہیں۔

تبلیغ وتدریس بجا لیکن دینِ حق کی نہ کہ دینِ ملوک کی

اس وقت ہماری اس دنیا میں دو ادیان رواں دواں ہیں' دینِ کفر اور دینِ ملوک' تیسرا اور اصل دین یعنی دینِ اسلام دنیا میں کہیں موجود ہی نہیں۔ ہوگا موجود تو اس وقت جب احیائے دینِ حق یا نظامِ خلافت قائم ودائم ہوگا۔ اس وقت گو تبلیغ وتدریس بڑی شدت اور تندہی سے ہو رہی ہے' دینی مدرسوں' دارلعلوموں جامعات وغیرہ کی بہتات ہے۔ دینی کتابوں' لائبریریوں کی کمی نہیں۔ دنیائے اسلام علماء' خطباء' آئمہ' شیوخ القرآن' شیوخ الحدیث وغیرہ سے اٹی پڑی ہے لیکن مسلمان ہیں دنیا میں ذلت ورسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں لڑھکتے جا رہے' آخر کوئی وجہ تو ہے؟ جی ہاں' وجہ ہے بھی تو بڑی واضح۔ وجہ یہ ہے کہ تمام حضرات اور دینی ادارے جو بظاہر بڑی جدوجہد کر رہے ہیں دینِ ملوک یا جیسے کہ اوپر ذکر ہوا بے دینی کی تقویت کا باعث بن رہے ہیں' دینِ حق تو دنیا میں موجود ہی نہیں۔ اصل مسئلہ تبلیغ وتدریس سے پہلے تجدیدِ دین کا ہے۔ ورنہ ہر وہ تقریر' ہر وہ تحریر اور ہر وہ دینی کوشش جو تجدیدِ دین یا احیائے خلافت کے عنصر کے بغیر ہو رہی ہے دینِ ملوک کی تقویت کا باعث بن رہی ہے اور اس وقت تک بنتی رہے گی جب تک تجدیدِ دین یا قیامِ خلافت قائم ہو کر مذکورہ چاروں قرآنی ادارے دین میں شامل نہیں ہو جاتے۔ عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی جملہ کوششوں کا ہدف فی الحال تجدیدِ دین ہونا چاہئے نہ کہ تاکید وتائیدِ دینِ ملوک۔

دینِ ملوک کو اس وقت بظاہر ہماری کوششوں سے اس قدر تقویت پہنچ چکی ہے کہ بیشتر دینی اقدار 180 درجے برعکس ہوگئی ہیں۔ جب دینِ حق کارفرما تھا یا نظامِ خلافتِ راشدہ رواں دواں تھا تو عدل' امن' خوشحالی' اتحاد' غلبہ' دینِ حق کا دور دورہ تھا اور اب جبکہ دینِ ملوک رائج ہے تو عدل کی بجائے ظلم' امن کی بجائے بدامنی' خوشحالی کی بجائے پسماندگی ودرماندگی' اتحاد کی بجائے

Marfat.com

انتشار غلبہ کی بجائے مغلوبیت مسلمانوں کا مقدر ہے۔ دینِ حق تھا تو اعلیٰ اقدار تھیں آج دینِ ملوک رائج ہے تو ہم مسلمان دن بدن مصائب و مشکلات میں دھنستے جا رہے ہیں۔ دینِ ملوک یعنی کچھ اسلام اور کچھ غیر اسلام کے ملغوبے کی سرشت ہی میں اس دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں شدید ترین عذاب ہے۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''تو کیا تم کتاب کے کچھ حصوں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو'' (بقرۃ:85)۔

یہ نتیجہ ہے دینِ حق کو تیاگ کر دینِ ملوک کو تقویت دینے کا۔ جوں جوں ہم دورِ خلافتِ راشدہ سے دور ہوتے گئے' بتدریج بھٹکتے گئے۔ ملوکیت سے ملوکیتیں' ملوکیتوں سے طوائف الملوکی' طوائف الملوکی سے دورِ غلامی اور آج ذلت وخواری۔

علمائے کرام کا کردار (استثنا اپنی جگہ پر)

عظیم مقام ہے امتِ مسلمہ کا جسے ''خیرِ امت'' کے عظیم لقب سے نوازا گیا اور کتنا اعلیٰ مقام ہے علماءِ اسلام کا جنہیں 'ورثاءِ انبیاءؑ' کے ارفع مقام پر متمکن کیا گیا۔ لیکن افسوس' صد افسوس کہ امت کا وجود تو جیسے اوپر ذکر ہوا دنیا میں ہے ہی نہیں' وراثتِ انبیاؑ کے حامل علماء' خطباء و آئمہ اسلام دنیا میں شاید تعداد کے حساب سے تاریخ کے اس موڑ پر بہت ہی زیادہ ہیں۔ کیا اللہ میرے ان محترم بھائیوں سے پوچھے گا نہیں کہ تمہارے جیتے جی دینِ حق کو دینِ ملوک میں بدلا گیا تو کیوں؟ دنیائے اسلام کو 58 ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ان پر 58 سربراہان ہی مسلط ہو گئے تو کیوں؟ آسمان نے امتِ مسلمہ کو زمین پر دے مارا تو آخر کس پاداش میں؟ میدانِ محشر میں ان سوالات کی نوعیت اسی طرح کی ہوگی جیسے بزبانِ مقتولہ سوال ان قاتلوں سے ہوگا جو بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اللہ کے کیے گئے سوالات کا نہ وہ قاتل جواب دے پائیں گے اور نہ ہی

Marfat.com

اپنے منصبی فرض کو بھلا کر مسالک و فرقہ واریت میں الجھے رہنے والے علماءِ کرام۔

روزِ محشر یہ معاملہ بھی زیرِ سماعت آئے گا کہ منبر و محراب اتنی بڑی طاقت تھی کہ پوری اسلامی دنیا کے خطباء اگر چند مہینے بحالی خلافت کے یک نکاتی ایجنڈا کو عام کرتے تو ''شبانی سے کلیمی دو قدم ہے'' کے مصداق نظامِ خلافت کرۂ ارض کا مقدر کبھی کا بن گیا ہوتا۔ نہیں ہوا تو اس لیے کہ منبر و محراب نے یوں جیسے نظامِ خلافت کی ضرورت کا ورق پھاڑ رکھا ہے۔ کیا جواب ہوگا اس بارے میں حاملینِ منبر و محراب کا؟

ان ورثاءِ انبیاءؑ کے جیتے جی قرآن و سنت کو پسِ پشت ڈالکر انسان ساختہ کتابچے کو آئینِ مملکت بنایا گیا' بتایئے ذمہ دار کون؟ یہ آئین مغربی طرز کی جمہوریت کو تو معرضِ وجود میں لاسکتا ہے' اسلام کو کبھی نہیں۔

علمائے کرام کا تقدس بجا اس لیے کہ ان کا تقدس اصل میں اسلام کا تقدس ہے لیکن اس تقدس کی حفاظت تو ان بھائیوں نے ہی کرنی ہے۔ کبھی انہوں نے غور فرمایا کہ ہم ہر روز کئی بار یہ دعا مانگتے ہیں کہ ''ہمیں سیدھا راستہ دکھا' ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا' جو مغضوب نہیں ہوئے' جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں''۔ قرآن و سنت سے بالکل عیاں کہ مغضوب ہیں تو یہودی اور بھٹکے ہوئے ہیں تو نصاریٰ۔ کون و مکان پریشان کہ ایک طرف ہر روز یہود و نصاریٰ کے راستے سے بچنے کی دعا اور دوسری طرف یہود و نصاریٰ سے دوستی اور دن بدن پنجۂ یہود و نصاریٰ میں پھنستے جانا۔ وارثانِ انبیاءؑ کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے جو مسلمانوں کو اس کے برعکس نہ کرنے دے جو وہ کہتے ہیں؟ وقت آئے گا' اللہ یقیناً ان سے پوچھے گا کہ ہر روز جو تم پڑھ کر سناتے تھے عمل اس کے خلاف کرتے رہے تو کیوں؟

یہ محترم حضرات ہر روز اَن گنت دعاؤں کا اعادہ کرتے ہیں' لمبی لمبی دعائیں (وعاعریض) بھی کرتے ہیں لیکن یہ تک سوچنا گوارا نہیں کرتے کہ دعائیں قبول بھی ہوتی ہیں کہ نہیں؟ دور نہیں جانے کی ضرورت' خود ملکِ عزیز پاکستان میں یہ دعائیں کرتے رہے لیکن ان کے سامنے ملک دولخت ہوگیا۔ ان کے سامنے باطل قوتیں غالب آتی اور مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہاتی رہیں' آخر کوئی تو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں جن کا مداوا وارثانِ انبیاءؑ کے علاوہ اور کس نے کرنا ہے؟ باطل طاقتوں سے مانگ کر کھانے والوں اور ان ہی کے گن گانے والوں کی دعائیں قبول ہوں تو کیسے؟

Marfat.com

اس کا ذکر کرنا بھی اس مقام پر نہایت ضروری ہے' مجھ عاجز کے کانوں تک ایسی آوازیں بھی پڑتی ہیں کہ آہ بیچارا رحمت! باتیں تو اس کی نہیں جھٹلائی جاسکتیں لیکن وہ کسی دارالعلوم کا فارغ التحصیل نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ کسی دارالعلوم میں داخل ہونے سے بال بال بچ گیا ورنہ ''سبق پھر پڑھ'' ہمارے ماہوار رسالے نے جو ولولہ' تازہ دیا ہے' نہ دیا جاسکتا۔ بلکہ ظاہر ہے میں علامہ اقبالؒ (جو خود کسی دارالعلوم میں داخل نہ ہوا) کے اس کہے کا مصداق ہوتا کہ ''نہ خود ہیں نہ خدا ہیں نہ جہاں ہیں''۔

دنیا بھر کے اینکرو' کالم نگارو' نکتہ' درو' عالمو' فاضلو' پروفیسرو' قانون دانو' سیاستدانو' سائنس دانو' پوپو' پادریو' پیرو' پنڈتو' پروہتو' پجاریو تم بھی غور سے سن لو دنیا میں دینِ حق کا نہ ہونا اور دینِ ملوک کا دندناتے پھرنا گوارا نہیں۔ دنیائے اسلام کا قرآن وسنت کے مطابق واحد حکمران یعنی خلیفۃ المسلمین کو چلتا کرنا اور 58 سربراہان کا براجمان ہو جانا گوارا نہیں۔ ہمارے ایوانوں اور عدالتوں میں کچھ اسلام اور کچھ غیر اسلام کے ملغوبے کا آدھمکنا گوارا نہیں۔ یہ مغلوبیت' ارزانی خونِ مسلم اور ویرانی عصمتِ مسلم گوارا نہیں۔ ان ناگواریوں کے ہوتے ہوئے ہم آج کے مسلمان گناہگار ہیں' سوائے اس کے کہ ہم کوشاں ہوں کہ سازش کے تحت وجود پذیر ہونے والے 58 ممالک کو باہم مدغم کر کے کرۂ ارض پر اسلام کی ایک ایسی عظیم تر مملکتِ واحدہ کو معرضِ وجود میں لائیں جو ایک خلیفۃ المسلمین کی سربراہی میں ہو' جس کا آئین قرآن وسنت اور نام دارلسلام ہو۔

اور اے اندھیرو' اے ظلمتو' اے فتنہ خیزو' اے غارتگرو تم بھی سن لو' بسترے گول کرو' تین تیرا ہو جاؤ' مشرق ومغرب میں ابھرتی ہوئی کرنیں پتہ دے رہی ہیں اندھیرے چھٹنے والے ہیں۔ روشنیاں بکھرنے والی ہیں۔ کون ومکاں ترس گئے جس نظام کو اس کا احیاء ہونے کو ہے۔ بقول برادر بزرگم اقبالؒ:

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

Marfat.com

فرقے، مسالک اور اسلام

Marfat.com

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

Marfat.com

فرقے' مسالک اور اسلام

(عرصہ ہوا ہم قرآن و سنت پر مبنی دین کو ترک کیئے ہوئے ہیں)

......چودھری رحمت علی

دین وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے امتِ مسلمہ کو دیا گیا۔ زندگی گزارنے کا کوئی دوسرا طریق کہ جو نبی رحمت ﷺ کے ذریعہ سے نہ ہو' خواہ کتنا ہی پرکشش و پر تقدس ہو دینِ حق نہیں:

گر بہ او ترسیدی تمام بولہبی است

کوئی نہ جاننا چاہے تو اس کی مرضی' ورنہ اس میں کیا شک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ بریلوی تھے' نہ دیوبندی اور نہ شیعہ وغیرہ۔ ان کا دین ''اسلام'' نام ''مسلمان'' اور جماعت ''امتِ مسلمہ'' نہ اس سے رتی بھر کم نہ زیادہ۔ قرآنِ مجید کے الفاظ میں انہوں نے اپنے آپ کو موسوم کیا تو صرف اس طرح کہ ''انا اول المسلمین''۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے کہ میرے بندوں کا اول تا آخر نام ''مسلمان'' ہے۔ اس دھرتی پر پہلے نمودار ہونے والے فرد کا وہی نام تھا اور اس کا دین اسلام۔ بعد میں آنے والے ہر پیغمبرؑ کا ہر امتی بھی نام کے اعتبار سے ''مسلم'' تھا تو اس کا دین ''اسلام'' تھا۔ قرآن میں آیا:

''اللہ نے تمہارا نام پہلے بھی مسلمان رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی'' (حج:78)۔

اسلام ہی وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول ہے۔ فرمایا گیا:

''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کیے جنہیں کتاب دی گئی تھی ان کے اس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ

Marfat.com

انہوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کی دھن میں ایسا کیا اور جو کوئی اللہ کے احکام وہدایات کی اطاعت سے انکار کردے اللہ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی'' (آلِ عمران:19)۔

ایک اور جگہ پر آیا:

''جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور طریقہ اپنائے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام ونامراد رہے گا'' (آلِ عمران:85)۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمانا یہ ہے کہ پہلی امتوں میں بھی جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کا نام ''نوحی' ابراہیمی' سلیمانی' موسوی' مسیحی' وغیرہ نہیں رکھا اور نہ آج ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ کوئی اپنے آپ کو دیوبندی' بریلوی' مالکی' حنفی' سنی یا شیعہ وغیرہ ناموں سے موسوم کرے۔ اللہ پاک کا تاکیداً فرمانا تو یہی ہے کہ دیکھنا ہمارے پاس آنے سے پہلے یقین کر لینا کہ تمہارا نام صرف اور صرف ''مسلمان'' ہو۔ یعنی کسی اور نام اور کسی اور نسبت پر تم مرے تو ہم تمہیں پہچانیں گے ہی نہیں۔ ہمارے لیے تم کھوٹے سکے ہو گے۔ قرآن میں آیا:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو کہ جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے سوائے اس کے کہ تم مسلمان ہو''۔ (آلِ عمران:102)۔

اللہ تعالیٰ کے ان فرمودات سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ شیعہ' سنی' دیوبندی' اہلِ حدیث' شافعی' حنبلی وغیرہ ہونے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ دورِ انحطاط میں کچھ لوگوں نے ''بغیاً بینھم'' کا مرتکب ہوتے ہوئے یہ خود ساختہ نام وضع کر لیئے اور خود کو اَن گنت فرقوں اور مسالک میں بانٹ لیا۔ اس طرح جب انہوں نے خود اسلام کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تو یہ بدبخت خود کو اس مقام پر لے آئے کہ جس کا اظہار اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یوں کرتا ہے:

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہوں میں بٹ گئے یقیناً تمہارا

Marfat.com

ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے۔ وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا" (انعام:159)۔

چونکہ فرقوں میں بٹنے سے ایک مسلمان محض نام کا مسلمان رہ جاتا ہے بلکہ اللہ کا رسول ﷺ اس سے لاتعلق اور بری الذمہ ہو جاتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بار بار بڑی تاکید کے ساتھ مسلمانوں کو اس وبا سے بچنے کے احکامات صادر فرمائے ہیں۔ یہیں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ ورسول ﷺ فرقہ واریت کی اس شدومد کے ساتھ مذمت کرتے ہیں کہ فرقوں میں بٹنے والوں سے لاتعلق ہو جاتے ہیں تو پھر فرقہ واریت میں وہ کیا چسکا ہے کہ "چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی"۔ پھر مقامِ حیرت و تاسف تو یہ بھی ہے کہ اس میں وہ لوگ تک ملوث ہیں جنہیں ہم عرفِ عام میں "علماء کرام" کہتے ہیں۔ استثناء اپنی جگہ پر لیکن اس میں رتی بھر شک نہیں، قلم لکھتے ہوئے کانپتا ہے کہ یہی وہ حضرات ہیں جو صرف ملوث ہی نہیں اس کارِشر کے موجد و موید ہیں۔ ایک شیخ القرآن کسی دارالعلوم میں تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے بڑی ٹھاٹھ اور بڑے غرے سے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" کی تشریح کر رہا ہوتا ہے اور شومئی قسمت، عین اسی لمحے خود کسی نہ کسی فرقے، کسی نہ کسی مسلک کا علمبردار بھی ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اس لت اور اس چسکے کی بھی بار بار نشاندہی کی ہے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ پر آیا:

"اختلاف ان لوگوں نے کیا، جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انہوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد اس لیے حق کو ترک کرتے ہوئے مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں برتری حاصل کرنے کے درپے تھے" (بقرۃ:213)۔

یعنی دوسروں سے آگے بڑھنے کی دھن اور اپنی قلغی دوسروں سے بہر قیمت اونچی رکھنے کی ہوس میں یہ فرقہ پرست نہ صرف فرقہ واریت میں آگے بڑھے بلکہ اپنے اپنے فرقہ کی رونق بڑھانے کی خاطر وہ قرآن وسنت کے ہر ضابطے کو حیلے بہانے توڑتے چلے گئے۔ جو جس گھرانے اور جس فرقے میں پیدا ہوا تمام عمر اسی کے گن گاتا اور دوسرے فرقوں والوں کو گمراہ قرار دیتا رہا۔

Marfat.com

کبھی یہ تک نہ سوچا کہ اتفاقاً اگر دوسرے فرقہ والوں کے ہاں پیدا ہو جاتا تو جس فرقے میں وہ آج ہے پھر اسے اس کی خرابیاں ہی خرابیاں اور خامیاں ہی خامیاں نظر آتیں۔ کس قدر سطحی اور بر آب بنیاد ہے ان فرقوں کی کہ جو جہاں پیدا ہوا اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ کم ہی کوئی خوش قسمت ایسا نکلا کہ فرقہ سے چھٹکارا حاصل کر کے قرآن وسنت کی طرف آیا۔

قرآن وسنت کی طرف کوئی آئے بھی کیسے؟ حقیقت میں فرقہ سازوں اور فرقہ پرستوں نے چلتے چلتے یہ فرقے نہیں بنائے۔ نہ صرف فرقے بنانے میں سخت محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے بلکہ مسلسل اور متواتر ان کی آبیاری کر رہے ہیں۔ مسجدیں تو صبح وشام ان کے اکھاڑے ہیں۔ آئے دن بڑے بڑے جلسے اور اجتماعات کیے جاتے ہیں۔ "قرآن کانفرنس" اور "احیائے امت کانفرنس" جیسے عنوانات دے کر بڑے بڑے اشتہار چھپوائے جاتے ہیں۔ ان کانفرنسوں میں بانہیں ہی نہیں چڑھائی جاتی ہیں' جوشیلے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ یہ سب صرف اس لئے کہ فرقے بنائے بغیر ان کی دکانیں بے مایہ اور کاروبار ماند پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ انہوں نے عمریں لگا کر اپنے اپنے باڑے علیحدہ بنائے ہوتے ہیں' لہٰذا ان کی سر توڑ کوشش ہوتی ہے کہ کہیں ریوڑ کا حجم کم نہ ہونے پائے۔ وہ اپنی اپنی بکریوں کو سبق ہی یہ پڑھاتے ہیں کہ بات سنی جائے تو صرف ان کی۔ اس باڑے سے باہر کسی کی بات تک نہ سنی جائے۔ پرچار ہی کرتے ہیں تو یہ کہ اس مخصوص باڑے سے باہر نہ کوئی صحیح العقیدہ ہے اور نہ صحیح العمل۔

ان فرقوں کی بے بنیادی اور قرآن وسنت سے ان کی روگردانی کا اس سے اندازہ لگائیں کہ ہمارے ہاں کے چند معروف فرقے تو دیکھتے ہی دیکھتے سو ڈیڑھ سو سال میں معرضِ وجود میں آگئے۔ اسی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ فرقے آناً فاناً کیسے وجود میں آجاتے ہیں۔ دیو بند اور بریلی دو قصبے غیر منقسم ہندوستان میں تھے اور آج بھی بھارت میں موجود ہیں۔ ان دو مقامات سے جو علماء پیدا ہوئے انہوں نے از راہِ رسم اپنے آپ کو اسی طرح دیو بندی اور بریلوی کہلوانا شروع کر دیا جیسے کہ آج ایف سی کالج لاہور سے فارغ ہونے والے طلباء اپنے آپ کو فارمانائٹس

Marfat.com

اور گورنمنٹ کالج لاہور سے فارغ ہونے والے اپنے آپ کو فخریہ راوینز (Formanites) (Ravians) کہلواتے ہیں۔ان فارمانائٹس اور راوینز کو تو موقع ہی نہیں ملتا کہ وہ اس نسبتی بنیاد پر فرقے بنالیں لیکن وہ علماء جو دیوبند اور بریلی سے نکلے انہوں نے مزید بڑے بڑے دارالعلوم کھولے۔بات اگر محض کہلوانے تک رہتی تو کوئی حرج بھی نہیں تھا۔چلو ایک تعلق اور ایک نسبت کا اظہار ہوتا رہتا۔لیکن سوختہ بختی' یہیں پر ایک دوررس نتائج کا حامل بڑا ہولناک حادثہ رونما ہوا۔علماء کرام جو بریلی یا دیوبند سے نکلے ایک دوسرے پر اپنی برتری اور چڑھتل کی دوڑ میں جت گئے اور یوں فرقوں کی داغ بیل پڑگئی۔اب کسی بھی فرقے کے دارالعلوم میں کوئی بچہ داخل ہوتا ہے تو معصوم دل اور صاف سلیٹ سے اپنی تعلیم کا آغاز کرتا ہے۔لیکن دورانِ تعلیم اسے ہر ہر آیت اور ہر ہر حدیث پر یہ پٹی پڑھائی جاتی ہے کہ فلاں فلاں فرقہ والے اس آیت اور اس حدیث کا یہ یہ الٹ مطلب لیتے ہیں اور حقیقت میں بڑے گمراہ ہیں۔یوں اس بیچارے بچے کا ذہن دوسروں کے خلاف اسقدر مسموم کردیا جاتا ہے کہ جب وہ تعلیم سے فارغ ہوکر میدانِ عمل میں آتا ہے تو ایسے جیسے کوئی لوڈڈ بندوق۔وہ میدان میں کودتے ہی دوسرے فرقے والوں کی خوب خبر لیتا ہے اور اس طرح سے فرقوں میں توسیع در توسیع کا عمل شدومد سے جاری وساری ہے۔ہر فرقہ پرست اپنے فرقہ کو جنتی اور دوسروں کو دوزخی قرار دے کر خوش فہمی کا شکار رہتا ہے۔قرآنِ مجید ان کو مشرک قرار دیتے ہوئے ان کی اسی ذہنیت اور نفسیات کا ذکر کرتا ہے تو اس طرح:

''قائم ہو جاؤ اس بات پر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور قائم کرو نماز اور نہ ہو جاؤ ان مشرکین میں سے جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ بنالیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں' ہر فرقے کے پاس جو کچھ ہے اسی پر خوش ہے'' (روم: 31-32)۔

قرآنِ مجید نے ان کو صرف اس طرح مجرم ہی قرار نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آخر آنا تو ہمارے پاس ہی ہے لہٰذا ہم روزِ محشر ان کا فیصلہ کریں گے کہ کون کیا کرتا رہا؟ فرمایا گیا:

Marfat.com

''اللہ قیامت کے دن ان معاملات کا فیصلہ کرے گا جن کی بنا پر وہ اختلاف کے مرتکب ہوئے''(جاثیہ:17)

فرقہ پرستی اور فرقہ سازی کی یہ مثال تو وہ ہے جو ماضی قریب میں ہمارے سامنے وضع ہوئی لیکن اسلام نے تو بہت لمبا سفر کیا ہے۔ گزشتہ تقریباً چودہ صدیوں میں تو اسلام کو بڑے بڑے حاسدوں' دشمنوں اور دین مخالف حکومتوں سے واسطہ پڑا ہے۔ ان کم بختوں نے اپنے اپنے دور میں مقدور بھر کوشش کی کہ اسلام کے رفیع الشان محل کو مہندم کر دیا جائے اور منہدم کرنے کیلئے جو سب سے زیادہ مؤثر نسخہ انہوں نے استعمال کیا وہ یہی تھا کہ اسلام والوں کو ایک دوسرے کے خلاف کر دیا جائے۔ کیا کچھ ہوتا رہا' اس چھوٹے سے مقالے میں اس کی تفصیلات میں جانا تو ممکن نہیں' اشارات پیش کیے جاتے ہیں۔

مملکتِ اسلام میں وسعت: رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانے میں اسلام کا بول بالا بھی ہوا اور لوگ فوج در فوج حلقہ بگوش اسلام بھی ہوئے لیکن بایں ہمہ غلبۂ اسلام کی حدود سرزمینِ عرب تک محدود رہیں۔ تبوک کا قصد کر کے نبی کائنات ﷺ نے بیرونِ عرب غلبۂ دین کی بسم اللہ تو پڑھ دی اور پھر مملکتِ اسلام کی حدود شمالی افریقہ سے چین کی سرحدوں کو چھونے لگیں تو خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں۔ قرآن وسنت کی عملداری کا اس قدر وسعت پذیر ہو جانا اور دینِ حق کا لاکھوں کروڑوں انسانوں تک پہنچ جانا ظاہر ہے باعثِ رحمت تھا۔ تاہم اس دور میں جب وہ ذرائع آمد ورفت اور ذرائع ابلاغ جو آج میسر ہیں نہ تھے تو اس قدر وسیع وعریض مملکت کو سنبھالنا آسان نہ تھا۔ اس وسیع وعریض مملکت میں تمام افراد کی دینی تربیت بھی بطریق احسن ممکن نہ تھی۔ بہت سے لوگ تو دائرۂ اسلام میں اس طور داخل ہو گئے جیسے محض رسمِ زمانہ۔ ان حالات میں حاسدینِ اسلام کیلئے عوام میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کرنا بڑا آسان تھا۔ ایسے ماحول میں اَن گنت جتھے بندیاں معرضِ وجود میں آ گئیں۔ ان میں سے کئی گروہوں نے اس قدر زور پکڑا کہ بعض اوقات وہ خلیفۂ وقت کو شہید کرنے اور اسلام کے جسد واحد میں نقب

Marfat.com

لگانے میں کامیاب ہو گئے۔ خوارج' معتزلہ' سنوسیہ' جبریہ' قدریہ' منصوریہ' کرامیہ' مرجیہ جہمیہ وغیرہ ایسے ہی گروہ تھے۔

معیاری افراد کی تدریجاً کمی: نبی رحمت ﷺ نے جن افراد کو تیار کیا تھا ظاہر ہے وہ زیرِ آسماں گل ہائے سر سبد تھے۔ ان کا ایک نمایاں وصف جو قرآن نے بیان کیا یہ ہے کہ وہ "آپس میں رحیم تھے"۔ لیکن وقت کے ساتھ تابعین اور تبع تابعین کی تو کیا بات ایسے ایسے غیر معیاری لوگ بھی نمایاں ہوئے جو سیاسی طور پر تو مقتدر تھے لیکن دین سے نابلد تھے۔ اور تو اور ہارون رشید جیسے مشہور حکمران نے پوری اسلامی مملکت دو حصوں میں تقسیم کر کے اپنے دو بیٹوں میں بانٹ دی جیسے کہ اسلامی دنیا اس کی ذاتی ملکیت ہو۔

قرآن وسنت کی تشریحات اور اسلامی فقہ کا وجود پذیر ہونا: دورِ خلافتِ راشدہ کے جلد ہی بعد کچھ ایسی فکری و علمی عظیم ہستیاں منصہ شہود پر آئیں کہ جنہوں نے اجتہاد کا حق ادا کیا اور حقیقت میں خوب ادا کیا۔ اجتہاد ہے کیا؟ بس یہی کہ جس معاملے کے بارے میں قرآن و سنت سے دو یا زیادہ معنی نکل سکیں اس کے متعلق اپنی رائے بیان کرنا۔ یا پھر یہ کہ اگر کوئی نئی صورت حال پیدا ہو تو قرآن وسنت سے استنباط کر کے اس کے متعلق اپنی رائے دینا۔ یہ کام اس وقت بھی اتنا ہی ضروری تھا جتنا کہ آج۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں یہ کام شوریٰ کرتی تھی لیکن دورِ ملوکیت کے آغاز ہی سے جب شوریٰ سرکاری درباری افراد کا روپ دھار گئی تو کچھ لوگوں نے انفرادی یا اجتماعی اداروں کے طور پر بڑی قربانی' جانفشانی اور دیانت داری سے یہ فرض ادا کیا۔ فقہ اسلامی کا وجود پذیر ہونا ایسے ہی افراد یا اداروں کا مرہونِ منت ہے۔ یوں تو بے شمار افراد نے اس عظیم کام میں جانیں کھپائیں لیکن ان میں سے چار یعنی امام ابو حنیفہؒ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ)' امام مالکؒ (۹۵ھ۔۱۷۹ھ)' امام شافعیؒ (۱۵۰ھ۔۲۰۴ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ھ۔۲۴۱ھ) نے بہت شہرت پائی۔ یہ فقہاء عظیم سکالر تھے لیکن بہر حال پیغمبر نہیں تھے۔ یعنی ان کی آراء کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے کہ آج کسی کیس کے بارے میں مختلف وکلاء کی مختلف رائے ہوتی ہے۔ ان عظیم

Marfat.com

فقہاء کی کاوشوں سے استفادہ کا بہترین طریقہ تو یہی تھا اور ہے کہ آنے والا کوئی مجتہد آج کے حالات میں کسی معاملے کے بارے میں اپنی رائے قائم کرنے سے پہلے ان فقہاء کی آراء کو خوب جانچتا پھٹکتا اور ان چاروں فقہاء کو وہی حیثیت دیتا کہ جو محدثین کو دی جاتی ہے۔ حدیث خواہ امام بخاریؒ نے روایت کی ہو امام داؤدؒ یا امام نسائیؒ نے بہر حال اسے حدیث کی حیثیت دی جاتی ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ کچھ مسلمانوں نے اپنے آپ کو صرف ایک امام کا مقلد بنا لیا تو کچھ نے دوسرے کا اور اس طرح سے شومیٔ قسمت' ایسے مذاہب پیدا ہو گئے کہ جنہیں تاریخ اسلامی نے ''اسلامی مذاہب'' کا نام دیا یوں دینِ واحد کو مذاہب میں تقسیم کر دیا گیا یعنی گروہ بندی بھی ہوئی اور وہ بھی مذہب کے نام پر۔ یوں حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی' جعفریہ' زیدیہ جیسے اَن گنت گروہ معرضِ وجود میں آ گئے۔

نزاعِ خلافت: خلیفہ کیلئے قرآنی معیارِ اہلیت پانچ اوصاف یعنی ایمان (نور:55)' تقویٰ (حجرات:13)' صلاح (نور:55)' علم اور جسم (بقرۃ:247) پر مشتمل ہے۔ ظاہر ہے ایک وقت پر ان اوصاف کے حامل کئی افراد ہو سکتے ہیں۔ مساوی اوصاف کے حامل افراد میں سے خلیفہ تو بہر حال ایک ہی کو بنانا ہوتا ہے۔ ایک وقت پر دو یا دو سے زیادہ خلفاء کی ممانعت تو خود نبی کائناتﷺ نے کر دی جسکا اظہار بالعقل ثقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں اس وقت ہوا جب کچھ صحابہؓ نے ایک خلیفہ مہاجرین سے اور ایک انصار سے چننے کی تجویز دی۔ لیکن اس تجویز کو دو ٹوک ٹھکرا دیا گیا۔ مساوی اوصاف کے حامل افراد میں سے جب ایک ہی کو خلیفہ بنانا ہو تو ظاہر ہے خلیفہ اسی کو بنانا پڑے گا جس کو اربابِ حل و عقد کی اکثریت بنائے۔ اس بارے میں جیسے مہاجرین و انصار ہونے میں کوئی دخل نہیں اسی طرح کسی بھی طرح کے نسلی و نسبی یا علاقائی وغیرہ ہونے کو بھی کوئی دخل نہیں۔ چاروں خلفاء راشدین اس بات سے بخوبی آگاہ تھے اور کسی نے بھی کسی چناؤ کے خلاف کبھی انگلی نہیں اٹھائی لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہوا جب ایران و روم جیسی عظیم سلطنتیں سرنگوں ہو گئیں تو ایسے ایسے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے کہ علاقائی و نسبی و نسلی تفوق

Marfat.com

جن کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ خلفاءِ راشدین لاکھ تبلیغ و تلقین کرتے رہے کہ اس قسم کا تصور اسلام سے ماوراء ہے لیکن اسکا کیا کیا جائے کہ کچھ لوگ مصر رہے کہ خلافت کا انعقاد نسلی و نسبی بنیاد پر ہو۔ ایسی فضاء تا دیر زیرِ زمین سلگتی رہی اور بالآخر سنی و شیعہ کی تقسیم پر منتج ہوئی۔ سنیوں کے بھی اب مزید اَن گنت فرقے اور شیعوں کے بھی بیسیوں فرقے۔ کچھ فرقے تو ایسے ہیں جن کو یہ دونوں بڑے گروہ تسلیم تک نہیں کرتے۔ خوارج' معتزلہ' خالی شیعہ' غرابیہ' کیسانیہ وغیرہ ایسے ہی فرقے ہیں۔

خاندانی بادشاہتیں: دور جانے کی ضرورت نہیں صرف غیر منقسم ہندوستان کی تاریخ پر ہی نظر دوڑائیں تو یکے بعد دیگرے درجنوں خاندانی حکومتیں آتی اور جاتی رہیں۔ خاندانِ مغلیہ' خاندانِ تغلق' خاندانِ غلاماں وغیرہ اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔ یہ سب لوگ مسلمان تھے لیکن جس خاندان کا زور پڑا غلبہ پایا اور سالہا سال حکومت کی۔ باپ کے بعد بیٹا اور بیٹے کے بعد پوتا وغیرہ۔ یہ تو صرف ہندوستان کی بات ہے لیکن اسلامی دنیا میں تو اموی بھی تھے' عباسی بھی' عثمانی' آریائی' تاتاری' منگولی' حبشی' سوڈانی اور بے شمار دوسرے خاندانی و علاقائی گروہ وجود میں آئے اور حقیقتاً بڑے پیمانے پر اور لمبے لمبے عرصہ کیلئے آئے۔

تصوف اور افسانہ تراشی: یہ جاننا ضروری ہے کہ ہر مسلمان کیلئے بیعت کرنا لازمی ہے۔ چنانچہ رسول ﷺ کی حدیثِ مبارک ہے کہ "جو مر گیا اور اس کے گلے میں بیعت کا قلادہ نہ ہوا تو وہ جہالت کی موت مرا"۔ یعنی ایسا فرد ایسے ہی مرا جیسے کہ مسلمان ہوا ہی نہیں۔ لیکن ایک بات بلکہ سو باتوں کی ایک بات جواز بر کرنے کی ہے یہ ہے کہ بیعت صرف اور صرف خلیفۂ وقت کی ہے یا عارضی طور پر اسی کے کسی نمائندے کی۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر مسلمان بالفعل کسی خلیفہ کی بیعت خود کرے۔ بالفعل بیعت زیادہ تر اربابِ حل وعقد یا خلیفہ کے نمائندوں کی ہوگی خواہ ووٹ کے ذریعے ہو یا کسی اور طریق پر۔ دل خون کے آنسو روتا ہے یہ بیان کرتے ہوئے کہ آج جب دنیا میں خلیفہ کا کوئی وجود نہیں اور مسلمان قیامِ خلافت کے فرض سے سکوت اختیار کئے ہوئے ہیں تو نہ صرف گناہگارانہ زندگی بسر کر رہے ہیں بلکہ اکثر و بیشتر جہالت کی موت مر کر اپنے رب کی

Marfat.com

طرف سدھار رہے ہیں۔ استثناء اگر ہے تو ان سپوتوں کو جو آج اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں قیامِ خلافت کی جدوجہد میں لگائے ہوئے ہیں۔

سوختہ بختی دورِ ملوکیت اور دورِ غلامی میں خلیفہ راشد کا وجود نہ رہا تو کچھ تیز طبع لوگوں نے اس کا حل یہ ڈھونڈا کہ خود بیعت لینے لگے۔ پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے بڑی بڑی گدیاں اور تصوف کے لمبے چوڑے سلسلے معرضِ وجود میں آ گئے۔ یہ غوثیہ' چشتیہ' نقشبندیہ اور سینکڑوں دوسرے اسی انحراف کی پیداوار ہیں اور دن بدن ان میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ بے بنیاد افسانوں اور اوٹ پٹانگ کراماتوں کے وہ پل باندھ دیئے جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ! جو امت کو ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیں اور دن بدن اسے اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیں ظاہر ہے وہ کرامتیں کس گن؟

قدیم اہلِ مذاہب سے مسلمانوں کے روابط: مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے سابقہ تو روزِ اول سے رہا۔ بعد میں جب اسلامی مملکت مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں دور دور تک پھیل گئی تو مسلمانوں کو بے شمار دوسرے مذاہب سے مزید واسطہ پڑا بلکہ بیشتر مسلمان تو ان بے بنیاد مذاہب سے ہی نکل کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ پھر یونانی فلسفے اور ہندو افکار نے اتنا بھرپور وار کیا کہ اکبر جیسا بادشاہ مات کھا گیا۔ آج بھی آپ کو لاکھوں مسلمان ایسے ملیں گے کہ جو مسلمان کم ہیں اور ہنود و یہود زیادہ۔ ظاہر ہے ان نومسلموں کے اذہان اپنے آپ کو سابقہ مذاہب کی روشنی میں ہی دیکھتے اور خود کو یوں ڈھالتے ہیں کہ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔ انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد وہ مباحث اور مسائل کھڑے کر دیئے جو پہلے سے ان کے ہاں چلے آ رہے تھے۔ مثلاً جبر و اختیار' صفاتِ خداوندی عین ذات ہیں یا غیر ذات' خلقِ قرآن وغیرہ۔ یقیناً ان نومسلموں میں کچھ لوگ خلوص سے شامل ہوئے اور بعد میں اثاثہ ثابت ہوئے لیکن ان کی ایک معتدبہ تعداد مصلحتاً اور شرارتاً بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔ اس مؤخر الذکر گروہ نے جان بوجھ کر مسلمانوں کے عقائد میں بگاڑ پیدا کیا اور اپنے افکارِ باطلہ مسلمانوں کے ذہن میں جاگزیں کیے۔ زنادقہ اور کئی دوسرے گروہوں کا یہی چلن تھا۔ ابن الراوندی' معتزلہ' مشبہ' مجسمہ وغیرہ جیسے کئی

Marfat.com

فرقے اس طرح معرضِ وجود میں آ گئے۔ گورونانک جیسے مصلح نے اسلام اور ہندومت کا معجون مرکب بنانے کی کوشش کی۔

تجدیدی فرقے: وقت کا پہیہ گھومتا رہا اور ماضی قریب میں کچھ ایسے فرقے بھی وجود میں آئے کہ جن کے باقاعدہ بانی تھے اور جن کا دعویٰ تھا کہ وہ تجدیدِ دین کا کام کر رہے ہیں۔ فرقہ وہابیہ کے بانی محمد بن عبداوہاب' بہائی فرقہ کے بانی مرزا علی محمد شیرانی' قادیانی فرقہ کے بانی وسوسِ مرزا غلام محمد قادیانی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ان میں سے محمد بن عبدالوہاب کی کوششیں تو قابلِ ستائش تھیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ ایک فرقہ بہرحال معرضِ وجود میں آ گیا بلکہ اہلِ حدیث کی دیکھا دیکھی اہلِ قرآن' اہل الرائے اور کئی دوسرے فرقے آ دھمکے۔

غیر مسلم اقوام کی تدریجاً پیش رفت اور بالآخر غلبۂ کفر:

دورِ خلافتِ راشدہ صرف 30 سال رواں دواں رہا لیکن یہ 30 سالہ دور اس قدر مؤثر اور بابرکت ثابت ہوا کہ جیسے ایک وقت کا لگایا ہوا پودا سالہا سال بار آور ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ دورِ خلافتِ راشدہ کی برکت سے اسلام والے دنیا میں تقریباً گیارہ سو سال غالب رہے۔ اس عرصے میں زیرِ آسماں مسلمانوں کے پائے کی کوئی دوسری طاقت نہ تھی۔ لیکن جونہی مسلمان سیاسی اور مذہبی تقسیم میں آگے بڑھتے گئے نہ صرف یہ کہ بے زور ہو گئے اور ان کی ہوا اڑ گئی بلکہ ان پر جمود اور باہمی چپقلش کے سائے گمبھیر ہوتے چلے گئے۔ ایسے میں مسلمان زوال پذیر ہوتے چلے گئے تو اللہ کی سنت کے مطابق کئی دوسری اقوام پیش رفت کرتی چلی گئیں حتیٰ کہ وہ وقت آیا کہ مسلمان مغلوب ہو گئے اور کفار و مشرکین غالب آ گئے۔ جب مسلمان خود باہم دگر آمنے سامنے ہو گئے تو اغیار کو موقع مل گیا کہ وہ ان بے وقوفوں اور بے ہدایتوں کو مزید تقسیم در تقسیم کرتے رہیں۔ ایسے میں نہ کسی کرامتی کی کرامت کام آئی' نہ کسی ملا کی ملائیت اور نہ کسی صوفی کی صوفیت' مسلمان اتھاہ گہرائیوں میں لڑھکتے ہی چلے گئے۔ آج کی دنیا یہی نقشہ پیش کر رہی ہے۔

Marfat.com

خلافت وملوکیت: اور وجوہات بھی بہت ہیں لیکن ہم نے مسلمانوں کے فرقوں میں بٹ جانے کے نو بڑے بڑے اسباب بیان کئے۔ یہ اسباب نو ہوں یا نو سو ان تمام کا بنیادی سبب ایک اور صرف ایک ہے اور وہ "ایک سبب" یہ ہے کہ دورِ خلافتِ راشدہ کو 30 سال سے آگے نہ چلنے دیا گیا۔ خلافت کو ملوکیت میں بدل دیا گیا۔ بادشاہت پہلے خلافت کے روپ میں وارد ہوئی، پھر خلافتوں کے روپ میں، پھر طوائف الملوکی کا دور آیا، پھر غلامی کا اور آج کے ماڈرن دور میں بدترین ذلت ورسوائی کا دور بذریعہ ریموٹ کنٹرول۔

آہ! اے نوجواں مسلم زیرِ آسماں دورِ خلافتِ راشدہ کا خاتمہ کوئی معمولی تبدیلی نہ تھی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ تھرتھرا گیا ہوگا کہ انسانیت جو چند سال باقی کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہوئی تھی پھر بے جوڑ ہوگئی۔ پہاڑوں کا دل دہل گیا ہوگا۔ سمندروں پر مایوسی طاری ہوگئی ہوگی۔ میدانوں اور صحراؤں پر سکوت طاری ہوگیا ہوگا۔ ستارے ماند پڑ گئے ہوں گے، شمس وقمر گہنا گئے ہوں گے۔ اس لئے کہ قرآن وسنت کا نظام صرف مسلمانوں کیلئے ہی باعثِ رحمت وبرکت نہیں تھا، کائنات کی ہر دوسری مخلوق کیلئے باعثِ عظمت وسرفرازی تھا۔ مذکورہ تبدیلی چونکہ زوالِ انسانیت کیلئے ام الاسباب کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا ہم اسے قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

پہلے یہ جان لیجئے کہ خلافت یا خلافتِ راشدہ ہے کیا؟ دینِ حق قرآن وسنت کے صفحات تک محدود رہے تو ایک تھیوری اور ایک فلسفہ ہے لیکن جب یہی فلسفہ اور نظریہ کسی خطۂ زمین میں بالفعل نافذ ہو جائے تو یہی خلافت ہے۔ خلافتِ راشدہ کے اور بھی بہت سے اوصاف ہیں لیکن ان میں سے تین بہت نمایاں اور واضح ہیں۔ اس کا پہلا وصف تو یہ ہے کہ پوری اسلامی دنیا خواہ وہ مشرق ومغرب اور شمال اور جنوب میں دنیا کے آخری کناروں کو چھو رہی تھی ایک ہی جھنڈے تلے اور ایک ہی حکمران کی سرکردگی میں تھی۔ دوسرا بڑا وصف یہ کہ کوئی خودساختہ کتابچہ نہیں، قرآن وسنت ہی آئینِ مملکت تھا۔ خلافتِ راشدہ کی تیسری خاصیت یہ کہ ملکی قیادت ان ہاتھوں میں تھی جو قرآنی معیارِ اہلیت کے اوپر بیان کردہ پانچ اوصاف پر سوفیصد پورا اترتی تھی۔ آیئے تجزیہ کریں کہ

Marfat.com

ان تین اوصاف کے حامل نظام نے فرق برپا کیا تو کیا؟

دورِ نبوت کے ایک طرف دورِ جہالت تو دوسری طرف دورِ خلافتِ راشدہ۔ رسول ﷺ جو 23 سالوں کے مختصر عرصہ میں تبدیلی لائے اس نے انسانیت کو اتھاہ گمراہیوں اور گہرائیوں سے اٹھا کر بام عروج پر پہنچا دیا۔ دورِ جہالت میں اس دھرتی کے مکیں بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے تاکہ کل کو کوئی داماد نہ بنے۔ اس کے برعکس دورِ خلافتِ راشدہ نے جو ضابطہ دیا تو یہ کہ جو مسلمان تین بیٹیوں کی پرورش کا انتظام کرے گا' جنتی ہوگا۔ دورِ جہالت میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا قانون رواں دواں تھا۔ متحارب گروہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کشتوں کے پشتے لگا دیا کرتے تھے۔ دورِ خلافت میں قانون ناطے پایا کہ انسانی جان محترم ہے۔ جو ایک انسان کو ناحق قتل کرے اس کا جرم ایسا جیسا کہ اس نے ساری انسانیت کو قتل کیا ہو۔ دورِ جہالت میں عورت بکاؤ مال تھی' آج یہاں تو کل وہاں۔ بیٹے ماؤں سے شادی رچا لیتے تھے۔ دورِ خلافتِ راشدہ نے جو قانون دیا تو یہ کہ اگر کوئی کسی عورت پر تہمت بھی لگائے تو اسی کوڑوں کی سزا کا سزاوار۔ زن و مرد کو حصارِ نکاح میں باندھ دیا گیا۔ دورِ جہالت میں وڈیروں اور سرداروں کو حق حاصل تھا کہ جس کی چاہیں گردن اڑا دیں' دورِ خلافتِ راشدہ میں خلیفۂ وقت کو بوقتِ ضرورت عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑا۔ دورِ جہالت میں رزق کی کنجیاں قبائلی سرداروں کے پاس تھیں جسے چاہیں بھوکا ماریں جسے چاہیں بے حد و حساب نواز دیں۔ دورِ خلافت میں خلیفہ کو ڈر تھا کہ دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر گیا تو اللہ کے ہاں کل کو جواب دینا ہوگا۔ دورِ جہالت میں لٹیروں اور ڈاکوؤں سے بچنے کیلئے سفر قافلوں کی شکل میں کرنا پڑتا تھا۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں وہ منظر کہ ایک عورت زیورات سے سجی سجائی مملکت کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک اکیلی سفر کرتی لیکن اسے اللہ کے ڈر کے سوا کوئی دوسرا خوف نہ ہوتا۔ الغرض دورِ نبوت میں جو تبدیلی لائی گئی تو اس نے تاریخ کا رخ ہی موڑ دیا۔ یہ تبدیلی مثبت تبدیلی تھی لیکن جو تبدیلی خلافت کو ملوکیت میں بدلنے پر واقع ہوئی وہ ایسی منفی تبدیلی تھی کہ نتائج کے اعتبار سے بالآخر بڑی مہلک' فتنہ انگیز اور انسانیت کش ثابت ہوئی۔ اس میں کوئی

Marfat.com

شک نہیں کہ دورِ امیہ، دورِ بنی عباس اور دورِ عثمانیہ میں مزید فتوحات بھی ہوئیں تو خوشحالی و فارغ البالی کے ادوار بھی آئے لیکن منفی تبدیلی جو واقع ہو چکی تھی اس نے بالآخر مسلمانانِ عالم کو ثریا سے تحت الثریٰ تک پہنچانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔

خلافت کو جب ملوکیت میں بدل دیا گیا تو پہلی ہولناک تبدیلی یہ واقع ہوئی کہ تقررِ خلیفہ کیلئے قرآنی معیارِ اہلیت کی شرائط کو پسِ پشت ڈال دیا گیا۔ جبری بیعت اور موروثی بادشاہت کا طریقہ چل نکلا۔ بیعت سے اقتدار حاصل ہونے کی بجائے اقتدار سے بیعت ہونے لگی۔ یوں جب خلافت کے لبادے میں بادشاہت رواں دواں ہوگئی تو بادشاہی طور طریقوں کا رواج ہو گیا۔ بیت المال کو ذاتی ملکیت سمجھ لیا گیا۔ پبلک باجگزار تصور کر لی گئی۔ حکمرانوں کو کوئی پوچھنے والا نہ رہا۔ عدلیہ کی آزادی کا قلع قمع ہو گیا۔ آزادیٔ اظہار رائے کا خاتمہ کر دیا گیا۔ نماز، روزہ، حج وغیرہ مناسک کا کسی نہ کسی طور وجود تو رہا لیکن روحِ بلالی نہ رہی۔ ایمان وتقویٰ مکینکل، نمائشی اور روایتی صورت اختیار کر گئے۔ حکمران اپنے کو خلفاء تو کہلواتے رہے اس لیے کہ مقتدر تھے لیکن سیکولر حکمرانوں اور ان نام کے خلفاء میں چنداں فرق نہ رہا۔ ان بنیادی تبدیلیوں نے بھی دینِ حق کی ترکیب وترتیب اور ہیئت کو بدل کر رکھ دیا لیکن جس تبدیلی نے اسلام کا حلیہ سب سے زیادہ بگاڑا اور جو ہماری اس تحریر کا مرکزی موضوع ہے وہ یہ کہ اسلامی دنیا جسے قرآن وسنت کی رو سے ایک خلیفہ کی سرکردگی میں رہنا اور ہونا تھا، ایک سے دو، دو سے چار حتیٰ کہ آج اس پر 57 سربراہاں مسلط ہیں جو خود بھی آپس میں لڑتے ہیں اور اغیار کو بھی موقع مل گیا کہ ان کو مزید لڑائیں۔ قرآن وسنت جب مصر ہیں کہ پوری اسلامی دنیا صرف ایک خلیفہ کی سرکردگی میں رہے تو اس میں کیا شک ہے کہ حقِ حکمرانی صرف ایک خلیفہ کو سزاوار ہے۔ آج کے یہ 57 مسلمان سربراہان اس ایک خلیفہ کے حقِ حکمرانی کو چھینے ہوئے ہیں لہٰذا غاصب ہیں۔ جو خود غاصب ہیں امت کے کس گن؟ مسلمانانِ عالم آج جس ذلت ورسوائی سے دوچار ہیں کوئی خواہ مخواہ تو وارد نہیں ہوگئی۔ اسلامی مملکتِ واحدہ جب 57 ممالک میں منقسم ہوگئی تو امتِ مسلمہ کا وجود بھی نہ رہا، 57 قومیں معرضِ وجود میں آگئیں،

Marfat.com

کوئی مصری قوم تو کوئی شامی قوم' کوئی بنگلہ دیشی قوم تو کوئی ایرانی قوم حالانکہ دینِ اسلام کے بڑے حصے بشمول دنیا بھر کی قیادت' شہادت علی الناس' عالمی سطح پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ کی ادائیگی امتِ مسلمہ کی سطح پر ہی ممکن ہے۔ جب وہ دین جسے آج ہم اپنائے ہوئے ہیں قرآن و سنت والا دین ہی نہیں تو اس کی برکات ہمیں حاصل ہوں تو کیسے؟ اصل میں ہم نے دینِ حق کو مذہب یعنی رسومات کا گورکھ دھندا بنا رکھا ہے۔

دوسرے اعتبار سے مرکزیت ختم ہوئی تو اس طرح کہ خلافت میں اقتدار اصل میں اللہ و رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہوتا ہے' خلیفہ وقت تو محض عملی صورت کا مظہر ہوتا ہے۔ ملوکیت میں جب اقتدار افراد کے ہاتھ میں آ گیا تو دینِ حق کو سیاست و مذہب میں بانٹ دیا گیا۔ اربابِ حکومت اور اربابِ مذہب کے مابین مسلسل ٹھنتی رہی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اربابِ سیاست بھی تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ آج 57 ہیں اور اربابِ مذہب بھی مسلسل منقسم ہوتے رہے حتیٰ کہ آج فرقوں اور مسالک کی پیدائش کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری وساری ہے۔ اسلامی تاریخ کے اوراق الٹیں' بار بار الٹیں' ہمارے ہاں یہ سیاسی تقسیم پہلے اور مذہبی تقسیم بعد میں ہوئی ہے۔ اگر دورِ عمرؓ برقرار رہتا تو کسی کی کیا مجال تھی کہ فرقوں میں بٹتا لیکن جب خلیفۂ وقت نہ رہا تو جس کا جدھر چاہا منہ اٹھا کر چل نکلا۔ فرقوں اور مسالک کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے تو اس لیے کہ پوچھنے والا کوئی نہیں رہا۔ دین میں اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت اجتماعی طور پر ہوتی ہے جبکہ مذہب میں انفرادی یا اپنے اپنے طور پر اور یہ اپنے اپنے طور پر ہونا ہی سب تفرقات' دوری' عناد اور بغض کی جڑ ہے۔

جب دینِ حق ملوکیت اور مذہب میں تقسیم ہو گیا تو اس کے خواص اسی طرح برعکس ہو گئے جیسے کہ پانی کا تجزیہ کیا جائے تو آکسیجن اور ہائیڈروجن معرضِ وجود میں آ کر برعکس خواص کی حامل ہو جاتی ہیں۔ پانی آگ کو بجھانے کی خاصیت رکھتا ہے تو آکسیجن دوسری چیزوں کو جلاتی ہے جب کہ ہائیڈروجن خود جلتی ہے۔ دینِ حق باعثِ رحمت تھا تو اس کا ملوکیت و مذہب میں تقسیم ہو کر باعثِ زحمت ہونا ایک فطری اور لازمی امر ہے...... مکافاتِ عمل کا۔

Marfat.com

پس چہ باید کرد: اب تک کی تحریر سے آپ نہ صرف یہ بخوبی جان گئے ہوں گے کہ یہ فرقے اور مسالک وغیرہ کیسے وجود میں آ گئے بلکہ یقیناً ان کا حل بھی آپ کے ذہن میں آ گیا ہوگا۔ اصل میں یہ فرقے اور مسالک تو بہت بعد کی بات ہے بنیادی تقسیم جو ہوئی تو دین کی ملوکیت اور مذہب میں۔ عرصہ ہوا ہم قرآن وسنت پر مبنی دین کو ترک کیے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اولیں ضرورت اس امر کی ہے کہ مذہب وسیاست کو باہم مدغم کر کے دینِ حق کو پھر سے معرضِ وجود میں لایا اور اپنایا جائے۔ سیاست و مذہب کو باہم مدغم کرنے کا یہ کام اس وقت تک ہرگز اور قطعاً نہیں ہو سکتا جب تک خلافتِ راشدہ کی طرح پوری اسلامی دنیا کو ایک خلیفہ کی سرکردگی میں نہ لایا جائے۔ حل ہماری پستی وزوال کا ہے تو یہ کہ موجودہ تمام اسلامی ممالک کو صوبوں کی شکل دے کر ایک عظیم تر اسلامی مملکت ''دارالسلام'' کو نقشۂ عالم پر لایا جائے جو ایک خلیفہ کی سربراہی میں ہو۔ جس کا آئین قرآن وسنت اور جس کی قیادت قرآنی معیارِ اہلیت پر سو فیصد پوری اترتی ہو۔

شاید آپ کے نزدیک اب، جب کہ اسلامی دنیا دور دراز واقع 57 خطوں میں منقسم ہو چکی، اس کا باہم مدغم ہونا ناممکن ہو۔ لیکن یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کہیں ہے تو ایسا ہونا بالکل ممکن ہے۔ اصل میں ایسا کام اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے، میرا اور آپ کا کام صرف کوشش کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب شعب ابی طالب میں محصور و مجبور تھے تو عین اس وقت وحی نازل ہوتی ہے تو اس طرح:

''عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے''۔ (قمر:54)۔

ظاہر ہے اس مرحلے پر کہیں دور دور بھی نظر نہیں آرہا تھا کہ نہ صرف مشرکینِ عرب بلکہ روم و ایران جیسی اس وقت کی سپر طاقتیں عنقریب سرنگوں ہو جائیں گی۔ لیکن اللہ نے کرنا تھا لہٰذا ہوا اور ڈنکے کی چوٹ ہوا۔ اللہ آج بھی وہی ہے کوشش کریں گے تو ضرور مدد کرے گا۔ نصرتِ ایزدی شاملِ حال ہو جائے تو ناممکن نے بہرحال ممکن ہونا ہوتا ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ سے یہ بات بھی بڑی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کو تن من دھن لگا کر کمانا پڑتا ہے۔ اسی لئے ہم نے اوپر شعب ابی طالب کا ذکر کیا۔

Marfat.com

حرا سے حرم تک

Marfat.com

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

Marfat.com

حرا سے حرم تک

چودھری رحمت علی......

آج سے تقریباً 1440 سال پہلے جب اس دھرتی کے مکیں غیر متمدن' غیر مہذب' ناتراشیدہ' ناشائستہ' علم کی روشنی سے ماوراء جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے۔ یعنی وہ وقت جب تار تھی نہ ٹیلی فون' نہ اخبارات تھے نہ رسالے' نہ لیبارٹری تھی نہ لائبریری' نہ ٹی وی تھا نہ انٹرنیٹ' نہ ریل تھی نہ ہوائی جہاز۔ شعور وفراست کی اگر کوئی سو بو تھی بھی تو دور روم وایران اور مصر جیسی سرزمینوں میں' جزیرۂ عرب اس وقت کی قدرے مہذب دنیا سے الگ تھلگ مزید تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بے آب وگیاہ اس خطۂ زمین میں جو لوگ آباد تھے زیادہ تر بدوی (جانگلی) کہلواتے تھے۔ ریت کے اتھاہ صحراؤں میں شہری آبادیاں کہیں دور دور تھیں۔ ملک کی بیشتر آبادی بکریوں کے دودھ' اونٹ کی سواری اور ادھر ادھر واقع نخلستان پر گزر اوقات کرنے پر مجبور تھی۔ بیرونی دنیا سے واسطہ پڑتا تو صرف ان لوگوں کا جو پیشۂ تجارت سے وابستہ تھے۔

گھٹاٹوپ اندھیروں کے اس ماحول میں اہلِ عرب میں ایمان بالغیب کا تصور مٹ چکا تھا۔ بت تراشی' بت پرستی' کواکب پرستی' ارواح پرستی' اوہام پرستی غرضیکہ ہر باطل پرستی کا دور دورہ تھا' نہیں رائج تھی تو توحید پرستی۔ 360 بت تو اہلِ عرب نے خانۂ کعبہ میں براجمان کر رکھے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ جنہیں قرآنِ مجید بالخصوص یہ کریڈٹ دیتا ہے کہ "مشرکین میں سے نہ تھے" کا بت بھی ان باطل پرستوں نے 360 بتوں میں شامل کر رکھا تھا۔

بلادِ عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ قانون رواں دواں تھا تو نفس پرستی وخواہش پرستی کا۔ جتنے افراد آباد تھے اتنے ہی آئین تھے اس لیے کہ جہاں مرکزی قانون نہ ہو وہاں ہر فرد کا اپنا قانون ہوتا ہے۔ قبائلی زندگی تھی اور ہر قبیلے کی اپنی اپنی رسومات وخرافات تھیں۔ ایک مشترکہ

Marfat.com

رسم بھی تھی اور وہ رسم تھی مرنے مارنے کی۔ لڑتے تو کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے۔ لڑائیوں کا یہ سلسلہ دائمی اور مسلسل تھا۔ بالفاظِ دیگر اصل قانون تھا جنگل کا یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔

لق و دق صحرا' تہذیب و شائستگی سے ماورا' جنگل کے قانون کے رسیا اس ماحول پر ابرِ رسالت برستا ہے تو اس قدر کہ کرۂ ارض پر کہیں نہ اس سے پہلے برسا اور نہ بعد میں۔ کس قدر خوشگوار' کس قدر جانفزا اور کس قدر روح افزا تھی وہ صدا پوری انسانیت کیلئے جو فضائے بسیط میں گونجی تو اس طرح:

"درحقیقت بڑا احسان کیا اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر ﷺ اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے' ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و دانائی کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے" (آلِ عمران:164)۔

یہ صدا کیا تھی' نویدِ انقلاب تھی۔ تاریخ کا رخ مڑنے والا تھا۔ رہتی دنیا تک انسانیت کے بھاگ جاگنے والے تھے۔ چند ہی سالوں میں زیرِ آسماں اس دھرتی کے مکینوں کی کایا پلٹنے والی تھی۔ یہ کام کوئی آسانی سے ہونے والا نہ تھا۔ عظیم کام عظیم جدوجہد کا متقاضی تھا۔ جمے جمائے باطل نظام ٹھنڈے پیٹوں کب گوارا کرتے ہیں کہ جب چاہے کوئی آئے اور انہیں اکھاڑ پھینکے۔ مشکل ترین کام تھا جو اللہ تعالیٰ نے انبیاؑ سے لیا۔ نبی کائنات ﷺ کے ہاتھوں سے بہرحال یہ جان جوکھوں کا کام ہوا۔ کیسے ہوا؟ مرحلہ وار ملاحظہ فرمائیں۔

محمد ﷺ بن عبداللہ غارِ حرا میں

یمن' جزیرہ نمائے عرب' عراق' شام' فلسطین وغیرہ پر مشتمل خطہ جسے عام طور پر ارض القرآن کہا جاتا ہے بیشتر انبیاؑ و رسلؑ کی سرزمین ہے۔ سنگلاخ چٹانوں سے اٹا' ریت کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندروں پر مشتمل یہ علاقہ' سخت جان زندگی کا طالب ہے۔ شاید اسے پیغمبروںؑ کا مسکن اسی لیے بنایا گیا ہے کہ کسی بھی جانگداز ماحول میں رہنے والے انسانوں کو کل کلاں یہ کہنے کا

Marfat.com

موقع نہ ملے کہ پیغمبروںؑ نے تو جن مقامات پر کام کیا وہ بڑے خوشگوار و پر فضا تھے۔ سید کونین ﷺ جس فضا اور جس ماحول میں پیدا ہوئے' اس کی تھوڑی سی جھلک ہم اوپر بیان کر چکے۔ سخت کرب میں رہتی ہے ایسے ماحول میں فطرتِ سلیم۔ ایسے ہی پراگندہ ماحول میں رہتے ہوئے ایک وقت پر کتنا سچ کہا تھا حضرت ابراہیمؑ نے کہ "انی سقیم"۔ شعوری زندگی میں داخل ہوتے ہی سخت بے قراری و بے چینی میں رہنے لگے محمد عربی ﷺ۔ صبح و شام اسی سوچ میں مگن کہ "میں کون ہوں؟ یہ کائنات کیسے وجود پذیر ہوئی؟ یہ زمین و آسمان کا ہونا اور لیل و نہار کی گردش چہ معنی دارد؟ زورآور کمزوروں کو کیوں کچلتے ہیں؟ سچ کا کیوں رواج نہیں؟ جھوٹ کا کیوں بول بالا ہے؟" وغیرہ وغیرہ۔ تدبر و تفکر کا خاصہ ہے کہ وہ انسان کو تنہائی پسند بنا تا ہے۔ تنہائی اور تدبر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایسا ہی سید المرسلین ﷺ کے ساتھ ہوا۔ شہرِ مکہ جسے کعبۃ اللہ کو گود میں لینے کی سعادت حاصل ہے پہاڑوں' چٹانوں اور غاروں سے اس وقت آج کی نسبت زیادہ اٹا پڑا تھا۔ قلبی سکون کے جویا آمنہ کے لاڈلے نے بھرپور سروے کیا ہوگا اپنی تشنگی دور کرنے کیلئے۔ نظرِ انتخاب جا رکی تو دنیا والوں کی کشاکش سے مبراء' عام آدمی کی رسا سے ماوراء اور زمین و آسمان کے مابین ہونے والی رابطہ گاہ...... غارِ حرا پر۔ آپ ﷺ اکثر وہاں جاتے' انہماک کی انتہا کئی دفعہ ہفتوں وہاں قیام کرتے۔ سر بفلک چوٹی کی اونچائی' سنسنان و خاموش ماحول کی تنہائی' اندازہ لگائیں کس قدر سازگار ماحول تھا جستجوئے حق کیلئے۔

احمدِ مصطفےٰ ﷺ پہلی وحی کے جلو میں

نبوت کا دیباچہ سچے خوابوں کی شکل میں نمودار ہوا۔ آپ ﷺ جو خواب بھی دیکھتے یوں لگتا جیسے روزِ روشن میں مشاہدہ کر رہے ہوں۔ پراگندہ و ناپسندیدہ ماحول میں جو بوجھ آپ ﷺ کی کمر توڑے جا رہا تھا وہ کلیۃً تو درِ نبوت کھلنے پر ہلکا ہوا لیکن سچے خوابوں سے بھی بعض اوقات کافی سکون حاصل ہوتا۔ قرآن میں اس کمر توڑنے والے بوجھ کا ذکر آیا' فرمایا گیا:

"(اے نبی ﷺ) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے کھول نہیں دیا؟ اور تم پر سے وہ

Marfat.com

بھاری بوجھ اتار نہ دیا جو تمہاری کمر توڑے جا رہا تھا'' (الم نشرح: 1-3)۔

سوچ و بچار اور غور و فکر کے اسی ماحول میں ایک دن آپ ﷺ کو ایک اور پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔ غارِ حرا میں ہی آپ ﷺ اپنے کام میں منہمک تھے کہ ایک روز ماہِ رمضان میں آپ ﷺ پر پہلی وحی کا نزول ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر تقریباً 40 سال اور 6 مہینے تھی جب پہلی دفعہ فرشتہ آپ ﷺ سے روبرو ہوا اور کہا ''پڑھو''۔ جیسے کہ سیدہ عائشہؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے کہا ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ ''پڑھو''۔ میں نے پھر کہا کہ ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ ''پڑھو'' میں نے کہا ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں'' پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا **''اقرا باسم ربک الذی...... مالم یعلم''** ''پڑھو (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا' جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا' انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہ جانتا تھا'' (علق: 1-5)۔

عظیم ساعت تھی' چند ہی لمحے پہلے جو ''احمد'' تھے اب کہ ''احمد مصطفےٰ ﷺ'' ہو گئے۔ آپ ﷺ تو خیر آپ ﷺ' پہاڑیوں میں واقع وہ نشیبی جگہ جو چند لمحات بیشتر محض ایک کھوہ تھی ''غارِ حرا'' قرار پا کر تا قیامت ملجاءِ خلائق بن گئی۔ سخت پریشاں ہوئے آپ ﷺ جو کچھ ہوا' کبھی اس کا سوچا تک نہ تھا۔ غارِ حرا کی تنہائی' اکیلی جان' مافوق الہستی کا بھیجا ہوا فرشتہ معاً سامنے' سخت گھبرائے احمدِ مصطفےٰ ﷺ۔ لرزتے کانپتے گھر پہنچے۔ خدیجہؓ کو دیکھتے ہی پکارا ''مجھے اوڑھاؤ' مجھے اوڑھاؤ''۔ آپ ﷺ کو اوڑھا دیا۔ ذرا سنبھلے تو سارا واقعہ سیدہ خدیجہؓ کو سناتے ہوئے کہا ''مجھے اپنی جان کا ڈر ہے'' دانا بیوی نے کہا ''ہرگز نہیں (آپ ﷺ کی جان کو کوئی خطرہ نہیں) آپ ﷺ خوش ہو جائیے۔ بخدا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں''۔ آپ ﷺ کی سیرت پر

Marfat.com

آپ ﷺ کی اہلیہ کا یہ تبصرہ ایسے وقت آیا جب احمدِ مصطفےٰ ﷺ کی زندگی کا ایک باب ختم تو دوسرے کا آغاز ہو رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس گھرانے میں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ اور نیک کاموں کا تصور حقیقت کے عین مطابق تھا۔ پتہ یہ بھی چلا کہ قبل از نبوت احمدِ مصطفےٰ ﷺ کی سیرت کس قدر بلند تھی۔ قرآن نے ایک موقع پر اسی کی تصدیق کی تو اس طرح کہ "**انک لعلی خلق عظیم**"۔

احمدِ مجتبیٰ ﷺ کوہِ صفا پر

پہلی وحی یا دنیا والوں سے پہلے رابطے کے بعد سلسلۂ وحی ایک مدت تک منقطع رہا۔ بالآخر سورۂ مدثر کی پہلی سات آیات پر مشتمل دوسری وحی کا نزول ہوا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے احمدِ مجتبیٰ ﷺ کو بڑے پیار سے خطاب کرتے ہوئے نہ صرف کمر کس کر میدان میں اترنے کو کہا بلکہ زندگی بھر کا پروگرام بھی دیا اور دو ٹوک یہ بھی واضح کر دیا کہ مشکلات و مصائب کا آنا تو لازمی ہے' ان کا توڑ ہو گا تو صبر و استقامت سے۔ ملاحظہ ہوں آیات:

"اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے' اٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کی دھن میں۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو" (مدثر: 1-7)۔

ان ہی احکامات کی روشنی میں ایک دن احمدِ مجتبیٰ ﷺ نے معروف پہاڑ کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر "یا معشر قریش' یا معشر قریش" کی صدائیں بلند کیں۔ بظاہر تو قرب و جوار کو بلایا لیکن حقیقت میں یہ پکار تمام انسانیت کیلئے تھی۔ اس لیے کہ جو ہستی آوازہ دے رہی تھی' تھی ہی تمام انسانیت کیلئے مبعوث۔ لوگ جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے' تو کیا تم یقین کر لو گے"۔ ابولہب سمیت سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ "ہاں اس لیے کہ ہم نے آپ ﷺ کو ہمیشہ سچ بولتے ہوئے پایا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر شدید ترین عذاب نازل ہو گا"۔ یہ سنتے ہی سب

Marfat.com

سخت برہم ہوئے اور برا بھلا کہتے ہوئے واپس ہوئے۔ عادتوں میں بگاڑ آچکا تھا تو اس حد تک کہ صدائے حق کی پہلی گونج کو جواب ملا تو سخت مخالفت سے۔

پہاڑ پر کھڑے ہو کر اس کے عقب اور سامنے کی تشبیہ دیکر ایک عظیم حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا۔ انسانیت کو سمجھایا گیا تو یہ کہ کوئی بھی نبی اصل میں دنیا و آخرت کے سنگھم پر کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی توفیق (باذن اللہ) سے وہ اس دنیا کے حالات کو بھی بغور دیکھ رہا ہوتا ہے تو احوالِ آخرت پر بھی نظر رکھتا ہے۔

سرورِ دو عالم دیوارِ کعبہ کے سائے میں

تفکر و تدبر ہی کے سلسلہ میں ایک دن سرورِ دو عالم ﷺ دیوارِ کعبہ کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت خبابؓ کا گزر ادھر سے ہوا۔ سرورِ دو عالم ﷺ کو تنہائی میں پا کر غنیمت سمجھا کہ ان ﷺ سے دل کھول کر باتیں کی جائیں۔ کیا باتیں ہوئیں؟ ملاحظہ ہوں:

''حضرت خبابؓ بن ارتؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کعبہ کے سائے میں اپنی دھاری دار چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ حاضر ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی ''کیا آپ ﷺ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتے؟ آپ ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا ''تم سے پہلے داعیانِ حق کا یہ حال رہا ہے کہ (دعوت الی اللہ کے جرم میں) ایک آدمی کو پکڑ لیا جاتا۔ زمین میں گڑھا کھود کر اسے گڑھے میں کھڑا کیا جاتا۔ پھر اس کے سر پر آرا رکھ کر اسے چیرا جاتا حتیٰ کہ وہ دو ٹکڑے ہو جاتا۔ کسی کے جسم پر لوہے کی کنگھیاں چلا کر گوشت کو ہڈی سے علیحدہ کر دیا جاتا۔ ایسی سزا اسے بہر حال دین سے نہ روک سکی۔ اللہ کی قسم! یہ کام پورا ہو کر رہے گا یہاں تک کہ سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور وہ نہ ڈرے گا مگر اللہ سے۔ مگر تم عجلت چاہتے ہو'' (بخاری۔ کتاب الاکراہ)۔

یعنی دو ٹوک فرما دیا سرورِ دو عالم ﷺ نے کہ اقامتِ دین کا کام محض دعاؤں سے نہیں ہوتا۔ اسباب کی اس دنیا میں کامیابی کیلئے ایثار و قربانی اور ابتلاء و آزمائش کی بھٹیوں میں سے

Marfat.com

گزرنے کے بعد ہی یہ عظیم کام سرانجام پاسکتا ہے۔

شافعِ محشر ﷺ شعبِ ابی طالب میں

ملاحظہ ہو کیا کیا کچھ دکھاتے رہتے ہیں اہلِ زمیں آسمانوں کے خالق و مالک کو۔ زمین والوں نے، اور تو اور اس ہستی کو ساتھیوں سمیت شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا، جس نے کہ روزِ محشر باذن اللہ گناہگاروں کی رہائی کا باعث بننا ہے۔ محصور کیے رکھا تو دو چار دس دن نہیں، تقریباً تین سال۔ قریش کے کم و بیش تمام قبائل نے معاہدہ کیا تو یہ کہ کوئی شخص محصورین یعنی خاندانِ بنو ہاشم سے نہ قرابت کرے گا نہ خرید و فروخت۔ نہ ان سے ملے گا نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔ کس قدر عجب تھا یہ قید خانہ، نہ اس سے پہلے کبھی زیرِ آسماں دیکھا گیا نہ بعد میں۔ آج بھی آپ کو کوئی ایسا قید خانہ نہیں ملے گا کہ جہاں کسی نہ کسی طور ملاقات کی اجازت نہ ہو اور جہاں سو فیصد کھانا پہنچانے کی ممانعت ہو۔ قریشِ مکہ کے آتشِ انتقام کا اندازہ لگائیں کہ مذکورہ دفعات پر مشتمل باقاعدہ معاہدہ لکھا گیا اور لٹکا دیا گیا تو ربِ کعبہ کے اس گھر پر کہ جس کی چابیاں ایک دن اس شان سے سرورِ دوعالم ﷺ کے ہاتھ میں ہونے والی تھیں کہ جس ہاتھ میں چاہیں پکڑا دیں۔

پس اندازِ خوراک کب تک ساتھ دیتی نوبت بایں رسید کہ درختوں کے پتوں اور سوکھے چمڑوں کو جلا کر گزر بسر ہونے لگی۔ بھوک سے بچے تلملاتے تو قریش خوش ہوتے، سنگدلی کی انتہا ہو گئی۔ ایک طرف صبر و شکر دوسری طرف ظلم و جور۔ وقت آیا کہ قریش کے کئی سرکردہ لوگوں کے دل اندر سے ٹوٹتے چلے گئے حتیٰ کہ وہ وقت آیا کہ وہ خود ہی معاہدہ کو پھاڑنے اور بنو ہاشم کو آزاد کرنے کا سبب بنے۔

نبیِ کائنات ﷺ طائف کے بازاروں میں

انتہائی خواہش، تڑپ اور ترغیب کے علی الرغم جب مکہ میں بات بنتی نظر نہ آئی بلکہ

Marfat.com

مخالفوں کی مخالفت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو نبی کائنات ﷺ کے دل میں کسی اور بڑے مقام پر یہ پیغام حق پہنچانے کی سوچ کروٹ لینے لگی۔ بالآخر طائف جانے کا ارادہ فرمایا۔ اہلِ طائف کیلئے یہ موقع اسی طرح باعثِ سعادت بھی تھا اور باعثِ ہلاکت بھی جس طرح کہ قرآنِ مجید کے متعلق آیا کہ یہ آخری کتاب اقوام کیلئے باعثِ نجات بھی ہے تو باعثِ عذاب بھی۔ بڑی سعادت تھی اہلِ طائف کیلئے اگر وہ حق شناخت بنتے۔ نبی کائنات ﷺ کا خود چل کر ان کے دروازوں پر دستک دینا تاریخِ انسانی میں کسی قوم کیلئے "بڑے بخت" کی بات تھی بشرطیکہ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کی جاتی۔

اس وقت کا طائف بڑے جنگجو قبائل کا گڑھ تھا۔ مکہ کے شرق میں واقع اس شہر تک پہنچنے کیلئے نبی کائنات ﷺ کو پیدل پر پیچ اور دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑا۔ بال بچوں اور گھر کو تیاگ کر فرضِ منصبی کیلئے کشاں کشاں پہاڑیوں اور وادیوں کو عبور کرتے طائف جو ایک پہاڑی مقام ہے پر پہنچے۔ نبی کائنات ﷺ وہاں کے ہر قبائلی سردار سے ملے۔ دعوتِ حق دی لیکن کسی ایک سے بھی حوصلہ افزا جواب نہ ملا بلکہ ہتک آمیز سلوک کیا آپ ﷺ سے تو اس حد تک کہ شہر کے اوباشوں اور شریروں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ اوپر آسماں' نیچے زمیں میں طائف کے گلی کوچوں میں دورویہ کھڑے ان بھپرے اور بگڑے جوانوں نے نبی کائنات ﷺ پر پتھروں کی بے دریغ بوچھاڑ کر دی۔ جیسے تیسے بالآخر ایک باغ میں پہنچے۔ بڑی رقت انگیز دعا نکلی ایسے میں نبی کائنات ﷺ کی زباں سے رب کائنات کے حضور۔ ملاحظہ ہو:

"بارِ الہا! میں تیرے حضور اپنی بے بسی و بیچارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ ایسے کے حوالے جو مجھ سے درشتی کے ساتھ پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے حوالے جس کو تو نے مجھ پر قابو پانے کا یارا دے دیا ہے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں۔ تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لئے زیادہ کشادگی ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جو اندھیرے میں اجالا کرتا ہے اور دنیا

Marfat.com

وآخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے۔ مجھے اس سے بچالے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں۔ تیری مرضی پر میں راضی ہوں یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ کوئی زور آور طاقت تیرے بغیر نہیں"۔

مکی دورِ نبوت کا یہ دسواں سال تھا۔ دس سال اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور صحابہؓ کو یوں کفار و مشرکین کے رحم و کرم پر چھوڑے رکھا جیسے مویشیوں کے آگے چارہ ڈالا جاتا ہے۔ بے مثل مارا پیٹا گیا گنتی کے اس وقت کے چند مسلمانوں کو۔ کاروبار ٹھپ ہو گئے تو مسلمانوں کے۔ بھوک ننگ سے واسطہ پڑا تو مسلمانوں کو۔ گھر بار چھوڑ کر دو دفعہ ہجرت کرنی پڑی تو مسلمانوں کو۔ اس کے مقابلہ میں کفار و مشرکین کیلئے تو یوں جیسے ایک شغل اور دل لگی۔ دھیمے دھیمے ایک وقت پر کی فریاد خود ہی کائنات ﷺ اور صحابہؓ نے اپنے رب کے حضور۔ قرآن میں آیا:

"پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول ﷺ اور اس کے ساتھی اہلِ ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی...... اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے" (بقرۃ:214)۔

دس سال کا عرصہ تو یوں جیسے کہ اللہ کہیں ہے ہی نہیں۔ خوب آزمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی استقامت کو بھی تو کفار و مشرکین کے ظلم و جور کو بھی۔ اب کے نبی کائنات ﷺ کا جب اپنا خون گرا طائف کے بازاروں میں تو وہ نصرتِ ایزدی جو دس سال سے کہیں نظر نہ آ رہی تھی رک نہ سکی۔ چھم چھم برسی۔ فرشتہ آ موجود ہوا گویا ہوا:

"اے محمد ﷺ! اللہ نے آپ ﷺ کی قوم کا قول اور آپ ﷺ کی دعوت پر اس کا جواب سن لیا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ مجھے آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کے بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ اپنا حکم مجھے دیں۔ اگر آپ ﷺ چاہیں تو میں ان پر (اہلِ طائف پر) دوطرفہ

Marfat.com

پہاڑوں کو ایک ساتھ ملا کر ڈھانک دوں"۔ نبی ﷺ نے اس کا جواب دیا تو یہ کہ "نہیں، میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے"۔

یاد رہے محمد بن قاسم اہلِ طائف ہی میں سے تھا۔

بڑی امیدوں سے گئے تھے نبی کائنات ﷺ اہلِ طائف کے پاس۔ ناکام واپسی ظاہر ہے آپ ﷺ کیلئے نہایت گراں تھی۔ تاریخ خود پریشان جس طور آپ ﷺ کا داخلہ ہوا واپسی پر مکہ میں۔ طائف آنے جانے کا سارا عمل ہی آپ ﷺ کی پریشانیوں میں مزید اضافے کا باعث بنا۔ دورِ نبوت کے آخری سالوں میں ایک دفعہ سیدہ عائشہؓ نے نبی کائنات ﷺ سے پوچھا کہ کونسا دن آپ ﷺ پر سب سے زیادہ بھاری تھا۔ سیدہؓ کا خیال تھا کہ شاید احد کا ذکر کریں گے یا غزوۂ خندق کا، لیکن آپ ﷺ نے جواباً فرمایا تو یہ کہ عائشہؓ طائف کا دن میرے لیے بہت گراں تھا۔ واقعی مشکل ترین دن تھا وہ دن آپ ﷺ کیلئے جبکہ آپ ﷺ تن تنہا تھے اور گلیوں کے تنکے تک آپ ﷺ کے خلاف تھے۔

طائف کا دن مشکل ترین تھا لیکن ایک لحاظ سے خوش آئند بھی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ و رسول ﷺ کا پسندیدہ انقلاب تو کوئی تین سال بعد ہجرت مدینہ کے موقع پر آیا جب روم و فارس جیسی بڑی بڑی مملکتوں کے مقابلہ میں اسلام کی ایک انتہائی چھوٹی سی ریاست معرضِ وجود میں آگئی لیکن ہوا کا رخ بہرحال یومِ طائف کو ہی بدل گیا۔ سیدہ خدیجہؓ اور جناب ابوطالب کی پے در پے وفات کی وجہ سے یہ سال گو "عام الحزن" بھی کہلاتا ہے لیکن ان تکالیف اور صدموں کے علی الرغم ایک روایت کے مطابق یہی وہ سال ہے جب آپ ﷺ کو معراج کی سعادت حاصل ہوئی۔ پھر اسی موڑ سے یثرب کے وفود خود مدینہ پہنچ کر سال بسال آپ ﷺ کیلئے تقویت و خوشخبری کا موجب بنتے رہے۔

سفرِ طائف بزبانِ حال پکار پکار کر اظہار کر رہا ہے تو اس اٹل حقیقت کا کہ بڑا جان

Marfat.com

جوکھوں کا کام ہے باطل کا قلع قمع کر کے نظامِ خلافت کو قائم کرنا۔ مشکل ترین کام ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروںؑ اور ان کے مبارک ساتھیوں سے لیا۔ ٹھنڈے پیٹوں یہ کام ہونے والا نہیں۔ نہ کبھی ایسا پہلے ہوا ہے اور نہ اب ہوگا۔

سید المرسلین ﷺ غارِ ثور میں

ایک طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو گھر بار چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنے کا عندیہ دیا تو دوسری طرف مخالفین نے اس ہجرت کو روکنے کیلئے فیصلہ کرلیا کہ آپ ﷺ کو (اعوذ باللہ) قتل کر دیا جائے تاکہ کل کلاں باہر بیٹھ کر آپ ﷺ ان کے لیے باعثِ مصیبت نہ بن جائیں۔ ایک طرف مشرکینِ مکہ نے باہمی مشورہ سے آپ ﷺ کو ختم کرنے کی تدبیر کی تو دوسری طرف محمد ﷺ کے رب نے محمد ﷺ کو بچانے کی تدبیر کی۔ ظاہر ہے مخلوق کی تدبیر کا خالق کی تدبیر کے مقابلہ میں بے سود و بے مراد ہونا لازمی تھا۔ ایسا ہی ہوا۔ قرآن میں آیا:

''وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ منکرینِ حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کردیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کردیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے'' (انفال: 30)۔

شب ہجرت ارداۂ قتل کرنے والوں کا محاصرہ توڑ کر اور گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے سید المرسلین ﷺ بظاہر مہاجر لیکن اصل میں مدینہ میں معرضِ وجود میں آنے والی نئی مملکت کے سربراہ۔ عظیم واقعہ تھا۔ دھوم مچ گئی صبح ہوتے ہی مکہ اور مضافاتِ مکہ میں۔ پکڑ دھکڑ کی صدائیں بلند ہوئیں ہر طرف۔ انعامات طے پا گئے پکڑ کرلانے والوں کیلئے۔ ایسے ممکن ہی نہ تھا کہ آپ ﷺ پہلے ہی دن کسی لمبی مسافت کا خطرہ مول لیتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور جا گھسے کچھ ہی فاصلے پر راستے میں پڑنے والی غار...... غارِ ثور میں۔ اندازہ لگائیں رات کا وقت' نہ دیا نہ بتی' جا گھسے سید البشر اپنے ساتھی کے ہمراہ ویران پڑی کھوہ میں۔ کیل کانٹوں سے لیس پہنچے پیچھے مشرکینِ مکہ۔ قدرت کا کرشمہ کہیں یا تدبیرِ ایزدی' مدد کی اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم بندوں کی تو قرآن

Marfat.com

کے الفاظ میں ''گھروں میں سے کمزور ترین گھر''...... مکڑی کے جالے سے۔ مضبوط ثابت ہوا یہ مکڑی کے جالے کا بنا ہوا قلعہ۔ دشمن آئے سو بونہ پا کر واپس چلے گئے۔ بڑا ہولناک منظر تھا جب مشرکینِ مکہ عین غارِ ثور کے دہانے پر کھڑے تھے۔ قرآنِ مجید میں اس منظر کا ذکر آیا' فرمایا گیا:

''تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کوئی پرواہ نہیں' اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا۔ جب وہ صرف دو میں دوسرا تھا' جب وہ دونوں غار میں تھے' جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا ''غم نہ کر' اللہ ہمارے ساتھ ہے'' (توبہ:40)۔

تا قیامت دنیا والوں کو بتا دیا کہ اللہ جانتا ہے کمزوروں کی مدد کرنا' جابروں' قہاروں اور سازوسامان پر نازاں ہونے والوں کے مقابلے میں۔

رسول اللہ ﷺ میدانِ بدر میں

سنگدل مشرکینِ مکہ کے جذبات ٹھنڈے نہ ہونے پائے رسول اللہ ﷺ کو پرائے دیس دھکیل کر بھی۔ لاؤ لشکر لیکر چڑھ دوڑے مہاجرین و انصار کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا ارادہ لیکر۔ باغی انسانوں نے پھر چیلنج کیا خالق کی تدبیر کو۔ اللہ تعالیٰ بھی چاہتا تھا سر کچلنا ایسے سرکشوں اور ناشکروں کا لیکن حدودِ حرم میں نہیں' دور کہیں باہر لے جا کر۔

رسول اللہ ﷺ بھی حالات سے باخبر رہتے تھے۔ اندازہ رکھتے تھے کہ قریش حیلے بہانے ان کا پیچھا کریں گے۔ مشکل البتہ یہ تھی کہ مدینہ آئے ابھی دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے۔ مہاجرین معاشی طور پر قدم نہ جما پائے تھے۔ انصار' مہاجرین کو اپنے ہاں بسانے میں مصروف تھے۔ مدینہ میں موجود یہودی قبائل اندرونِ خانہ مسلمانوں کا تختہ الٹ دینے پر درپے تھے۔ اردگرد کے قبائل کی ہمدردیاں بھی بوجوہ قریشِ مکہ کے ساتھ تھیں۔ بایں ہمہ چونکہ موقع فیصلہ کن تھا لہٰذا رسول اللہ ﷺ مدینہ میں دبک کر مقابلہ کرنے کی بجائے میسر وسائل اور ساتھیوں کو لیکر مکہ کی طرف چل نکلے یہ ثابت کرنے کیلئے کہ کس میں جینے کا بل بوتا ہے اور کس میں نہیں۔

17 رمضان المبارک 2ھ کو میدانِ بدر میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ ایک

Marfat.com

طرف ایک ہزار جنگجو قریش کیل کانٹے سے پوری طرح لیس اور دوسری طرف تین سو سے کچھ ہی زائد مسلمان تقریباً نہتے اور بے سروسامان۔ مدینہ سے نکلتے ہوئے کچھ ساتھیوں نے تو یہ تک الفاظ کہہ دیئے تھے کہ "ہم جانتے بوجھتے موت کے منہ میں جا رہے ہیں"۔ اثاثہ تمام کیلئے تھا تو ایک ہی یعنی توکل علی اللہ۔ مبارزت سے چند ساعتیں پہلے کی فریاد بھی کائنات ﷺ نے ربِ کائنات کے حضور۔ ملاحظہ ہو:

"بارالہا! وقت آ گیا مدد کے اس وعدے کو پورا کرنے کا جو تو نے مجھ سے کیا۔ اگر یہ نفوس (آج تک کی جمع کردہ پونجی) مٹ گئے تو پھر قیامت تک تجھے پوچھنے والا کوئی نہیں ہوگا"۔

قوتِ بازو کی فراہمی بھی ضروری (انفال:60) لیکن مسلمان کی طاقت کا اصل سرچشمہ تو نصرتِ ایزدی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد آئی مسلمانوں کو میدانِ بدر میں تو بھرپور انداز میں۔ ملاحظہ ہو قرآن:

"(مسلمانو) یاد کرو وہ وقت جب پے در پے ہزار فرشتوں کو تمہاری مدد کیلئے بھیجا اور وہ وقت جب اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست کو دور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعہ سے تمہارے قدم جما دے...... اور وہ وقت کہ جب تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ "میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھو۔ میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں...... پس حقیقت یہ ہے تم نے انہیں (مشرکینِ مکہ کو) قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا" (انفال)۔

مسلمانانِ عالم، نوٹ کریں، نصرتِ ایزدی ضرور بضرور پہنچتی ہے لیکن سالہا سال کی محنتِ شاقہ اور ایثار و قربانی کے بعد۔ آج بھی اس کائنات کا خالق و مالک منتظر ہے کہ کوئی مستحق ٹھہرے تو وہ اس کی مدد کرے۔ آج گیند مسلمانانِ عالم کی کورٹ میں ہے۔

سوئے حرم قدم بہ قدم

Marfat.com

عام تصور یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کفار و مشرکین کے مقابلہ میں کوئی ایک تہائی یعنی ایک مسلمان کے مقابلہ میں تین منکرینِ حق تھے اور یہ کہ بعد میں مسلمانوں کی تعداد خاصی زیادہ ہوگئی۔ صورتِ حال بالکل اس کے برعکس ہے۔ غزوۂ احد میں ہی یہ نسبت 4:1 کی اور معرکۂ خیبر میں بڑھ کر 33:1 کی ہوگئی۔ غزوۂ تبوک یعنی آخری غزوہ کے موقع پر قیصرِ روم مقابلے کیلئے نہ آیا ورنہ شاید یہ نسبت 3300:1 کی ہو جاتی۔ اسی طرح غزوۂ بدر کے موقع پر ہی مسلمانوں کے ہاں سامانِ حرب اور سامانِ خورد و نوش کی کمی نہ تھی' مثال کے طور پر غزوۂ خندق کے موقع پر چشمِ فلک نے صحابہؓ اور خود سید الانبیا ﷺ کے پیٹ پر پتھر بندھے دیکھے۔ حرا سے حرم تک پہنچنے کیلئے ایسا بھی نہیں ہوا کہ مسلمانوں کو کامیابی پر پیٹ پر پتھر بندھے دیکھے۔ حرا سے حرم تک پہنچنے کیلئے ایسا بھی نہیں ہوا کہ مسلمانوں کو کامیابی پر کامیابی ہی ہوتی چلی گئی ہو۔ ستر صحابہ تو غزوۂ احد میں ہی شہید ہوئے' خود سیدِ کونین ﷺ کا خون بہا۔ صلح حدیبیہ پر اپنے ہاتھ سے آپ ﷺ کو لکھے گئے معاہدہ سے "رسول اللہ ﷺ" کے الفاظ مٹانے پڑے۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو بوجوہ ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا اس سے کئی عرب قبائل شیر دل ہو گئے۔ کئی ایک نے مسلمانوں پر یلغار کرنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن نبی کائنات ﷺ نے جو حکمتِ عملی اختیار کی وہ دبک کر رہنے کی بجائے آگے بڑھ کر مردانہ وار مقابلہ کرنے کی تھی۔ چنانچہ بہت سے قبائل کو اپنے مدینہ کی طرف بڑھنے سے پہلے ہی جا لیا حتیٰ کہ کئی قبائل تو تیاری کرنے کے باوجود خود ہی تتر بتر ہو گئے۔ غزوۂ احد کے اگلے ہی دن رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی طرف پلٹتے کفار و مشرکین کا تعاقب کیا۔ 630 جاں نثار آپ ﷺ کی معیت میں تھے۔ کفار و مشرکین نے بھی اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کا کلی طور پر قلع قمع کر دینا چاہئے تھا دوبارہ پلٹ کر مدینہ پر چڑھائی کرنے کی ٹھانی لیکن یہ خبر پا کر کہ رسول ﷺ ایک لشکر لئے ان کے تعاقب میں آ رہے ہیں جلدی مکہ پہنچنے میں ہی غنیمت جانی۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد رسول ﷺ نے یہ خبر پا کر کہ بنی اسد مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تیاری کر رہے ہیں حضرت ابوسلمہؓ کی قیادت میں کوئی ڈیڑھ سو جاں نثاروں

Marfat.com

کا لشکران کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا۔ مسلمانوں کو سر پر پا کر یہ لوگ بدحواسی میں بھاگ نکلے اور ان کا سارا مال اسباب مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ میں آباد یہودی قبیلہ بنی نضیر کی عین اس وقت خبر لی جب معاہدہ توڑ کر انہوں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی ٹھانی' انہیں دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے کا نوٹس دے دیا۔ منافقینِ مدینہ کے سردار عبداللہ بن ابی کے ایماء پر پہلے تو بنی نضیر ڈٹ گئے لیکن جب بازی ہارتے دیکھی تو مدینہ چھوڑ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے بنی غطفان پر چڑھائی کی جو مدینہ پر حملہ آور ہونے ہی والے تھے۔ مسلمانوں کے اچانک حملے سے وہ حواس باختہ ہو گئے اور کسی جنگ کے بغیر وہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی منتشر ہو گئے۔ پھر شعبان 4ھ میں رسول ﷺ 15 سو مجاہدین کو ساتھ لیکر اس چیلنج کا جواب دینے کیلئے نکلے جو ابوسفیان نے احد سے پلٹتے ہوئے دیا تھا کہ "آئندہ سال ہمارا تمہارا پھر مقابلہ ہوگا"۔ ابوسفیان بھی دو ہزار کا لشکر لیکر مکہ سے چلا تو ضرور لیکن بددل ہو کر راستہ ہی سے واپس ہو گیا۔ نبی کائنات ﷺ نے بہر حال لشکرِ کفار کا آٹھ دن تک بدر میں انتظار کیا۔ دومۃ الجندل جو عرب اور شام کی سرحد پر واقع ایک بستی تھی کے لوگ آتے جاتے قافلوں کے لئے باعثِ عذاب بنے ہوئے تھے۔ لوٹ مار کرتے اور جانیں تلف کرنے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ رسولِ رحمت ﷺ سرزمینِ عرب پر ایسی اندھیر نگری اور غارتگری کو کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ خود ایک ہزار کا لشکر لے کر ان کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے۔ چوروں کے کب پاؤں ہوتے ہیں' لشکرِ اسلام ابھی راستے میں ہی تھا کہ وہ بستی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ ان تمام فراریوں سے روزِ روشن کی طرح عیاں کہ جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تو اس حد تک کہ کسی ایک قبیلے کا مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی بجائے متحارب قبائل اکٹھے ہو کر آخری وار کرنے کی سوچنے لگے۔ غزوۂ خندق اسی سلسلے کی کڑی تھا۔

الیٰ حرم

غزوۂ خندق سے زبانِ رسالت سے الفاظ نکلے تھے کہ آج کے بعد کفار و مشرکین کو یارا

Marfat.com

نہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں پر یلغار کریں۔ ایسا ہی ہوا۔ صلح حدیبیہ کے بعد پے در پے فتوحات سے مسلمانوں کی تعداد اس قدر ہوگئی کہ وہ مکہ کے کافروں سے دبنے کی بجائے ان کے خلاف کاروائی کرسکیں۔ مکہ کے اردگرد قبائل کی عہد شکنی نے مسلمانوں کو یہ موقع فراہم کردیا۔ چنانچہ ہادی برحق ﷺ دس ہزار صحابہؓ کی معیت میں مکہ فتح کرنے کیلئے روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کی اس طور پیش رفت پر مشرکینِ مکہ کو اپنی اپنی خجالتیں یاد آئیں۔ وہ ہمت ہار گئے۔ جرأت نہ کرپائے کہ اسلامی لشکر کا مقابلہ کریں۔ مکہ فتح ہوا۔ مسلمان فاتحانہ شان سے ان گلی کوچوں میں دوبارہ داخل ہوئے جہاں سے وہ نکالے گئے تھے۔ بڑے بڑے گستاخان سر جھکائے اپنے انجام کی فکر میں تھے۔ ابوسفیان بھی موجود ہندہ بھی زندہ تھی۔ روزِ محشر اپنی امت کی بخشش کے خواہاں رحمت اللعالمین ﷺ کی زبانِ مبارک سے مکہ کے در و دیوار نے سنا تو یہ کہ "تم پر کوئی الزام نہیں' جاؤ' تم سب آزاد ہو"۔

• ابوسفیان کو تو ہادیٔ برحق ﷺ کے حکم پر لشکرِ اسلام کے مکہ داخل ہوتے وقت پہاڑ کی اونچی چوٹی پر کھڑا کردیا گیا کہ وہ بچشمِ سر خود دیکھے کہ وہ مکہ جہاں کے مکینوں کو اسلام کا پرچم تھامے دنیا والوں کی طرف جانا تھا' مشرکینِ مکہ کی بدنصیبی' آج باہر سے اسلام والے اسلام کا پرچم لہراتے مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ **"جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا"۔**

Marfat.com

یہ لاڈ، یہ عطا، آخر کیوں؟

Marfat.com

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرے روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

Marfat.com

یہ لاڈ' یہ عطا' آخر کیوں؟

دو پودے' ایک مصنوعی ریشے سے کسی مشین میں بنایا گیا اور دوسرا قدرت کی فیکٹری یعنی کھیت کا پلا پوسا۔ دیکھنے میں دونوں ہو بہو ایک جیسے لیکن حقیقتاً دونوں میں زمین و آسمان کا فرق' فرق کیوں نہ ہو ایک کو محض چند نمکیات گوندھ کر بنایا گیا جب کہ دوسرے کی نمود و پرورش پوری کائنات کی مرہونِ منت۔ سورج کو زمین سے اتنے فاصلے پر رکھا گیا کہ حرارت میسر ہو تو اتنی کہ نہ پودے کو جلا کر رکھ دے اور نہ ہی اسے منجمد کر دے۔ پھر پودے کو محض حرارت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اسے تو روشنی بھی درکار ہے۔ پودے کی خوراک جو پتوں میں تیار ہوتی ہے' اس وقت تک تیار نہیں ہو سکتی جب تک کہ پتوں میں موجود سبزی مائل مادہ یعنی کلوروفل روشنی سے مل کر خوراک نہ پکائے۔ کسی پودے کو چند دن اندھیرے میں یا چھاؤں میں رکھ دیں' پتے زرد پڑ جائیں گے' مناسب خوراک نہ بن سکے گی تو پودا پہلے کمزور ہو گا پھر ویسے ہی ختم ہو جائے گا۔ پودوں کو یہ روشنی فراہم کرنے کی خاطر سورج کی رسائی دنیا کے ہر خطے میں ممکن بنا دی۔ سورج اور زمین کی گردش کو یوں مرتب و منظم کیا کہ دن اور رات باری باری معرضِ وجود میں آتے ہیں تا کہ پودے کو حرارت و روشنی بھی میسر ہو اور خنکی و شبنم بھی۔

پودے کو تو پانی کی بھی ضرورت ہے اور ضرورت بھی اتنی کہ پودے کی ساخت میں ۹۸ فیصد تک پانی اور باقی خشک مادہ ہوتا ہے۔ دنیا میں پانی کے بغیر زندگی کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اسی لیے قرآنِ کریم میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے' پانی کا ذکر سرِ فہرست کیا ہے۔ پانی کی اتنی بڑی ضرورت و اہمیت کے پیشِ نظر کرۂ ارض کی ساخت کو تین چوتھائی حد تک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندروں پر مشتمل کر دیا۔ لیکن ظاہر ہے سمندروں میں پڑا پانی کس کام کا کہ پودا تو شاید ہزاروں میل دور کسی چٹیل میدان میں ہو۔ خالقِ کون و مکان نے سورج کی حرارت کو ہی استعمال کیا تا کہ بخارات بنیں اور وہ بھی اس طرح کہ یہ بخارات سمندر کی کثافتوں سے پاک

Marfat.com

ہوں۔ یہ بخارات اگر کہیں سمندر پر ہی معلق رہیں تو پودے کے کس کام کے؟ ہوا سے ان بخارات کی بار برداری کا کام لیا اور وہ اس طرح کہ میدانوں کی ہوا چونکہ خشک اور ہلکی ہوتی ہے لہٰذا ہلکی ہونے کی وجہ سے اوپر اٹھ جاتی ہے۔ پیدا شدہ خلا کو پر کرنے کیلئے بخارات بھری بھاری ہوا میدانوں کی طرف لپکتی ہے۔ پھر ایک اور مرحلہ کہ بخارات تو تبھی ٹپکیں اگر ٹھنڈے ہوں۔ پہاڑ بنا دیئے کہ بخارات ان سے ٹکرا ٹکرا کر اوپر چڑھیں۔ یوں بارش کا انتظام کر دیا' لیکن یہ بھی ایک مشکل کہ بارش بعض اوقات ہو ہی نہیں پاتی' متبادل انتظام کے طور پر نہ صرف دریا اور نہروں کا جال بچھا دیا بلکہ زیرِ زمین پانی کے وافر ذخائر مہیا کر دیئے۔ پھر زمینی ذروں کو شعری حرکت (Capillary Movement) کی استعداد عطا کر دی تا کہ زیرِ زمین پانی خود چل کر پودے کی جڑوں تک پہنچے۔

پودے کو سانس بھی لینا ہوتا ہے۔ پانی بغیر تو شاید چند دن گزارا ہو جائے' سانس لیے بغیر تو فوراً پژمردگی طاری ہو جاتی ہے۔ خالقِ کائنات نے ہوا کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر زمین کے اردگرد میلوں تک ہوا کا غلاف چڑھا دیا ہے۔ پھر پودے کو محض ہوا کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اسے تو آکسیجن' ہائیڈروجن' کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دوسری کئی گیسوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہوا کی ساخت میں نہ صرف ان تمام گیسوں کو فراہم کر دیا بلکہ ان گیسوں کو یوں متناسب مقدار میں کر دیا کہ ہوا پودے کے لیے مسموم ہونے کی بجائے خوشگوار ہو۔

پودا ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا' اسے تو کسی جائے قرار کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ وسیع و عریض زمین فراہم کر دی کہ نہ صرف جائے قرار کا بندوبست ہو بلکہ پودے کی غذائی ضروریات پوری ہوں۔ غذا کا انتظام بھی اس تناسب کے ساتھ کیا کہ مختلف غذائی عناصر میسر تو ہوں لیکن اس مقدار میں کہ پودے کیلئے مضر نہ ہوں۔ یاد رہے تھور زدہ زمینیں اس لیے کھیتی باڑی کے قابل نہیں رہتیں کہ ان غذائی عناصر کا باہمی تناسب ناموزوں ہو جاتا ہے۔ پھر زمین کو پتھر کی طرح سخت نہیں بلکہ مسام دار بنایا گیا تا کہ جڑیں سانس لے سکیں۔ سیم زدہ زمینیں اس لیے قابلِ کاشت نہیں رہتیں کہ پانی کی وافر موجودگی جڑوں کو اس قابل نہیں رہنے دیتی کہ وہ بآسانی سانس لے سکیں۔ چونکہ

Marfat.com

زمین میں پودوں کی خوراک ہر لمحہ مطلوبہ مقدار میں تیار نہیں ہوتی اور اگر ہو تو فصلیں اگانے سے صرف ہوتی رہتی ہے لہٰذا زمین میں اَن گنت قسم کے بیکٹیریا پیدا کر دیئے تاکہ خوراک کے محلول کی سپلائی منقطع نہ ہو۔ یہ محلول اگر پتوں تک نہ پہنچے' جہاں سورج کی روشنی میں خوراک پکنا ہوتی ہے تو اس کی محض موجودگی کس کام کی؟ جڑوں' تنے اور شاخوں کو ایسی ساخت دے دی تاکہ بقدرِ ضرورت یہ محلول پتوں میں پہنچتا رہے۔

پوری کائنات میں اربوں نظام ہائے شمسی فراہم کر دیئے جن میں سے ایک وہ نظامِ شمسی ہے جس کا واسطہ ہم دنیا والوں سے ہے۔ اس نظامِ شمسی میں اربوں ستارے اور سیارے ہیں لیکن یہ سعادت صرف زمین کو حاصل ہے کہ زمین ان تمام ستاروں اور سیاروں کی توجہ کے مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی سیارہ حرارت و روشنی فراہم کرتا ہے تو کوئی خنکی و رطوبت' کوئی لیل و نہار لانے میں ممد و معاون ہے تو کوئی مدوجزر کا باعث بنتا ہے۔ ایک ہی زمین' ایک ہی شکل کا پودا لیکن پھلوں اور پھولوں کا رنگ مختلف' یہ رنگ کہاں سے آتے ہیں؟ مختلف سیارے ہی تو یہ کارنامہ سرانجام دیتے ہیں۔

اندازہ کیا آپ نے کائنات کا ذرہ ذرہ مصروف و مشغول ہے تو پودے کی صحت مندانہ نمو و پرورش میں۔ یہ سورج' یہ چاند' یہ ستارے' یہ سیارے' یہ سمندر' یہ پہاڑ' یہ پانی' یہ ہوا' یہ زمین' یہ نیلگوں آسماں ایک ایک لمحہ صرف کر رہے ہیں تو پودے کو لاڈ لڈانے میں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنے اہتمام اور اتنی محنتوں اور شفقتوں سے تیار ہونے والا پودا کس کے لیے ہے؟ ارض و سما حیران و ششدر کہ پودے کو یوں تیار کیا جاتا ہے تو اس مخلوق کیلئے کہ جسے اللہ تعالیٰ یاد کرتا ہے تو یوں کہ ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں'' اور پھر قسماً فرمایا تو یوں کہ ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا''۔

سوال کیا جاسکتا ہے کہ پودے پر صرف انسانی زندگی کا انحصار ہی نہیں' چرند پرند' حیوان وغیرہ زندہ و موجود ہیں تو پودے ہی کی وجہ سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پودے پر ہی یہ دوسری مخلوقات بڑھتی پلتی ہیں لیکن اس سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب دوسری مخلوقات بھی تو انسان ہی کیلئے ہیں۔ جیسے انسان چاہے' ان کو استعمال میں لائے۔ ہل چلانے کے لیے' سواری کیلئے'

Marfat.com

بار برداری کیلئے‘ دودھ حاصل کرنے کیلئے‘ اون حاصل کرنے کیلئے‘ حد تو یہ ہے کہ پیٹ بھرنے کیلئے گوشت درکار ہے تو انہیں ذبح کرے اور لذت لے۔ مچھلی کا گوشت‘ بٹیرے کا گوشت‘ بکری‘ دنبہ‘ گائے‘ بھینس‘ اونٹ وغیرہ کا گوشت‘ غرضیکہ جو من مانگے کھائے۔

اندازہ لگایا آپ نے رب کائنات نے پوری کائنات کو انسان کے قدموں میں ڈھیر کر رکھا ہے۔ عطا کیا تو اس قدر کہ اگر انسان اپنے رب کی نعمتوں کا شمار کرنا شروع کرے اور اپنی پوری حیات گنتا رہے تو خود ختم ہو جائے‘ نعمتوں کو شمار نہیں کر پائے گا۔ اسی حقیقت کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا:

''وہی اللہ ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا‘ پھر اس کے ذریعے سے تمہاری رزق رسانی کیلئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے۔ جس نے کشتی کو مسخر کیا تو تمہارے لیے کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو مسخر کیا تو تمہارے لیے۔ جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ جس نے وہ تمام کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو کر نہیں سکتے۔ حقیقتاً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے'' (ابراہیم: 34-32)۔

نتیجہ نکلا ہماری اس بحث کا تو یہ کہ پوری کائنات کی ہر مخلوق کو‘ خواہ وہ آسمان‘ زمین‘ سورج‘ چاند‘ ہوا‘ پانی‘ پہاڑ‘ سمندر غرضیکہ کسی صورت میں ہو اللہ تعالیٰ نے انسان کی جسمانی نشوونما اور ارتقاء میں لگا رکھا ہے۔ پھر انسان کی جسمانی ہی نہیں‘ روحانی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کی بعثت اور سماوی کتب کی تنزیل کی شکل میں ایسے ہی عظیم منصوبے کا بندوبست کیا۔ ان ہی ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ سورج‘ چاند‘ زمین‘ آسمان وغیرہ میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی کام (Assignment) دے رکھا ہے۔ بلا چون و چرا اسی الاٹ کردہ کام کو کئے جانا ہر مخلوق کی عبادت ہے۔ انسان کو بھی یقیناً کوئی کرنے کا کام دیا گیا ہے۔ بلکہ انسان یعنی جس لاڈلی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنا کر پوری کائنات اُسؐ کی خدمت میں لگا رکھی ہے‘ ظاہر ہے‘ اُسے جو کام کرنے کو دیا گیا ہے‘ وہ کام بھی انوکھا اور افضل ہونا چاہیئے۔ کچھ ایسا ہی ہے‘ پوری کائنات

Marfat.com

بشمول زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے لیکن ایک فرق کے ساتھ۔ جب کہ باقی کائنات پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت بلاواسطہ ہے' اللہ تعالیٰ کے اپنے کیے گئے فیصلے کے مطابق زمین پر اس نے اپنی حکومت قائم کرنے کا کام انسانوں کو دے رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ہر دوسری مخلوق کو انسان کیلئے مسخر کر رکھا ہے بلکہ اس انوکھی مخلوق کو وہ صلاحیتیں (Faculties) اور سہولتیں (Facilities) دے رکھی ہیں جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں دیں۔ بولنے' سننے' سمجھنے' فیصلہ کرنے اور سب سے بڑھ کر ایک مدت تک صوابدیدی اختیارات انسان کو دے رکھے ہیں تو اس لیے کہ ان صلاحیتوں اور توانائیوں کے بغیر انسان وہ عظیم کام سرانجام نہیں دے پاتا جو اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید کے جس رکوع میں "فی الارض خلیفہ" بنانے کا ذکر کیا اسی رکوع میں خلیفہ نے جو کارِ خلافت ادا کرنا تھا' اس کا بھی ذکر انسانوں کو زمین پر پہنچتے وقت کیا۔ فرمایا:

"ہم نے کہا کہ "تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے' ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔ اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے' وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے" (بقرۃ: 38-39)۔

یہ ہے انسان کو دیا جانے والا کام کہ انسانی زندگی کے معاشرتی' معاشی' عدالتی' تعلیمی غرضیکہ ہر دائرۂ کار میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ خالص قوانین نافذ ہوں' کسی فرد' پارلیمنٹ یا ڈکٹیٹر وغیرہ کے خودساختہ قوانین نافذ نہ ہوں۔ دوسرے لفظوں میں نظامِ خلافت قائم ہو۔

بنابریں' میرا' آپ کا' اس دنیا میں آنے والے ہر انسان کا فرضِ منصبی ہے کہ ہم وہی کام کریں جو انبیاءؑ نے کیا۔ خود محسنِ کائنات ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے تو دورِ جاہلیت تھا' دنیا سے تشریف لے گئے تو دورِ خلافت تھا' دورِ نبوت میں جو کام کیا گیا تو نظامِ خلافت قائم کرنے یا دوسرے لفظوں میں قرآن و سنت کے خالص قوانین نافذ کرنے کا۔ نوٹ فرمائیں' وقت کے اس موڑ پر ہم انسانوں کے کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم پوری دنیا کو اسلام کی مملکتِ واحدہ کی شکل دیں جس کا آئین قرآن و سنت ہو۔ اس کے مقابلے میں خودساختہ آئینی کتابچے بنا کر زندگیاں گزارنا بغاوت ہے۔

Marfat.com

عبادت و بغاوت

Marfat.com

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

Marfat.com

عبادت وبغاوت

قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق میں، آپ اور دنیا بھر کا ہر انسان آج ایسی دنیا میں ہیں جو دارالعمل اور دارالامتحان ہے۔ اس میں ہر انسان کو صوابدیدی اختیارات (Discritional Powers) اور آزادئ عمل (Freedom of Action) حاصل ہے۔ چاہے تو وہ نیکی کرے اور چاہے تو برائی، چاہے تو وہ اس دھرتی کو سنوارے اور چاہے تو بگاڑ پیدا کرے۔ چاہے تو قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارے اور چاہے تو ان کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر من مرضی کرے۔ چاہے تو اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک اور رازق و حاکم مانے اور چاہے تو ایسی ہستی کو ماننے سے انکار کردے۔ چاہے تو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قوانین کی پیروی کرے اور چاہے تو اپنے خود ساختہ قوانین پر عمل کرے۔

ایک دن البتہ آنے والا ہے جب میدانِ حشر میں اس دھرتی پر پیدا ہونے والے اگلے پچھلے تمام لوگ ہمہ تن گوش زندگی بھر کیئے گئے اعمال کا نتیجہ سننے کے منتظر ہوں گے۔ ہو کا عالم ہوگا سوائے کھسر پھسر کے کوئی آواز سنائی نہ دے گی (طٰہٰ: 108)۔ زمین وآسمان کا موجودہ نظام درہم برہم ہو چکا ہوگا۔ سورج اور چاند کو باہم ملا دیا جائے گا۔ اپنا جریدۂ اعمال پڑھنے سے پہلے ہر فرد خواہش رکھے گا کہ کاش اس کی کتابِ عمل سے ایسے اعمال برآمد ہوں جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور بنا بریں اس کی اپنی کامیابی کا باعث بنیں۔ اپنی اپنی کتاب پڑھنے کے بعد ناکام ہونے والوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوگی کہ ان کو عمل کرنے کی کچھ مزید مہلت مل جائے تاکہ اب کی باری وہ ہر ایسا کام کر کے اپنے رب کے پاس لوٹیں جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہو۔ اس کی یہ خواہش اسے ہمیشہ ہمیشہ تڑپاتی رہے گی لیکن قطعی بے سود، ایسا موقع تا ابد نہیں ملے گا۔ غیب کا پردہ اٹھنے کے بعد عمل کا کوئی سوال نہیں۔

Marfat.com

اس دنیا میں اگر کسی کو یہ کہہ دیا جائے کہ آپ نے عطا کردہ زندگی گزار لی' اب دس دن کے بعد آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں گے اور یہ بھی کہ ان دس دنوں میں کیے گئے اچھے اعمال آپ کے حساب کتاب میں شامل نہ ہوں گے تو ان دس دنوں میں اس شخص پر ایک ہی دھن سوار رہے گی۔ وہ بار بار اپنی زندگی بھر کی کارگزاری کا تجزیہ کرے گا یہ جاننے کیلئے کہ اس کے اعمال کی پوٹلی میں کیا کچھ ہے اور یہ کہ اسے کس انجام سے دوچار ہونا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر دوسری مخلوق کو انسان کیلئے پیدا کیا ہے۔ یہ ہوا' پانی' سورج' چاند' شبنم' چرند' پرند سب انسان کی خدمت میں مصروف ہیں۔ خود انسان کو اس دنیا میں پیدا کر کے محض حوادث کے حوالے نہیں کیا گیا کہ جیسے تیسے زندگی گزار دے۔ بلکہ ایک تو اسے اس دنیا میں بھیجتے وقت صاف صاف بتا دیا گیا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے مہیا کردہ قوانین کے مطابق زندگی گزارے بصورتِ دیگر اسے سخت سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ قرآن میں آیا:

''ہم نے کہا'' تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر میری طرف سے جو ہدایت تمہارے پاس پہنچے' تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے' ان کیلئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے' وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے (بقرۃ:38-39)۔

دوسرے پوری انسانی تاریخ پر انبیاءؑ و رسلؑ کی بعثت اور آسمانی صحیفوں کی تنزیل کا بندوبست کیا تا کہ ہر دور کے انسان کو اللہ تعالیٰ کے قوانین کی فراہمی ہوتی رہے اور تیسرے ہر انسان کے ساتھ نہ صرف اللہ تعالیٰ نے اپنا رہنا یقینی بنایا (بقرۃ:186) بلکہ ہر انسان سے سرزد ہونے والے اعمال کو ریکارڈ کرنے کیلئے فرشتوں کو بھی تعینات کر دیا (انفطار:10-12)۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا عمل کسی انسان کا ایسا نہیں جو ریکارڈ شدہ قیامت کے دن اس کے سامنے نہ رکھ دیا جائے (زلزال:6-8)۔ یاد رہے یہ انبیاءؑ و آسمانی صحیفوں کو وقفے وقفے سے اس لئے بار بار بھیجنا پڑا کہ گو اساسی دین اور اللہ کا پسندیدہ دین تو اسلام ہی تھا اور ہے لیکن شریعت

Marfat.com

میں وقت کے ساتھ تبدیلیاں آتی رہیں۔ مثال کے طور پر روزوں کا رکھنا تو اساسی ہے اور بنابریں دین لیکن روزوں کی تعداد' دورانیہ' روزہ رکھنے اور کھولنے کے اوقات میں وقتاً فوقتاً تبدیلی آتی رہی۔ دین اور شریعت میں یہ نازک سا فرق ہے۔ دین ایک ہے' شریعت میں تھوڑی بہت تبدیلی آتی رہی ہے۔

اوپر ذکر ہوا کہ انسان جب تک اس دنیا میں ہوتے ہیں دار العمل میں ہوتے ہیں جس کا دورانیہ موت آنے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اگلا مرحلہ یعنی آخرت کا وقوع دار الجزا کا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے اعمال ہیں جو کیئے جائیں تو آدمی اللہ تعالیٰ کے آخری فیصلے میں کامیاب قرار پاتا ہے اور کونسے ایسے اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور بنابریں اس کی ناکامی کا باعث بنتے ہیں۔ یہی وہ سوال ہے جس کا جواب انبیاءؑ اور آسمانی کتابوں نے دیا ہے۔ ہمارے اس دور میں اور تا قیامت چونکہ پیغمبر ہونے کا شرف صرف نبی کائناتﷺ یعنی محمد عربیﷺ کو حاصل ہے اور آخری کتاب چونکہ قرآنِ مجید ہے' لہٰذا ہم یہی سوال قرآن و سنت سے کرتے ہیں کہ ہم اس دنیا میں کیسے زندگی گزاریں اور کیا کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے آخری فیصلے میں کامیاب قرار پاکر اس سزا سے بچ جائیں؟

قرآنِ مجید نے اطیعو اللہ و اطیعو الرسول کو کامیابی کی کلید قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تبھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مہیا کردہ قوانین کی پیروی کی جائے اور اپنے خود ساختہ قوانین پر عمل نہ کیا جائے (بقرۃ: 38-39)۔ رسولﷺ کی اطاعت تبھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کی پیروی اسی طریقے' نہج' ڈھنگ اور جذبے سے کی جائے جس طریقے سے نبی رحمتﷺ نے ان قوانین کی پیروی کی۔ رسولﷺ کو نمونہ قرار دیا گیا ہے (احزاب: 21) قرآنِ مجید 114 سورتوں اور 6666 آیات پر مشتمل ہے جن میں کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ انسان کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ البتہ سورۂ ذاریات کی چند الفاظ کی ایک آیت میں عبادت کو انسان کی تخلیق یعنی اس کے اس دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

Marfat.com

''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی مقصد کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں'' (ذاریات:56)۔

یعنی مقصدِ تخلیقِ آدم ''عبادت'' ہے لیکن عبادت ہی کے مفہوم کو انسانوں نے سب سے کم سمجھا ہے۔ ظاہر ہے عبادت کے مفہوم کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنا ضروری ہے اس لئے کہ اس کے مفہوم کو سمجھنے اور سمجھ کر عمل پیرا ہونے میں انسان کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ کس قدر بدقسمت ہے وہ انسان کہ جو اپنے رب کے حضور حاضر ہوا اور وہاں اس پر منکشف ہو کہ اس نے اس کام کو سمجھا ہی نہ جو اس کی تخلیق کا مقصد تھا۔ وہ دنیا میں گیا لیکن جس مقصد کے حصول کے لئے گیا اس کو تو اس نے سمجھا ہی نہ۔ بنابریں میرے' آپ کے اور ہر انسان کیلئے اس سے اہم اور کوئی کام نہیں کہ ہم عبادت کے مفہوم کو سمجھ کر اس کی ادائیگی کا حق ادا کریں۔

عبادت کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ ایک انسان سے کیا جانے والا ہر کام' خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی' وہی ہو جسے اللہ تعالیٰ کرنے کو کہتا ہے اور وہ کام اس سے کبھی نہ ہو جسے اللہ پاک نہ کرنے کو کہتا ہے۔ پھر یہ کیا جانے والا کام لازماً اسی طریقہ سے کیا جائے جس طریقہ سے کہ رسول ﷺ نے کیا۔ اگر کسی کام کو کرنے کی نص قرآن وسنت میں نہ ملے تو پھر شوریٰ پر چھوڑے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جو اجتہاد شوریٰ کرے' اسی کے مطابق چلے۔ اگر کیا جانے والا کام یہ دو شرائط یعنی اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نہ ہو اور رسول ﷺ کے طریقے کے مطابق نہ کیا جائے یا دوسرے لفظوں میں اپنی یا کسی دوسرے فرد کی خواہش کی تکمیل میں کیا جائے تو یہ عبادت نہیں بغاوت قرار پاتا ہے۔ عبادت کا مطلب پورے کا پورا اسلام میں داخل ہونا ہے (بقرۃ:208) اور کسی انسان کا یہ پورے کا پورا اسلام میں ایک ہی طور داخل ہوا جا سکتا ہے کہ سنِ شعور سے لیکر اپنے آخری سانس تک جب بھی کوئی کام کرے تو بھلائی کیلئے کرے' برائی کے لئے کبھی نہیں۔ اس کو ہم یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ جب بھی انسان کے جسم کا کوئی عضو بمثل زبان' کان' آنکھ' ہاتھ' پاؤں وغیرہ حرکت کرے تو اس حرکت سے نیکی سرزد ہو' برائی کبھی نہیں۔ یہ نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی قرار دینے کا

Marfat.com

اختیار بھی صرف اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے' کسی دوسرے کو نہیں۔ قرآن و سنت میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے۔ انسانی جسم کے کسی بھی عضو کی ہر حرکت نیکی ہوتی ہے یا برائی' تیسری کوئی چیز نہیں۔ البتہ ایک مومن کے جسم کی ہر حرکت چونکہ قرآن و سنت کے مطابق ہوتی ہے لہٰذا وہ ایک چلتا پھرتا قرآن ہوتا ہے۔ اس کا بولنا' چپ رہنا' سونا' جاگنا' اٹھنا' بیٹھنا' لڑنا' صلح کرنا غرضیکہ ہر عمل قرآن و سنت کے مطابق ہونے کی بنا پر وہ محض قاری نہیں' اپنی ذات میں قرآن ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے' حقیقت میں ہے قرآن

انبیاءؑ کی تعلیمات کو بدیر یا سویر پسِ پشت ڈالتے ہوئے انسانوں نے اکثر و بیشتر عبادت ہی کو خود ساختہ بلکہ خود غرضیانہ مفہوم پہنائے ہیں۔ کرتے یہ رہے کہ پہلے تو مذہب کو سیاست سے علیحدہ کیا۔ پھر مذہب کو محض ایک انفرادی معاملہ قرار دیا۔ پھر مزعومہ عبادت کو ہفتے میں ایک بار' مہینے میں ایک بار' سال میں ایک بار' عمر میں ایک بار چند مراسمِ عبودیت تک محدود کر کے سمجھ لیا کہ بس عبادت کا حق ادا ہو گیا۔ یعنی ہوا یہ کہ زندگی کا تقریباً 99.9 فیصد وقت ویسے ہی دائرۂ عبادت سے باہر کر لیا بلکہ کلیسا کے ستائے ہوئے لوگوں نے مذہب کو ایک دھوکا اور فریب قرار دیتے ہوئے بزعمِ خویش اس سے 100 فیصد نجات حاصل کر لی۔

ہم آج کے مسلمان ایسا تو یقیناً نہیں کر پائے۔ قرآن کے اس حکم کی موجودگی میں کہ ''پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ'' کھلم کھلا ایسا انحراف کیسے کر سکتے تھے۔ البتہ شعوری یا غیر شعوری طور پر وہی مقصد یعنی دینِ اسلام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خاطر سیدھے کی بجائے الٹا کام پکڑا۔ ہمارے ہاں جب خلافت کا نظام درہم برہم ہو گیا اور اجتہاد کرنے والے ادارے شورٰی کا وجود نہ رہا تو کچھ نیک منش لوگوں نے فقہ کا بڑا قیمتی کام کیا۔ لیکن باوجود اس کے کہ یہ ایک مخلصانہ کاوش تھی' اس کے کچھ دور رس منفی اثرات بھی مرتب ہوئے۔ ہمارے ہاں یہ جو مالکی' حنفی'

Marfat.com

شافعی، حنبلی وغیرہ فرقے پائے جاتے ہیں اسی فقہی کام کا نتیجہ ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں یہ جو اعتقادات، عبادات اور معاملات کی فقہی تقسیم ہوئی، اسی کام کی وجہ سے ہے جو بہر حال ایک انسانی کام تھا۔ قرآن وسنت میں ایسی کوئی تقسیم نہیں ملتی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اچھا عقیدہ رکھنا اور اچھا معاملہ کرنا کیا عبادت نہیں؟ اس میں کیا شک کہ قرآن وسنت کے ماوراء اس تین خانوں کی مصنوعی تقسیم نے پورے دین کو ہی تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ سخت نقصان پہنچا ہے اللہ و رسول ﷺ کے عطا کردہ اسلام کو اعتقادات، عبادات اور معاملات میں تقسیم کر کے۔ ذیل میں ہم نقصانات کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں:

☆ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان سے سرزد ہونے والا کوئی عمل ایسا نہیں کہ جس پر لفظ عبادت کا اطلاق نہ ہوتا ہو بشرطیکہ وہ عمل قرآن وسنت کے مطابق ہو۔ نماز بھی عبادت ہے تو بال بچوں کی جائز ذرائع سے اعلیٰ پرورش کرنا بھی عبادت ہے۔ اپنے فرائضِ منصبی کو بطریقِ احسن ادا کرنا بھی عبادت ہے تو اپنے زیرِ سایہ ملازمین کے حقوق ادا کرنا بھی عبادت ہے۔ صاف ستھرا رہنا بھی عبادت ہے تو تنگدستوں کی مدد کرنا بھی عبادت ہے۔ نظامِ خلافت کو قائم کرنا اور قائم رکھنا بھی عبادت ہے تو حسنِ سلوک سے پیش آنا بھی عبادت ہے۔ وقت کی پابندی کرنا بھی عبادت ہے تو عہد کی پابندی کرنا بھی عبادت ہے۔ لیکن ازمنہ متاخرہ میں اعتقادات وعبادات ومعاملات کی مصنوعی تقسیم کے در آنے سے مسلمانوں نے یہ گمان کرلیا کہ اگر وہ نماز روزہ وغیرہ، جسے ہی انہوں نے عبادت گردانا، پر عمل پیرا ہوں اور معاملات میں دینِ اسلام کی بجائے کسی اور نظام کو اختیار کرلیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی سوچ اور گمان کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت آج جمہوریت، آمریت اور اشتراکیت وغیرہ سے بے چون و چرا سمجھوتا کیئے ہوئے ہے۔ بیشتر علماء کرام تک جمہوریت، جمہوریت کی گردان صبح وشام کرتے نہیں تھکتے۔ ہمارے ہاں ملکِ عزیز پاکستان میں بظاہر دینِ حق کے علمبردار یہ کہتے ہوئے مل جائیں گے کہ ہمیں آمریت نہیں، جمہوریت چاہیے۔ بھول گئے یہ لوگ کہ آمریت ہو یا جمہوریت دونوں انسان

Marfat.com

ساختہ اور طاغوتی نظام ہیں۔ عبادت کا مفہوم نظامِ حکومت پر بھی حاوی ہوتا ہے' خلافت عبادت ہے تو جمہوریت بغاوت۔

ہمارے ہاں مسلمانوں کی ایک وافر آبادی اکثر یہ کہتی سنی جاتی ہے کہ نماز اپنی جگہ اور پیٹ اپنی جگہ۔ ہم ان مسلمانوں کی بات نہیں کرتے جو نماز نہیں پڑھتے اور روزے نہیں رکھتے۔ ان کا معاملہ تو اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ چارو ناچار مسلمان گھرانوں میں پیدا ہو گئے اور ان کے نام مسلمانوں کے سے ہیں۔ ہم ان مسلمانوں کی بات کرتے ہیں جو باقاعدہ پانچوں نمازیں ادا کرتے اور بہ اہتمام روزے رکھتے ہیں۔ ان نمازیوں اور روزے داروں کی اکثریت اپنے دین کو مسجد کی چاردیواری تک محدود رکھتی ہے۔ ان کے گھر' ان کی دوکان' ان کے کھیت' ان کے ایوان میں من مرضی اور خود غرضانہ خواہشات کا دور دورہ ہے۔ وہ رشوت کھانے' ملاوٹ کرنے' ذخیرہ اندوزی کرنے' جھوٹ بولنے' کم تولنے وغیرہ سے قطعاً نہیں چوکتے۔ وہ مشروع چہرے والے اور تسبیح بردار بھی ہوتے ہیں' نہیں ہوتے تو صاحبِ کردار۔ ان کے غلط تصورِ عبادت نے عوام الناس کے ایک اچھے خاصے طبقے کو دینِ حق سے متنفر کر دیا ہے۔

☆ اسلام کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ یہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لاتا ہے۔ اسلام کے پانچ ارکان یعنی کلمۂ توحید' نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس رکن یعنی کلمۂ توحید کو سرِفہرست رکھا ہے اس پر عمل نہ ہو تو باقی چاروں ارکان کی ادائیگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ بجا کہا علامہ اقبالؒ نے جب فرمایا "ایسی نماز سے گزر' ایسے امام سے گزر"۔ سرِفہرست رکھا جانے والا رکن یعنی کلمۂ توحید بڑے واضح اور دوٹوک الفاظ میں جو پیغام دیتا ہے وہ یہ کہ الوہیت' ربوبیت اور حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہیں۔ عبادت کا صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہونے کا مطلب یہی ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ زندگی کے کچھ اوقات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور کچھ اوقات میں کسی غیر اللہ کی۔ وہ اللہ کے اس اقرار کو بے معنی قرار دیتا ہے جس اقرار کے ساتھ طاغوت کا قطعی انکار نہ ہو۔ قرآن میں برملا آیا کہ "اللہ کی عبادت کرو اور

Marfat.com

طاغوت کی بندگی سے بچو (نحل:36)"۔وہ لا الٰہ کو پہلے لاتا ہے تو الا اللہ کو بعد میں۔ نماز روزے ہی کو عبادت سمجھنے والے اور معاملاتِ زندگی میں کسی اور کی پیروی کرنے والے سخت غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ بندوں کی غلامی سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی غلامی میں آتے ہی نہیں۔ دو کشتیوں پر پاؤں رکھنے والوں کا مقدر سوائے غرقابی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

☆ اس دنیا کی زندگی کے کسی بھی موڑ پر بڑے بڑے دو گروہ ہوتے ہیں۔ ایک حزب اللہ اور دوسرے حزب الطاغوت یا حزب الشیطان۔ یہ بھی کہ حزب اللہ انتہائی اقلیت میں ہوتے ہیں تو حزب الطاغوت انتہائی اکثریت میں۔ حزب اللہ تو ظاہر ہے وہ ہوتے ہیں جو پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ حزب الطاغوت کے البتہ کئی روپ (Shades) ہیں' ان میں سے دو بڑے نمایاں ہیں۔ ایک وہ جو قرآن و سنت کی طرف آتے ہی نہیں یا آتے ہیں تو آدھے پونے اور دوسرے وہ جو قیادت پر مسلط ہو کر ان قرآن و سنت کی طرف نہ آنے والوں پر اپنے یعنی خود ساختہ قوانین نافذ کرتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر وہ الٰہ بن بیٹھتے ہیں۔ یہ الٰہ بن بیٹھنے والے ہوتے تو انتہائی اقلیت میں لیکن اپنی پوزیشن کے حساب سے بڑے مؤثر اور متمکن ہوتے ہیں۔ تاریخ میں نمرود' فرعون' قارون' ہامان' راہب' ابولہب' زار' پنڈت' پروہت' پادری' پوپ اور ان گنت قسم کے ایسے مذہبی پیشوا پائے جاتے ہیں جنہوں نے بندہ بن کر رہنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنی پوزیشن کا بیجا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی خواہشات و خود ساختہ قوانین کو دوسرے بندوں پر مسلط کیا۔ بنا بریں یہ اسی طرح طغیان کا شکار ہوئے جس طرح دریا اپنی حدود سے نکل کر طغیانی کی شکل اختیار کرتا ہے۔ ایسے ہی نا ہنجاروں کو قرآنِ مجید "طاغوت" یعنی وہ جو اللہ کی عبادت کرنے کی بجائے خود اپنے جیسے انسانوں کے معبود بن کر ان کا استحصال کرتے ہیں' کا نام دیتا ہے۔ حزب الطاغوت کے یہ دونوں گروہ یعنی وہ جو ان غیر اللہ کی عبادت کرتے رہے اور وہ جو ان پر مسلط ہو کر معبود بنے رہے انتہائی خسارے میں ہوں گے۔ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے جہنم رسید ہوں گے۔ وہ جو طاغوت ٹھہرے آخرت میں دوہرا عذاب بھگتیں گے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ خود گمراہ تھے اور

Marfat.com

دوسرے اس لئے کہ کئی دوسروں کو گمراہ کرتے رہے۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''جس روز ان کے چہرے آگ پر الٹ پلٹ کئے جائیں گے اس وقت وہ کہیں گے ''کاش ہم نے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی'' اور کہیں گے ''اے ہمارے رب' ہم نے اپنے سرداروں اور وڈیروں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بے راہ کر دیا۔ اے ہمارے رب' ان کو دوہرا عذاب دے اور ان پر سخت لعنت کر'' (احزاب: 66-68)۔

ظاہر ہے کہ یہ عذاب در عذاب کی صورتِ حال پیدا ہوئی تو غلط تصورِ عبادت کی وجہ سے۔

☆ یہ اللہ اور غیر اللہ کی عبادت بالانجام نظامِ ہائے زندگی کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ یہ جو ہمارے ہاں جمہوریت' آمریت' اشتراکیت جیسے نظامِ ہائے زندگی پائے جاتے ہیں کچھ عیار بندوں نے اپنے بنائے ہوئے قوانین پر مبنی یہ نظام دوسرے انسانوں پر مسلط کر رکھے ہیں۔ ان کو وضع کرنے والے ہی ظاہر ہے طاغوت ہیں۔ اور وہ جو ان نظاموں سے سمجھوتا کر کے زندگی گزارتے ہیں وہی ہیں جو قیامت کو ان طاغوتوں کیلئے دوہرے عذاب کی مانگ کریں گے۔ ان کے مقابلہ میں ایک نظام ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مہیا کردہ قوانین پر مبنی ہے۔ قرآن وسنت اسے خلافت کا نام دیتے ہیں۔ بڑا مشکل کام ہے نظامِ ہائے باطل کو ملیامیٹ کر کے ان کی جگہ نظامِ خلافت قائم کرنا۔ حقیقتاً بہت ہی مشکل کام تھا جو اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کے ذمے لگایا۔ لیکن جتنا یہ مشکل کام ہے ان کے کرنے والوں کا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا ہی اونچا مقام ہے۔ السابقون الاولون وہی قرار پاتے ہیں۔ عظیم لوگ ہیں آج بھی وہ لوگ جو بندوں کے بنائے ہوئے باطل نظاموں کی جگہ نظامِ خلافت کو لانے کے درپے ہیں۔

نظامِ ہائے باطل کو قائم کرنا اور قائم رکھنا بھی کوئی آسان کام نہیں' بڑا محنت اور ہمت طلب کام ہے دوسروں پر مسلط ہونا۔ برادر سید قطب شہید اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں ایک جگہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Marfat.com

''ایک اہم صفت اور علامت تمام طاغوتی قوتوں کے اندر پائی جاتی ہے۔ دنیا میں کوئی حکمران جب کسی جگہ اپنا طاغوتی نظام قائم کرتا ہے تو وہ لوگوں کو اپنی حکومت اور نظام کی اطاعت پر مجبور کرنے کیلئے اور لوگوں کو اپنا صحیح بندہ اور غلام بنانے کے لئے زمین پر ہر قسم کے اختیارات اور تمام قوتیں اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ تب ہی لوگ مجبور ہوتے ہیں کہ اس کی اطاعت کریں اور اس کی ذات کو الٰہ کا مرتبہ دیں۔ یہ شخص پھر ایسے متبعین اور ایسے حاشیہ نشینوں کا محتاج ہوتا ہے جو ہر وقت اس کے گن گاتے رہتے ہیں اور اس کی تعریفیں اور حمد و ثنا کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اس کی شخصیت کو بڑھاتے ہیں اور یہ بونا شخص ایک عظیم ذات نظر آتا ہے۔ یہ لوگ ہر وقت اس الٰہ کی ذات میں غبارے کی طرح ہوا بھرتے رہتے ہیں۔ اس کی تعریف اور تمہید کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں، لوگ جمع ہوتے ہیں اور میڈیا اور مختلف وسائل و ذرائع سے اس کی شخصیت کا رعب ذہنوں میں بٹھایا جاتا ہے۔ اس طرح ایک کمزور شخص سے لوگوں کو ڈرا ڈرا کر اسے الٰہ بنا دیا جاتا ہے۔

شخصیت پرستی کا یہ ڈھول رات دن بجایا جاتا ہے اور اس کیلئے یہ اَن تھک جدوجہد جاری رہتی ہے، ورنہ اس کمزور شخصیت کے غبارے سے ہوا نکلتی رہتی ہے۔ اس لئے اس کی شخصیت کا امیج قائم رکھنے کیلئے مختلف وسائل و ذرائع رات دن لگے رہتے ہیں۔ حمد و نعت کا ایک دور اور اسلوب ختم ہوتے ہی دوسرا دور اور اسلوب شروع کر دیا جاتا ہے۔ اور اس جھوٹے الٰہ کی خدائی کا رعب بٹھانے کیلئے مسلسل نئے نئے طریقوں سے جدوجہد شروع ہوتی رہتی ہے۔

اس راہ میں انسانی ذات کا ضیاع ہوتا ہے۔ جان و مال کی قربانی بھی دی جاتی ہے، لوگوں کی عزت اور ناموس لٹتی ہے۔ یہ وسائل اور قربانیاں اگر ملک کو ترقی دینے میں صرف کی جاتیں تو ملک کے اندر تعمیر و ترقی میں اضافہ ہوتا اور لوگوں کیلئے ضروری پیداوار بھی بڑھتی اور لوگوں کے لئے خیر کثیر جمع ہوتی۔ لیکن انسانی قوتوں کا یہ ضیاع یوں ہی جاری رہے گا جب تک لوگ غیر اللہ کی غلامی اور حاکمیت کا جوا گردنوں سے اتار کر پھینک نہیں دیتے اور ان طاغوتی الٰہوں کی بجائے الٰہ العالمین کی غلامی میں داخل نہیں ہو جاتے'' (یعنی عبادت کو اس کے صحیح تناظر میں نہیں لیا

Marfat.com

جاتا)۔

☆ نظامِ باطل میں خود عبادت کے کئی روپ (Shades) آ دھمکتے ہیں۔ عبادت کی آڑ میں اللہ و رسول ﷺ کے احکامات کی دھجیاں بکھیری جاتی ہیں۔ پیٹ پوجا کی دوکانیں سجتی ہیں۔ مزار بنتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں' مرید لٹتے ہیں' پیر بنتے ہیں۔ پتھروں کے بتوں کی جگہ نسل' خاندان' قوم' وطن' برادری' آستانے' پیداوار' جی ڈی پی وغیرہ کے بت آ دھمکتے ہیں۔ ان مصنوعی بتوں کے راگ صبح و شام الاپے جاتے ہیں۔ جھنڈے لہرائے جاتے ہیں۔ ترانے گائے جاتے ہیں۔ ڈھول بجائے جاتے ہیں۔ جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ ریلیاں نکلتی ہیں۔ سوختہ بختی یہ کہ سب خرافات ہوتی ہیں تو عبادت کی آڑ میں۔ اپنی قوم کی برتری قائم کرنے اور رکھنے کی خاطر طاقتور اقوام' کمزور اقوام پر چڑھ دوڑتی ہیں۔ دنیا بھر کے مجموعی بجٹ کا وہ حصہ جو انسانیت کو سنوارنے کیلئے استعمال ہوتا ہے اس حصے کا عشر عشیر بھی نہیں جو انسانیت کی تباہی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ پھر غیر اللہ کی خدائی میں بودے' بزدل' بے ہنگم اور بے اصولے انسان پیدا ہوتے ہیں۔ انسانی اقدار ملیامیٹ ہو جاتی ہیں۔ جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہوتی ہے۔ انسانیت رسم و رواج اور اوہام و خرافات کی دلدادہ ہو جاتی ہے۔ کاہنوں' پجاریوں' فنکاروں' اداکاروں' کھلاڑیوں' جنوں' بھوتوں' طبلہ بازوں اور فاحشہ عورتوں کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ فحاشی فیشن کا روپ دھار لیتی ہے۔ سود خوار ساہوکار بن جاتے ہیں۔ ڈاکو بہادر قرار پاتے ہیں۔ راشی جی دار گردانے جاتے ہیں۔ ناچا جاتا ہے' گایا جاتا ہے' سریں لگائی جاتی ہیں' قوال آ دھمکتے ہیں اور یہ سب کچھ عبادت کی آڑ میں۔

☆ انسان کی تخلیق ایسی ہے کہ اس نے کسی نہ کسی کا غلام ضرور ہونا ہوتا ہے۔ اللہ کی غلامی اختیار نہ کرے گا' تو لازماً اپنے نفس یا ارد گرد کے نفوس کی غلامی اختیار کرے گا۔ جونہی انسان اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے نکل آتا ہے' معاً کوئی نہ کوئی غیر اللہ اس پر سوار ہو جاتا ہے۔ یہ غیر اللہ اس کا اپنا نفس بھی ہو سکتا ہے' کوئی فردِ واحد بھی' افراد کا کوئی گروہ بھی اور تمام جمہور یعنی عوام

Marfat.com

الناس مجموعی طور پر بھی۔ انسان کے لئے اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی خودی اور انسانیت کھو بیٹھے اور اس حیوان کی سطح پر آ جائے جسے جب کوئی چاہے جدھر کو ہانک کرلے جائے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پر انسان جھوٹے روابط و تفاخر کا سہارا لیتا ہے۔ خود کو پہنچا ہوا اور لوگوں کی قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کا دعوے دار ہو جاتا ہے۔ کسی بڑے گھر کا نمائندہ ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ بڑے بڑے اجتماعات کر کے اپنی حیثیت منواتا ہے۔ خود ماڈرن' فیشن ایبل اور زمانے کے مطابق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ دوسروں کو قدامت پسند اور رجعت پسند قرار دیتا ہے۔ اعلیٰ نسل اور خاندانی ہونے کا ڈھنڈوڑا پیٹتا ہے۔ کتنا دور ہوتا ہے اسلام سے' اسلام تو محمود و ایاز کو ایک صف میں کھڑا کرتا ہے۔ وہ سلمان فارسی' صہیب رومی' بلال حبشی کو امتِ فارسیہ' امتِ رومیہ اور امتِ حبشہ کے افراد قرار نہیں دیتا بلکہ سب کو ایک امت یعنی امتِ مسلمہ کے افراد قرار دیتا ہے۔ یاد رہے غزوۂ تبوک کے علاوہ رسول ﷺ نے دو معرکے رومن امپائر سے کئے۔ ایک معرکۂ موتہ اور دوسری وہ آخری فوجی مہم جو رسول ﷺ نے اپنی رحلت سے کچھ ہی پہلے روانہ کی اور جو دورِ ابو بکر صدیقؓ کی پہلی مہم بھی قرار پائی۔ معرکۂ موتہ کی سپہ سالاری اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثؓ کے سپرد کی تو آخری فوجی مہم کا سپہ سالار اسامہ بن زید بن حارثؓ کو بنایا۔

خلاصہ کلام

دینِ اسلام ایک کل ہے۔ اس کے حصے بخرے کر کے اسے اعتقادات' عبادات اور معاملات جیسے خانوں میں اسی طرح تقسیم نہیں کیا جا سکتا جس طرح کہ انسانی جسم کو۔ دل' دماغ' جگر وغیرہ کو ایک ہی صورت میں تقسیم کیا جا سکتا ہے کہ خود جسم کا وجود نہ رہے۔ انسان سے سرزد ہونے والا کوئی عمل ایسا نہیں' خواہ وہ عقیدے کے متعلق ہو' نماز کے متعلق ہو یا اچھے معاملے کے متعلق کہ جس پر لفظ عبادت کا اطلاق نہ ہوتا ہو۔ اگر ہمارا تصورِ عبادت صحیح رہتا تو ہم پر آمریت' جمہوریت جیسے باطل نظام کبھی مسلط نہ ہوتے۔ عبادت کو صرف نماز روزے وغیرہ تک محدود کرنے نے ہمارے دین ہی کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ غلط تصورِ دین کی وجہ سے مسلمانوں نے ایک مرحلہ پر پہنچ کر یہ گمان کر لیا کہ اگر وہ نماز روزے جیسے مراسمِ عبودیت اختیار کئے رکھیں تو حقِ عبادت ادا ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔ معاملات میں اگر وہ کسی ایسے نظام کو اختیار کرلیں کہ جن کا ماخذ قرآن وسنت نہیں تب بھی وہ مسلمان رہ سکتے ہیں حالانکہ ایسا باغیانہ رویہ صرف ایک صورت میں اختیار کیا جاسکتا ہے کہ انسان اسلام کے قلادے کو اتار پھینکے۔ مختصراً یہ کہ:

۱۔ عبادت کو محض نماز روزے جیسے چند مراسمِ عبودیت تک محدود کرنا غلط تصورِ عبادت ہے۔ غیر اللہ کی حاکمیت سے بے چون وچرا سمجھوتا کئے رکھنا منافقت ہے خواہ نماز روزے کی بہ اہتمام پابندی کی جارہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرنا اور قائم رکھنا اصل عبادت ہے۔

۲۔ قرآن وسنت پر ہمہ تن اور ہمہ جہت مبنی نظامِ خلافت عبادت ہے تو آمریت و جمہوریت جیسے بندوں کے خودساختہ نظاموں کا تسلط بغاوت ہے۔

۳۔ توحید صرف الوہیت ہی میں نہیں، حاکمیت و ربوبیت میں بھی ہے۔ طاغوت کا انکار (لا الٰہ) پہلے ہے تو اللہ کا اقرار (الا اللہ) بعد میں۔

ہماری ان گزارشات سے شاید کسی بھائی کو اتفاق نہ ہو اس لئے کہ نظامِ خلافت سے صدیوں پر محیط ہمارے انحراف نے آہستہ آہستہ ہمارے ذہنوں کو بھی ملاوٹ زدہ کردیا ہے۔ ایسے ہی مواقع پر قرآنِ مجید میں وہ بار بار دہرائی گئی آیتِ مبارکہ فیصلہ کن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو"۔ سورۂ ذاریات میں انسان کی تخلیق کا مقصد "عبادت" بیان ہوا ہے نیز سورۂ ہود ان سورتوں میں سے ایک سورت ہے جسمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے متعدد انبیاءؑ کی زبان سے کہلوایا تو یہ کہ "یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ"۔ یعنی اے برادرانِ قوم، اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (ہود: 84'61'50)۔ پھر اسی سورہ میں تاکیداً مثبت انداز میں فرمایا تو یہ کہ "عبادت کرو صرف اللہ تعالیٰ کی (ہود: 2)۔ یہ دونوں سورتیں یعنی سورۂ ذاریات اور سورۂ ہود مکی سورتیں ہیں اور ان کا نزول اس وقت ہوا جب ابھی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یعنی وہ روایتی مراسمِ عبودیت جنہیں ہی ہم عبادت سمجھ بیٹھے ہیں ابھی فرض ہی نہ ہوئے تھے۔ پہلی مسجد نبوی تو مدینہ پہنچ کر اور روزہ، زکوٰۃ، حج فرض ہوئے تو مدینہ ہی میں اس وقت جب ایک اسلامی ریاست قائم ہونے پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی و حاکمیت قائم ہو چکی۔ ظاہر ہے مکہ میں اس وقت جب ابھی نماز،

Marfat.com

روزہ، زکوٰۃ اور حج فرض نہیں ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کا بار بار یہ فرمانا کہ اللہ کی عبادت کرو، یہ معنی رکھتا تھا کہ بندوں کی حکمرانی کا قلع قمع کر کے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرو اور ایسا ہی کیا گیا۔ مکی دورِ نبوت میں یہ اسی عبادت کی جدوجہد تھی کہ جس کے نتیجہ میں اس دور کے اختتام پر اسلامی ریاست کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم ہوگئی۔ نماز روزہ تو اصل میں فرض ہی اس وقت ہوتا ہے جب اللہ کی حاکمیت یا نظامِ خلافت قائم ہو جائے۔ قرآن میں آیا:

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں جب ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے منع کرتے ہیں۔ اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے'' (حج: 41)۔

اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ قیامِ نظامِ خلافت کو اولیں حیثیت حاصل ہے تو نماز، روزے وغیرہ کو ثانوی اس لئے کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ جیسی عبادت کما حقہ، ادا ہی اس وقت ہوتی ہیں جب نظامِ خلافت یا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم ہو چکی ہو۔ اسلام کے پانچ ارکان میں کلمۂ طیبہ کو اسی لئے سرِ فہرست لایا گیا۔

نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج پر کلمۂ توحید کو ترجیح دی گئی تو کیوں؟ اس لئے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرنے اور طاغوت کی حاکمیت کے قلع قمع اصل عبادت کو لازم قرار دیتا ہے۔

Marfat.com

آپ بھی صرف ''مسلمان'' کیوں نہیں بنتے؟

Marfat.com

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

Marfat.com

آپ بھی صرف ''مسلمان'' کیوں نہیں بنتے؟

(قرآنی تعلیمات کی روشنی میں یہودیت' عیسایت اور دورِ حاضر کی امتِ مسلمہ کے فرقوں کا جائزہ)

مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ تمام انبیاءؑ پر ایمان لائیں اور بیشک حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاءؑ مسلمان تھے۔ ان کے سچے پیروکار بھی مسلمان تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیشتر انبیاءؑ کی امتوں نے اپنے لئے کسی اور نام کا انتخاب کرلیا مثلاً حضرت موسیٰؑ کے پیروکاروں نے اپنے مذہب کیلئے ''یہودیت'' کا نام پسند کیا اور حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں نے ''اسلام'' کو مسیحیت میں بدل دیا۔ یہودیت مزید کئی فرقوں میں بٹ گئی اور مسیحیت کے فرقوں کا تو شمار ہی نہیں۔ دونوں مذاہب جن کا اصل نام ''اسلام'' ہی تھا اب ان کے پیروکار نہ صرف یہ کہ اپنے انبیاءؑ کے دین ''اسلام'' کا اصل نام بھول چکے ہیں بلکہ ''اسلام'' کے بدترین دشمن بن چکے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے بعض پیروکاروں نے بھی یہودیوں اور عیسائیوں کے راستے کو پسند کرلیا اور مسلمان ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اپنی مذہبی شناخت کیلئے دوسرے نام چن لئے۔ آج وہ لوگ نہایت قلیل تعداد میں ملیں گے جو اپنی مذہبی شناخت بطور مسلمان کراتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور شیطان کی بدترین ناکامی کہ فرقوں کے بانی من حیث الامت ''اسلام اور مسلم'' کا نام تبدیل نہ کرسکے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام اور مسلمانوں کو ''محمڈن ازم اور محمڈنز'' میں بدلنے کی سرتوڑ کوشش کی مگر وہ ناکام رہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا کلام محفوظ رہا' اسی طرح اس امت اور اس کے دین کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے۔ مگر شیطان اس حد تک ضرور ورغلانے میں کامیاب رہا کہ امتِ مسلمہ کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے مسلمانوں نے اپنی شناخت اب شیعہ' دیوبندی' بریلوی' اہلِ حدیث' نقشبندی' قادری' سہروردی' حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی وغیرہ وغیرہ کے ناموں سے اختیار کرلی ہے۔ اب جب بھی کوئی مسلمان کسی

Marfat.com

دوسرے شخص سے اس کی مذہبی شناخت پوچھتا ہے تو یوں مکالمہ ہوتا ہے:

☆ آپ کا مذہب؟

...... مسلمان ہوں۔

☆ میرا مطلب تھا کہ آپ کا مسلک؟

...... اہلِ سنت مسلمان ہوں۔

☆ کھل کر بتائیں کہ کون سے اہلِ سنت' دیوبندی یا بریلوی یا اہلِ حدیث؟

...... میں صرف مسلمان ہوں۔

☆ تو آپ وہابی ہوئے نا؟

...... نہیں بھائی صرف مسلمان۔

☆ تو پھر مودودیے کہیے نا؟

...... میں نے کہا کہ صرف مسلمان

☆ آپ سے بحث فضول ہے' آپ وہابی ہیں یا پھر مودودیے' اپنے مسلک کو بلاوجہ چھپا رہے ہیں۔

مجھے تو اکثر و بیشتر ایسی ہی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بہت سے میرے دوست جو اپنے آپ کو صرف مسلمان کہلوانا پسند کرتے ہیں' ان کا بھی یہی کہنا ہے' کوئی یقین کرنے کو ہی تیار نہیں کہ اسلام کا کوئی پیروکار صرف مسلمان بھی ہو سکتا ہے۔

مساجد کی شکل وصورت کی عمارتوں کو دیکھیں تو وہاں بھی صورتِ حال ایسی ہی ہے۔ اب حقیقی معنوں میں مساجد کم ہی ہیں اور مساجد کی شکل کی زیادہ تر عمارتیں دیوبندیوں' بریلویوں' اہلِ حدیثوں' شیعوں اور دوسرے فرقوں کی عبادت گاہوں کا روپ دھار چکی ہیں۔ اس سلسلہ میں میری کئی علماء سے گفتگو ہوئی اور میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے کہ وہ اپنی شناخت ''مسلمان'' کے بجائے بطور حنفی دیوبندی' حنفی بریلوی' قادری بریلوی یا اہلِ حدیث کے

Marfat.com

طور پر کرائے؟ سب کے پاس دلائل ہیں اور ایسے دلائل کہ قرآن کی آیات بھی ان کے سامنے لاجواب ہو جاتی ہیں۔ زیادہ تر نے اپنے مؤقف کے حق میں قرآنِ مجید کی سورۂ الحجرات کی آیت نمبر 13 پیش کی جس میں کہا گیا ہے کہ ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو''۔ فرقوں اور مسلکوں کے جواز میں یہ آیت پیش کرنا ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ''قبیلوں اور قوموں'' کی طرح مسلکوں اور فرقوں کو بھی شناخت کا درست طریقہ وذریعہ تسلیم کرتا تو ضرور فرمادیتا کہ ''ہم نے تمہیں دینِ اسلام دیا' پھر فرقوں اور مسلکوں میں تقسیم کر دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو'' مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے تو فرقوں میں تقسیم ہونے سے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تو کسی بھی نبی کی امتِ مسلمہ میں فرقوں اور مسلکوں کی پیدائش کو پسند ہی نہیں کیا۔ قرآن تو واضح طور پر فرماتا ہے:

''ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے (امتِ واحدہ) پر تھے (پھر یہ حالت نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے' اور ان کے ساتھ کتابِ برحق نازل کی تا کہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے' ان کا فیصلہ کرے (اور ان اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابتدا میں ان کو حق بتایا نہیں گیا تھا) اختلافات ان لوگوں نے کئے جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انہوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے'' (البقرۃ:213)۔

''ابتدا میں سارے انسان ایک ہی امت تھے' بعد میں انہوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لئے' اور اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ کر لی گئی ہوتی تو جس چیز میں وہ باہم اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ کر دیا جاتا'' (یونس:19)۔

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً (اے رسول ﷺ) ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں' ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے' وہی ان کو بتائے گا کہ

Marfat.com

انہوں نے کیا کچھ کیا ہے؟'' (الانعام:159)۔

''کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔ جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے'' (آلِ عمران:105)۔

''لوگوں میں جو تفرقہ رونما ہوا وہ اس کے بعد ہوا کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے'' (الشوریٰ:14)۔

''اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (اے محمد ﷺ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجا ہے' اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں' اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ'' (الشوریٰ:13)۔

''اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا بھی۔ اسی کی تم عبادت کرو' یہی سیدھا راستہ ہے مگر (اس کی اس صاف تعلیم کے باوجود) گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ پس تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا ایک دردناک دن کے عذاب سے'' (الزخرف:64-65)۔

مذکورہ بالا فرامین الٰہی کی روشنی میں خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا دینِ اسلام میں دیوبندیت' بریلویت' وہابیت' شیعیت وغیرہ کی کوئی گنجائش ہے اور جن لوگوں نے یہ فرقے بنائے اور جو لوگ ان کے پیروکار ہیں' اسلام میں ان کا کیا مقام ہے؟ شرمناک بات یہ ہے کہ ان فرقہ پرستوں نے ''مسلمانوں'' یعنی اپنا تعارف بطور مسلمان کروانے والوں کو بھی ایک فرقہ کا نام دے دیا ہے اور اسے وہ ایک ایسا گمراہ فرقہ قرار دیتے ہیں جو اپنے بزرگوں کے نام سے اپنے مذہب کی شناخت پسند نہیں کرتا۔ مزید شرمناک بات یہ ہے کہ ہر فرقہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ نبی کریم ﷺ صرف اس کے فرقہ کے نبی ﷺ ہیں اور دوسرے تمام فرقے شاتمانِ رسول ﷺ ہیں۔ یہ بڑے بڑے القابات وخطابات والے ''پیر' مشائخ' مولانا اور حضرت جی'' یہ تک نہیں جانتے کہ نبی کریم ﷺ تو

Marfat.com

یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں، پارسیوں، بودھوں وغیرہ سب کے نبی ﷺ ہیں، کوئی ان پر ایمان لائے یا نہ لائے اللہ تعالیٰ نے تو سب ہی کی طرف ان کو مبعوث فرمایا ہے۔

ذیل میں ان قرآنی آیات کے ترجمہ کو نقل کیا جا رہا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ماننے والوں کو مسلمان ہی قرار دیا ہے اور انہی کیلئے جنت اور اپنے دیگر انعام و اکرام کی خوشخبریاں سنائی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور یاد کرو، ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے: ''اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے، اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم بنا، اور ہماری نسل سے ایسی قوم اٹھا جو مسلم ہو'' (البقرۃ:127-128)۔

حضرت ابراہیمؑ کے مسلم ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ بتاتا ہے:

''ابراہیمؑ تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دنیا میں اپنے کام کیلئے چن لیا تھا اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہوگا۔ اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا: ''مسلم ہو جا'' تو اس نے فوراً کہا: ''میں مالکِ کائنات کا مسلم ہو گیا''۔ اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت اس نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوبؑ اپنی اولاد کو کر گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ''میرے بچو! اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا''۔ پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا؟ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا: ''بچو! میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟'' ان سب نے جواب دیا: ''ہم اسی ایک اللہ کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ نے خدا مانا ہے اور ہم اسی کے مسلم ہیں'' (البقرۃ:130-133)۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدہ کے بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

''یہودی کہتے ہیں یہودی ہو گے تو راہِ راست پاؤ گے۔عیسائی کہتے ہیں عیسائی ہو گے تو ہدایت ملے گی۔ان سے کہو نہیں' بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیمؑ کا طریقہ اختیار کرو' اور ابراہیمؑ مشرکوں میں سے نہ تھا'' کہو کہ ''ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیمؑ' اسماعیلؑ' اسحاقؑ' اور عیسیٰؑ اور دوسرے تمام پیغمبروںؑ کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی' ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم مسلمان ہیں'' (البقرۃ:135-136)۔

''ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک مسلم تھا'' (آلِ عمران:67)۔

''وہ تم سے ہرگز نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروںؑ کو اپنا رب بنالو۔کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو'' (آلِ عمران:80)۔

''اس (اللہ) کا کوئی شریک نہیں' اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں مسلمان ہوں'' (الانعام:163)

''حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ ''لوگو! اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسا کرو' اگر مسلمان ہو'' (یونس:84)۔

حضرت نوحؑ کے بارے میں قرآن بتاتا ہے:

''(نوحؑ نے کہا) میں تم سے کسی اجر کا طلبگار نہ تھا' میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (خواہ کوئی مانے یا نہ مانے) میں خود مسلم بن کر رہوں''۔

حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جب عیسیٰؑ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر و انکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا کہ ''کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے؟'' حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے مددگار ہیں' ہم اللہ پر ایمان لائے' آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم ہیں'' (آلِ عمران:53)۔

حضرت یوسفؑ بھی دعا کیا کرتے تھے کہ ان کی زندگی کا خاتمہ اسلام پر ہو:

''زمین و آسمان کے بنانے والے' تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے' میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا'' (یوسف:101)۔

Marfat.com

فرعون کے دربار کے جادوگر جب حق کو پہچان کر مسلمان ہو گئے اور فرعون نے انہیں سخت سزا کی دھمکی دی تو انہوں نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا ''اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اٹھا تو اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں'' (الاعراف:126)

سورۂ حج میں فرمایا کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کا پہلے بھی نام مسلمان تھا اور قرآن میں بھی ان کا نام مسلمان ہی رکھا گیا ہے'' قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر' اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ''مسلم'' رکھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تا کہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ'' (الحج:78)۔

سورۂ القصص میں نبی کریم ﷺ کی زبان سے اللہ تعالیٰ بڑا واضح کر کے فرماتا ہے: ''(اے نبی ﷺ ان سے کہو) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر (مکہ) کے رب کی بندگی کروں' جس نے اسے حرم بنایا اور جو ہر چیز کا مالک ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلم بن کر رہوں اور یہ قرآن پڑھ کر سناؤں'' (91-92)۔

خود سوچیں کہ جب اللہ کے نبی ﷺ کو مسلم بن کر رہنے کا حکم دیا گیا ہے تو پھر دوسروں کو یہ اجازت کہاں سے مل گئی کہ وہ دیوبندیت' بریلویت' قادریت' شیعیت کی بنیاد رکھیں اور اس کیلئے من گھڑت تاویلیں پیش کریں۔ سورۂ الزمر کی آیت 11 اور 12 میں مزید فرمایا ''(اے نبی ﷺ) ان سے کہو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس کی بندگی کروں' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود ''مسلم'' بنوں''۔

سورۂ حٰم السجدہ کی آیت 33 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں''۔

سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے'' اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں'' (آلِ عمران:64)۔

پھر قرآنِ مجید میں انعام و اکرام کی جتنی خوشخبریاں سنائی گئی ہیں وہ بھی ''مسلم'' کے لئے ہیں۔ مثلاً: ''ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کیلئے جو مسلمان ہیں'' (النحل:89)۔ اور

Marfat.com

ایسے فرمودات قرآنِ مجید میں متعدد جگہ آئے ہیں۔ یہ بات کس قدر ناشکرے پن کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مسلم نام پسند کیا' تمام انبیاءؑ کو بھی یہ نام پسند آیا' آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو بھی یہی نام اچھا لگا مگر ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوںؑ کا پسندیدہ نام چھوڑ کر دوسرے نام اختیار کر لئے۔ صحابہ کرامؓ بھی سنی اور شیعہ نہیں تھے' صرف مسلمان تھے' یہی صورتِ حال ان کے بعد آنے والے تابعین کی تھی۔ جب انہوں نے تشریح و تعبیر کے اختلاف کو بنیاد بنا کر کسی مسلک کا لاحقہ اپنے ساتھ نہ لگایا اور نہ مسجدوں کے نام ایسے رکھے تو پھر آج یہ سب باتیں لازمی کیوں کر لی گئی ہیں۔ اپنے اپنے مسلک کی شناخت کے لئے ہم نے اذانیں مختلف کر لیں' صرف شیعہ سنی ہی کی اذان ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوئی' بریلویوں نے بھی دیوبندیوں سے اذان مختلف بنالی' اقامت کو بھی یکساں نہیں رہنے دیا' ایک فرقہ نے لازمی قرار دے لیا کہ ''حی علی الصلوٰۃ'' پر ہی اٹھنا ہے۔ ایک فرقہ کی مسجد میں صف بندی کیلئے آواز آتی ہے کہ پاؤں کے ساتھ پاؤں ملاؤ' دوسرے فرقہ کی مسجد میں کہا جاتا ہے کہ کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑے ہوں۔ فرقے کی شناخت کو نمایاں کرنے کیلئے داڑھی کے سٹائل اور پگڑیوں کے رنگ تک بدل لئے۔

فرقوں کے حامی بعض علماء فرقہ سازی کے حق میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ سارے فرقے ''شجر اسلام'' ہی کی شاخیں ہیں' اس لئے یہ گناہ اور ناجائز نہیں۔ ان کی اس دلیل پر غور کریں اور ان سے پوچھیں کہ کیا کسی ایک درخت کی شاخیں ایک دوسرے سے مختلف نظر آتی ہیں' کیا ایک شاخ کے پتے دوسری شاخ سے مختلف ہوتے ہیں' کیا ایک شاخ کے پھولوں کا رنگ سرخ اور دوسری شاخ کے پھولوں کا رنگ پیلا ہوتا ہے۔ اگر یہ فرقے شجر اسلام کی شاخیں ہوتیں تو اسلام کے تنے کی تقویت کا باعث بنتیں' ایک دوسرے سے لڑ کر تنے ہی کو کمزور نہ کرتیں۔

قرآن صرف ''مسلمانوں'' کو اللہ کے بندے تسلیم کرتا ہے اور وہ کسی فرقے کی تائید و تصدیق نہیں کرتا' بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نام ہی کو اپنے لئے پسند کر لیں اور دیوبندیت' بریلویت اور شیعیت چھوڑ کر ''مسلم'' بن جائیں کیوں کہ ''مسلم'' ہی کے لئے جنت کے دروازے کھلتے ہیں۔

Marfat.com

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے
میری بات

Marfat.com

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیرؔ جہاں دار و جہاں بانو جہاں آراء

Marfat.com

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

بڑا ہی سنجیدہ اور غور طلب معاملہ ہے جس کی طرف ہم ایک عرصے سے مسلمانانِ عالم بالخصوص علماءِ کرام اور دانشور حضرات کی توجہ مبذول کراتے آرہے ہیں۔ مبارک ہیں وہ صاحب فکر لوگ جو معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں' مسلمانوں کی اکثریت بہرحال اس پیرائے میں اس معاملے کو نہیں لے رہی جس میں کہ اسے لینا چاہیے۔ مقامِ افسوس ہے کہ اس اکثریت میں خود علماءِ کرام کی اکثریت بھی شامل ہے۔

وہ اہم معاملہ ہے کیا کہ جس کو سنجیدگی سے نہیں لیا جارہا؟ یہ کہ جس دین کو آج ہم مسلمان اختیار کئے ہوئے ہیں اور اس دین میں جو رسول ﷺ امت کے سپرد کر گئے تھے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں یہ کیسے آگاہی ہوئی کہ ہمارا اختیار کردہ دین اس دین سے مختلف ہے جو نبی کائنات ﷺ امت کے سپرد کر گئے تھے۔ چند نا قابلِ تردید وجوہات جو ہمارے آگاہ ہونے کا باعث بنیں' درج ذیل ہیں:

پہلی وجہ

ہماری آگاہی کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو ہمارے اختیار کردہ دین سے وہ برکات حاصل نہیں ہو رہیں جو دورِ خلافتِ راشدہ میں یعنی جب دینِ اسلام اپنی اصلی حالت میں تھا' اس دور کے مسلمانوں کو حاصل ہو رہی تھیں۔ بلکہ وہ برکات جو اس وقت حاصل ہوئی تھیں آج 180 درجے برعکس ہو گئیں ہیں۔ اس وقت عدل تھا' آج ظلم' اس وقت امن تھا آج اس قدر بد امنی کہ صبح گھر سے نکلنے والے کو یقین نہیں ہوتا کہ وہ شام کو بخیریت گھر آئے گا بھی کہ نہیں' اس وقت خوشحالی تھی تو اس قدر کہ زکوٰۃ دینے والے بہت تھے' زکوٰۃ لینے والے بتدریج کم ہو کر بالآخر معدوم ہو گئے' آج دنیا بھر کے مسلمان پسماندگی و درماندگی کی علامت بنے ہوئے ہیں۔ اس وقت اتحاد تھا

Marfat.com

تو اس قدر کہ پوری اسلامی دنیا باوجود اس کے کہ کئی براعظموں پر محیط تھی' ایک خلیفہ کی سربراہی میں تھی اور آج انتشار ہے تو اس قدر کہ دنیائے اسلام 57 خطوں میں بٹ کر 57 سربراہوں میں منقسم ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اس قدر غلبہ حاصل تھا کہ ان کے پائے کی زیرِ آسماں کوئی دوسری طاقت نہ تھی' آج امتِ مسلمہ مغلوب ہے تو اس قدر کہ مسلمانوں کے مقدر کے فیصلے واشنگٹن ولندن میں ہوتے ہیں۔ دین اگر وہی ہے جو رسول ﷺ امت کے سپرد کر کے گئے تھے تو یہ الٹ پلٹ کیوں؟

کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ اقدار کا الٹ ہو جانا اس وجہ سے ہے کہ اس وقت کے مسلمان جس معیار کے تھے آج کے مسلمان اس پیمانے پر پورے نہیں اترتے۔ اس بات میں بھی کچھ سچ ضرور ہے لیکن اس وقت کے مسلمان اس لئے معیاری تھے کہ ان کو جو دین میسر تھا وہ معیاری تھا جب کہ آج جو دین ہم اختیار کئے ہوئے ہیں وہ معیاری نہیں۔ غیر معیاری دین ہی تو ہے جو آج غیر معیاری مسلمان پیدا کرنے کا موجب ہے۔

دوسری وجہ

ہم مسلمانوں کی کوتاہیوں بلکہ حماقتوں کی وجہ سے دینِ اسلام آج دنیا میں مغلوب ہے تو ادیانِ باطلہ غالب۔ لیکن اس میں کیا شک کہ دینِ حق خالقِ کائنات کا وضع کردہ ہونے کی بنا پر انسان ساختہ ادیان بشمول جمہوریت و اشتراکیت کے مقابلہ میں غالب ہونے کے لئے ہے۔ مغلوب ہونے کا مطلب ہی ہے کہ ہمارا اختیار کردہ دین اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ اور رسول ﷺ کے برپا کردہ دین سے یکسر مختلف ہے۔ قرآنِ مجید پتہ دیتا ہے کہ مسلمان دو بڑی بڑی وجوہات کی بنا پر دنیا میں مغلوب ہوئے ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ آج مسلمان برائے نام مسلمان ہیں' مومن بہر حال نہیں رہے۔ مومن ہوتے تو ان کا غالب ہونا اور غالب رہنا لازمی تھا۔ قرآن میں آیا:

"دل شکستہ نہ ہو' غم نہ کرو' تم ہی غالب ہو گے اگر تم مومن ہوئے" (آلِ عمران: 139)۔

پھر چونکہ اصل دین اختیار نہ کرنے کی وجہ سے مومن نہیں رہے' اس لئے اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

نصرت سے محروم ہیں اور قرآن صریحاً پتہ دیتا ہے کہ مسلمان مغلوب ہوتے ہی اس وقت ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہوں۔ مسلمانوں کا دنیا میں بطور غالب قوت ہونا نشانی ہے اس امر کی کہ انہیں نصرتِ ایزدی حاصل ہے اور مغلوب ہونا (جیسے آج کی دنیا میں وہ ہیں) نشانی ہے اس امر کی کہ وہ نصرتِ ایزدی سے محروم ہیں۔ فرمایا گیا:

''اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو۔ پس جو مومن ہیں انہیں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے'' (آلِ عمران:160)۔

تیسری وجہ

واقعات کی دنیا میں آج کے مسلمان دینِ حق نہیں' دینِ ملوک اپنائے ہوئے ہیں۔ خلافتِ راشدہ کا دور رواں دواں تھا تو دینِ حق کارفرما تھا' ملوکیت کے وارد ہوتے ہی دینِ حق بتدریج دینِ ملوک میں بدل دیا گیا۔ بدلنے کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ملوک کی جگہ خلیفۃ المسلمین اور ملوکیت کی جگہ نظامِ خلافت پھر برپا نہیں ہوتا۔ رسول ﷺ نظامِ خلافت امت کے سپرد کر کے گئے نہ کہ نظامِ ملوکیت۔ دورِ نظامِ خلافت کوئی تیس سال اس دھرتی کا مقدر رہا۔ اس کے بعد صدیوں سے دورِ ملوکیت کا دور دورہ ہے۔ ملوک اس دوران کوئی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے رہے۔ دینِ حق سے گریز ہی ہر ملک کا شیوہ رہا' دورِ حاضر کے ملوک بھی دینِ حق کے باغی ہیں۔ ہر ملک کو اس لئے دینِ حق سے عناد ہوتا ہے کہ اصل دین اس کے اقتدار کو اللہ تعالیٰ کے اقتدار سے بدلتا ہے۔ بنابریں بڑی محنت کی ہے ملوک نے دینِ حق کو دینِ ملوک سے بدلنے میں۔ دینِ حق کے بجائے دینِ ملوک کے ہونے نے امتِ مسلمہ کو اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل رکھا ہے۔ زمین و آسمان کا فرق ہے ان دو طرح کے ادیان میں۔ نوٹ کریں اس فرق کو اس لئے کہ اس فرق کی وجہ سے ان تمام آلام و مصائب نے جنم لیا جو ایک عرصہ سے مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

ملوک نے اپنے وجود کی گنجائش پیدا کرنے کیلئے جو پہلا وار کیا وہ خلیفۃ المسلمین کو چلتا کرنے کا تھا۔ یہ کوئی چھوٹا سا وار نہ تھا۔ جس طرح ملوک کے آنے کا مطلب ایک مختلف نظام یعنی نظامِ ملوکیت کا آنا تھا اسی طرح خلیفۃ المسلمین کے جانے کا مطلب نظامِ خلافت کا جانا تھا۔ یہیں سے امتِ مسلمہ کی گاڑی پٹڑی سے اتری اور جوں جوں ملوکیت پنجے گھرے گاڑتی گئی توں توں امتِ مسلمہ کی بنی بگڑتی گئی۔

خلیفۃ المسلمین کا وجود نظامِ خلافت میں مرکز ومحور کی حیثیت رکھتا ہے۔ کم از کم تین ادارے جن کے ہونے کو اللہ تعالیٰ خود قرآنِ مجید میں بیان کرتا ہے' خلیفۃ المسلمین کے وجود کے بغیر معرضِ وجود میں آتے ہی نہیں۔ ان میں سے پہلا ادارہ جو سورۂ نساء کی آیت نمبر 59 میں بیان ہوا ہے ''اولوالامر'' کا ادارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس ادارے کے ہونے کو لازمی قرار دیا بلکہ اس کی اطاعت کو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد اور تحت' مشروط سہی' لازم قرار دیا۔ بالفاظِ دیگر اسلام کا نظامِ اطاعت اولوالامر کی اطاعت کے بغیر مکمل ہوتا ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت کے کسی بھی موڑ پر اولوالامر نے ہی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا ذریعہ بننا ہوتا ہے۔ موقع پر اسی ادارے نے اللہ ورسول ﷺ کے احکامات کو نافذ کرنا ہوتا ہے۔ یعنی یہ وہ ادارہ ہے جس نے نظامِ خلافت کو چلانا ہوتا ہے۔ اس ادارے میں انتظامیہ' شوریٰ اور عدلیہ کے ارکان کے علاوہ وہ تمام اہلِ امر و دانش حضرات شامل ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی طور مسلمانوں کے اجتماعی اور پالیسی امور کو طے کرتے ہیں۔ ویسے تو ''اولوالامر'' کا مطلب ہے ''صاحب امر لوگ'' لیکن شرعی اولوالامر اس وقت تک معرضِ وجود میں آتے ہی نہیں جب تک کہ خلیفۃ المسلمین کو ان میں مرکزی حیثیت حاصل نہ ہو۔ بنابریں اولوالامر کا وجود بھی ہمارے اختیار کردہ دین سے اسی وقت سے معدوم ہے' جب سے خلیفۃ المسلمین کا وجود معدوم ہے۔ بالفاظِ دیگر رسول ﷺ نے جو دین امت کے سپرد کیا تھا اس میں اولوالامر کا وجود تھا' جب کہ ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قرآنِ مجید میں لازم کردہ ایک اور ادارہ شوریٰ کا ہے جس کا ذکر سورۂ شوریٰ

Marfat.com

کی آیت نمبر 38 میں آیا۔ شوریٰ دینِ حق کا وہ ادارہ ہے جس میں ارکانِ شوریٰ نے خلیفۂ وقت کو مشورہ دینا ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر شوریٰ کا ادارہ وجود میں آتا ہی نہیں جب تک خلیفۃ المسلمین کا وجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا دینِ حق کا یہ لازم کردہ ادارہ اس دین میں تو تھا جو رسول ﷺ امت کے سپرد کر کے گئے تھے، آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں اور اس وقت سے نہیں جب سے خلیفۃ المسلمین کا اپنا وجود نہیں۔ ہمارا اختیار کردہ دین پھر وہ کیسے ہوا جو رسول ﷺ امت کے سپرد کر کے گئے تھے؟

ایک اور قرآنی ادارہ امتِ مسلمہ کا ہے۔ قرآنِ مجید میں متعدد جگہ پر اس کا ذکر ہے۔ بہت سے دینی فرائض کی ادائیگی صرف امتی سطح پر ممکن ہے۔ لیکن کہاں ہے آج امتِ مسلمہ؟ عرصہ ہوا امتِ مسلمہ، مسلم اقوام میں بٹ چکی۔ خلافت یعنی خلیفۃ المسلمین کے وجود سے ہی مرکزیت قائم تھی مرکزیت نہ رہی تو تسبیح کے دانے بکھر گئے، زیرِ آسماں آج امتِ مسلمہ کا وجود کہیں نہیں۔

کیسا ہے آج ہمارا اختیار کردہ دین جس میں چاروں قرآنی اداروں کا وجود نہیں۔ رسول ﷺ کیا ایسا دین امت کے سپرد کر کے گئے تھے جس میں نہ خلیفۃ المسلمین تھا، نہ اولوالامر، نہ شوریٰ اور نہ امتِ مسلمہ؟

چوتھی وجہ

وقت کے ساتھ ساتھ دینِ حق میں انحطاط (Deterioration) کا واقع ہونا ایک فطری امر (Natural Phenomenon) ہے۔ تمدن کی ترقی کے علاوہ یہی انحطاط کا واقع ہونا ہے جس کمی کو پورا کرنے کیلئے انبیاءؑ کو وقفے وقفے سے مبعوث کیا گیا۔ ایک نبیؑ آتا، وہ دین میں پیدا کی گئی کجی کو سیدھا کرتا یا دوسرے لفظوں میں تجدیدِ دین کا کام کرتا لیکن اس کے جانے کے بعد باطل پھر حق میں سرائیت کر کے اسے اس قدر باطل زدہ کر دیتا کہ اصلاح کے لئے دوسرا نبیؑ مبعوث کیا جاتا۔ قرآنِ مجید میں اس فطری امر کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبیؑ بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے

Marfat.com

ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتابِ برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں میں جو اختلافات رونما ہو گئے تھے' ان کا فیصلہ کرے..........'' (بقرۃ:213)۔

ایک مرحلے پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ نبوت کو ہی منقطع کر دیا۔ سلسلۂ نبوت تو منقطع ہو گیا لیکن انحطاط کا فطری عمل تو ظاہر ہے' جاری رہنا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کو قرآن و سنت کی روشنی میں برقرار رکھنے کا فریضہ تا قیامت امتِ مسلمہ کے سپرد کر دیا۔ امتِ مسلمہ نے دینِ حق کو کوئی تیس سال برقرار کئے رکھا لیکن شومئ قسمت اس کے بعد ملوکیت نے ڈیرے آجمائے۔ پھر کیا تھا' جیسے کہ اوپر بیان ہوا دینِ حق کو بتدریج دینِ ملوک میں ڈھالا گیا۔ کچھ عرصہ محدثین و فقہاء اور صالحین نے اس تبدیلی کی مزاحمت کی لیکن حکمرانوں کا مقابلہ ہوتا تو کب تک' بالآخر مسلمانوں نے دینِ ملوک سے سمجھوتہ کر لیا اور آج تک کئے ہوئے ہیں۔

سوختہ بختی دینِ حق نہیں' دینِ ملوک ہے جس کی تدریس آج ہماری درسگاہوں اور دارالعلوموں میں ہو رہی ہے۔ ہماری دعوتی اور تبلیغی کوششیں بھی دینِ ملوک کو آگے بڑھانے کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ بالفاظِ دیگر آج ہمارے دینی و تبلیغی ادارے حتیٰ کہ منبر و محراب بظاہر ملوک کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں لیکن کام دونوں فریق دینِ ملوک کی ترویج و ترقی کا کر رہے ہیں۔ بگاڑے گئے دین کی تبلیغ و تدریس مزید بگاڑ پیدا کر رہی ہے۔ نتیجہ ہمارے سامنے کہ مسلمانانِ عالم دن بدن پستی میں لڑھکتے جا رہے ہیں۔

افسوس ناک پہلو اس ساری الجھن کا یہ ہے کہ بھیڑ چال گی میں دورِ حاضر کے مسلمان یوں آگے بڑھ رہے ہیں جیسے ''سب اچھا'' ہو۔ آسماں نے اس ''خیرِ امت'' کو زمین پر دے مارا لیکن ہم میں سے بیشتر اپنی کلغیوں کو اونچا کرنے کے درپے ہیں۔ اصلاحِ دین کی کوئی فکر نہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہماری مسلسل کج فہمی و کجروی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حق شناسی کی ہماری سکت چھین رکھی ہے۔ ہمارے ہاں آٹے میں نمک کے مصداق بھی وہ لوگ نہیں جو اس انتہائی مخدوش اور کربناک صورتِ حال کو بدلنے کے درپے ہوں۔ حقیقت احوال کو اجاگر کرنے کی

Marfat.com

خاطر ذیل میں ہم ایک زندہ مثال کا سہارا لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے ''شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات''۔

کسی بھی نظام کے تین بڑے بڑے اجزاء ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر نظامِ آبپاشی، نظامِ برقی وغیرہ کے بھی یہی تین اجزا ہیں۔ ہم مثال کے طور پر یہاں بجلی کے نظام کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔ اس نظام میں بنیادی جزو پاور ہاؤس ہوتا ہے۔ دوسرا ترسیل کا ذریعہ اور تیسرا بجلی سے استفادہ کرنے والے۔ انگریزی میں لفظ ''C'' شروع ہونے والے تین الفاظ یعنی Control, Command and Componants ان تین اجزاء کو ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی بجلی کے نظام میں پہلا جز یعنی ماخذ پاور ہاؤس ہوتا ہے۔ دوسرا جز یعنی ترسیلی ذریعہ کھمبے، برقی تاریں، سوئچ، پنکھا وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے اور تیسرا جز بجلی سے استفادہ کرنے والوں پر مبنی ہوتا ہے۔ ان تینوں اجزاء کے بغیر بجلی کا نظام مکمل نہیں ہوتا۔ نظامِ خلافت کے بھی تین بڑے بڑے اجزا ہیں۔

۱۔ حاکمیت (ماخذ)

۲۔ رسالت (ترسیلی ذریعہ)

۳۔ انسانیت (استفادہ کرنے والے)

ہم نظامِ خلافت کے ان تینوں اجزاء یعنی حاکمیت، رسالت اور انسانیت کو علیحدہ علیحدہ زیرِ بحث لاتے ہیں۔

حاکمیت (ماخذ)

نظامِ خلافت کا یہ جز اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے جسے ہی حاکمیت سزاوار ہے (ان الحکم الا للہ) یہ اقتدار (پاور ہاؤس) کا ایسا سرچشمہ ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسے کوئی وجود میں نہیں لاتا بلکہ ہر چیز کو معرضِ وجود میں لانے والا وہی ہے۔ انسان کا بھی خالق ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ کو اسی طرح انسان کے لئے قانون سازی کا حق ہے جیسے کہ ہر فیکٹری والے کو اپنی فیکٹری میں تیار ہونے والے پروڈکٹ کے لئے طریق استعمال کی ہدایات دینے کا حق ہوتا ہے۔

Marfat.com

رسالت (ترسیلی نظام)

رسالت کے تین مراحل ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے اس لئے کہ نظام کا یہ وہ حصہ ہے جو ہماری اس بحث کے متعلق ہے۔ پہلا مرحلہ فرشتے کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور انبیاءؑ کے درمیان رسالت کا ہے، جبرائیلؑ کو بھی قرآنِ مجید میں رسول سے ملقب کیا گیا ہے (19:19)۔ دوسرا مرحلہ انبیاءؑ سے ان کی اقوام کے درمیان رسالت کا ہے۔ موجودہ دور یعنی قیامت سے پہلے اس آخری دور میں ایک وقت تک یہ مرحلہ رہا ہے رسول ﷺ اور امتِ مسلمہ کے درمیان رسالت کا لیکن اب ان کی رحلت کے بعد رسالت کا یہ فرض امتِ مسلمہ کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ یعنی یہ تیسرا مرحلہ یوم الدین تک امتِ مسلمہ اور باقی انسانیت کے مابین کا ہے۔ بالفاظِ دیگر کارِ رسالت فرشتوں کے ذریعے بھی ہے تو انسانوں کے ذریعہ سے بھی۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں آیا:

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ (اپنے فرامین کی ترسیل کے لئے) ملائکہ میں سے بھی رسول منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ وہ سمیع و بصیر ہے'' (حج:75)۔

انسانی سطح پر رسالت کا یہ آخری مرحلہ صرف پیغام رسانی پر مشتمل نہیں بلکہ احکاماتِ وحی کے مطابق عملاً نافذ کر کے پیش کرنے کا بھی ہے۔ یعنی وصول کرنے والوں کو قرآن و سنت پر مبنی نظام بچشمِ سر رواں دواں بھی نظر آئے۔ اس لئے انسانی سطح پر رسالت کے کام کو ''شہادت علی الناس'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

''اور اسی طرح سے ہم نے تمہیں ایک ''امتِ وسط'' بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو'' (بقرۃ:143)۔

حاملین (استفادہ کرنے والے)

نظامِ خلافت کا پہلا جز حاکمیت، دوسرا رسالت تو تیسرا جیسے کہ ہم نے اوپر لکھا

Marfat.com

انسانیت کا ہے۔ لیکن مخلوقات میں سے انسان (اور کسی حد تک جن) کو چونکہ صوابدیدی اختیارات (Discretional Powers) حاصل ہیں لہٰذا انسانیت دو بڑے گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک وہ گروہ جس نے حاکمیت و رسالت کو مانا اور ماننے والا (مسلمان) قرار پایا اور دوسرا گروہ وہ جس نے حاکمیت و رسالت کو اس طور نہ مانا جس طور کے ماننا چاہئے لہٰذا نہ ماننے والا (کافر) قرار پایا۔ یہ ماننے والا گروہ وہی ہے جسے قرآن و سنت امتِ مسلمہ، امتِ وسط اور خیرِ امت وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں نظامِ خلافت ہے تو پوری انسانیت کیلئے، یہ علیحدہ بات ہے کہ استفادہ کرنے والے (امتِ مسلمہ) تو حاملین ہیں جب کہ نہ ماننے والے یا انکار کرنے والے بہرحال اس کے محتاج ہیں۔ اب تا قیامت یہ حاملین کا فرضِ منصبی ہے کہ وہ تمام محتاجوں تک اللہ کے دین کو پہنچائیں اور نظامِ خلافت قائم کر کے دکھائیں کیونکہ فرشتوں اور انبیاءؑ کے ذریعے یہ رسالت کا سلسلہ اب منقطع ہو چکا۔

یہاں پر اب ذرا رک کر ایک انتہائی اہم بات پر غور فرمائیں۔ فرشتوں اور انبیاءؑ کے ذریعہ رسالت کا سلسلہ منقطع ہونے اور تکمیلِ دین کا مرحلہ طے ہونے کے بعد رسالت کی اب ساری ذمہ داری امتِ مسلمہ اور امتِ مسلمہ میں سے بھی بالخصوص اس کے مرکزی کردار یعنی رسول ﷺ کا قائم مقام ہونے کے ناطے خلیفۃ المسلمین پر ہے۔ شومئی قسمت یہی وہ کڑی (Link) ہے جو ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں۔ جیسے کہ اوپر ذکر ہوا خلیفۃ المسلمین جب تک دنیا میں موجود تھا، نظامِ خلافت رواں دواں ہونے کی بنا پر اسلام اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ یعنی بطور غالب قوت دنیا میں موجود تھا۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں اس کی برکات بھی بدرجۂ اتم حاصل ہو رہی تھیں۔ آج ہمارے اختیار کردہ دین میں خلیفۃ المسلمین کا وجود نہیں تو خود نظامِ خلافت اسی طرح درہم برہم ہے جس طرح بجلی کے نظام میں پاور ہاؤس بھی ہو، استفادہ کرنے والے بھی ہوں، لیکن ترسیلی نظام یعنی برقی تاریں وغیرہ مفقود ہوں۔ جس طرح

Marfat.com

بجلی کے نظام میں سے ایک کڑی یعنی ترسیلی ذریعہ نہ ہونے سے بجلی کا پورا نظام مفلوج و معطل ہو جاتا ہے اسی طرح حاکمیت اور انسانیت کے درمیان رسالت کا ذریعہ ختم ہونے کی وجہ سے اسلامی نظام دنیا سے عنقا ہے۔ لنگر کے بغیر بحری جہاز لہروں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے جدھر چاہیں لے جائیں۔ یوں بدنظمی کے شکار جہاز کی سواریاں لاکھ اللہ اللہ کریں، نظم کے بغیر صورتِ حال ہر لحہ ڈانواں ڈول رہتی ہے۔ اس ریوڑ کی بکریاں جو بغیر گڈریے کے ہوں بڑی آسانی سے شکار ہوتی رہتی ہیں۔

لٹ گئے مسلمان دنیا میں خلیفۃ المسلمین کے بغیر۔ قیامت برپا ہوگئی مسلمانانِ عالم پر۔ خوں لبریز ہوگئیں آج کی دنیا میں مسلمان سرزمینیں۔ استہزاء ہونے لگا شعائرِ اسلام کا۔ بیقدر کرنے پر تل گئے دنیا بھر کے باغی نبی کائنات ﷺ اور قرآنِ مجید کو۔ صورتِ حال سے آگاہ نہ علماء کرام نہ دانشور۔ علاج اس کا وہی ایک...... نظامِ خلافت کی بحالی۔ توڑ دی جائیں دنیائے اسلام کو متعدد ممالک میں تقسیم کرنے والی سرحدیں۔ موجودہ 57 سربراہان کو چلتا کر کے پوری اسلامی دنیا کو ایک خلیفۃ المسلمین کی سربراہی میں لایا جائے۔ اسلام کی اس مملکتِ واحدہ کو پھر معرضِ وجود میں لایا جائے جو کبھی قرونِ اولیٰ میں تھی۔ کوئی ہے جسے اپنی عاقبت اور اپنی آئندہ نسلوں کا فکر ہو؟ یہ ذلت کی راتیں اور رسوائی کے دن آخر کب تک؟

Marfat.com

تمام زمانوں، تمام جہانوں اور تمام انسانوں کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

Marfat.com

تمام زمانوں، تمام جہانوں اور تمام انسانوں کے رسول ﷺ

ہمارے ایک ساتھی نے اگلے دن ایک نشست میں سوال کیا کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نظامِ خلافت اسلام کی عملی صورت اور ہر زمانے کے انسان کی ضرورت ہے لیکن یہ بھی ایک حقیت ہے کہ نظامِ خلافت اس تکمیلی شان سے پہلے کسی نبیؑ کے دور میں رواں دواں نہیں ہوا جیسے کہ رسولِ آخرالزماں ﷺ کے دور میں۔ ساتھی بھائی کا سوال تھا کہ پہلے ادوار کے انسانوں کو کیا پوری آن شان والے نظامِ خلافت کی ضرورت نہ تھی؟ ذیل میں ہم اس اہم سوال کا جواب دیتے ہیں۔

پہلے یہ بات ذہن میں رہے کہ نظامِ خلافت کے حامل صرف آخری رسول ﷺ اور اس کی امت ہی نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ پہلے بھی اس وقت تک نازل شدہ تعلیمات پر کماحقہٗ پوری اترنے والی امتوں کو نظامِ خلافت یا خلافت عطا کرتا رہا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ایسی خلافت کی وسعت کبھی محض ایک نبیؑ تک محدود تھی، کبھی نبیؑ اور اس کے ساتھیوں تک محدود تھی یا کبھی کسی شہر تک یا کسی خطۂ زمین تک محدود تھی۔ بعض انبیاءؑ کو ایک پیروکار بھی نہ ملا لہٰذا ظاہر ہے ایسی صورت میں خلافت صرف متعلقہ نبیؑ تک محدود رہی۔ بعض صورتوں میں یعنی جب نبیؑ کو کچھ ساتھی مل گئے تو پھر خلافت ایسی جماعت کو حاصل تھی۔ ایک بات البتہ طے شدہ ہے کہ جب بھی کسی فرد یا گروہ خلافت سے نوازا گیا تو اس وقت جب کہ وہ فرد یا گروہ ایمان وعمل کے اس معیار پر پورا اترا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ قرآن مجید میں آیا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح کہ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے اس دین کو غالب کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا، پس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو

Marfat.com

شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں'' (نور: ۵۵)۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت بدلا نہیں کرتی' آج بھی جب کسی گروہ کو خلافت سے نوازا گیا تو یہ وہی گروہ ہوگا جو ایمان وعمل کے حساب سے اس معیار کو پہنچے جو اللہ تعالیٰ نے طے کر رکھا ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ پانی کی یہ خاصیت (سنت اللہ) ہے کہ وہ ایک خاص درجہ حرارت یعنی سونٹی گریڈ پر پہنچتا ہے تو اس میں اُبال آجاتا ہے۔ پانی خواہ سعودی عرب کا ہو' فرانس کا یا چین کا سونٹی گریڈ پر ابلتا ہے' ننانوے (۹۹) سنٹی گریڈ پر نہیں۔ ایسی ہی سنت اللہ' خلافت کے متعلق ہے عطاء ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے مطلوبہ معیارِ ایمان وعمل پر پہنچ کر۔

قرآن مجید میں بیان کردہ مذکورہ آیۂ استخلاف کے عربی متن میں لفظ ''کما'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہے جیسی یا جیسے۔ آیۂ کریمہ میں بیان کردہ ''اس جیسی'' کا یہاں یہ مطلب نہیں کہ اسی پیمانے اور وسعت کی جیسی کہ آخری رسول ﷺ کے دور میں بلکہ اس کا مطلب ہے کہ اسی طرح کی فطری جس طرح کہ آخری دور میں۔ پیمانے اور وسعت کے حساب سے پہلی خلافتیں اس تکمیلی شان کی ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

شروع ہی میں یہ نوٹ فرمالیں کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا جملہ اس لحاظ سے تو درست ہے کہ رسول ﷺ سلسلۂ نبوت ورسالت کے آخری رسول ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کے آنے کے بعد سلسلۂ نبوت منقطع ہوگیا لیکن اس جملے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ ﷺ صرف آخری زمانے کے رسول ﷺ ہیں۔ ربِّ کائنات آپ ﷺ کو پوری کائنات کا رسول ﷺ قرار دیتے ہیں؛ چنانچہ قرآن مجید میں آیا:

''اے نبی ﷺ کہہ دو کہ اے انسانوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ﷺ ہوں''
(اعراف: ۱۵۸)

''اور (اے نبی ﷺ) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے

Marfat.com

مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں'' (سبا:۲۸)۔

احادیث میں بھی آیا:

''پہلے کوئی نبی خاص طور پر اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں عام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں'' (مسلم و بخاری)۔

''میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں'' (مسند احمد)۔

غور فرمائیں تو ''اے انسانو! تم سب کی طرف'' ''تمام ہی انسانوں کے لئے'' ''عام انسانوں کی طرف'' سے دو اور دو چار کی طرح عیاں ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جنسِ انسان یعنی جس ہستی پر انسان ہونے کا عمل چسپاں ہو، کی طرف اللہ کے رسول ﷺ ہیں خواہ وہ انسان اس دنیا اور دنیا میں بھی اونچے سے اونچے پہاڑ پر، گہرے سے گہرے سمندر میں، زمین کے علاوہ کسی دوسرے کرّے میں، آپ ﷺ کی آمد سے پہلے کے ادوار میں آباد رہا ہو، آج آباد ہے یا تا قیامت آباد ہوگا۔ پھر چونکہ آپ ﷺ سے پہلے انبیاءؑ اور رسلؑ انسان ہی تھے لہذا آپ ﷺ ان کے بھی رسول ﷺ یا دوسرے لفظوں میں آپ ﷺ نبی الانبیا ﷺ ہیں۔ جب ہم سید المرسلین ﷺ کا جملہ استعمال کرتے ہیں تو اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ ﷺ چونکہ تاریخِ انسانی کے کسی بھی دور میں آنے والے انسان کے رسول ﷺ ہیں اس لئے آپ ﷺ صرف نبی آخر الزماں ﷺ نہیں بلکہ ہر زمانے یا تمام زمانوں کے رسول ﷺ ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ تمام انسانوں کے رسول ﷺ ہیں اور تاریخِ انسانی کے ہر زمانے میں رہے ہیں اور رہیں گے۔

مزید یہ بھی کہ آپ ﷺ صرف تمام انسانوں اور تمام زمانوں کے رسول ﷺ ہی نہیں، تمام جہانوں کے رسول ﷺ بھی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں آیا:

''اے نبیؐ ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت کے طور پر'' (انبیاء:۱۰۷)۔

Marfat.com

ایک اور جگہ پر قرآن مجید میں آیا:

''بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے متنبہ کرنے والا ہو'' (فرقان: ۱)۔

یہ ''رحمۃ للعلمین'' اسی وزن پر ہے جس پر کہ ''رب العلمین'' مطلب یہ کہ رسول ﷺ ان تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ رب ہیں۔ آپ ﷺ کے نبی الانبیاء اور تمام انسانوں، زمانوں اور جہانوں کے لئے رسول ﷺ، رحمت اور نذیر ہونے کا مطلب ہے کہ پہلے انبیاء و رسلؑ کی نبوتیں اور رسالتیں اصل میں آپ ﷺ ہی کی نبوت و رسالت کا حصہ تھیں۔ بنا بریں سابقہ نبوتیں اور رسالتیں اس تکمیلی شان والی ہو ہی نہیں سکتی تھیں جتنی کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی یعنی اس وقت کی جب کہ احکاماتِ وحی کو مکمل کر دیا گیا۔ کچھ حلقوں کی طرف سے اس سوال کا اٹھایا جانا کہ نظامِ خلافت اگر اتنا ہی اہم ہے تو پہلے وقتوں میں اسے اسی شان سے کیوں نہ نافذ کیا گیا جتنا کہ آخری دورِ نبوت، کا بھی یہی جواب ہے۔

آپ ﷺ کے نبی الانبیاء ہونے سے ایک بہت بڑی حقیت سے پردہ اُٹھتا ہے اور وہ یہ کہ صرف اُلوہیت و خلافت میں ہی توحید نہیں، رسالت میں بھی توحید ہے۔ ایک تو اس طرح کہ پہلے والے ادوار میں یا تو ایک وقت میں ایک ہی نبیؑ مبعوث کیا جاتا یا ایک وقت میں دو یا زیادہ انبیاء مبعوث ہونے کی شکل میں ایک بہر حال ان میں سے سینئر ہوتا جب کہ دوسرے اسی کے مدد و معاون۔ پھر رسالت میں توحید اس لئے بھی ہے کہ اصل رسول نبی کائنات ﷺ ہی ہیں، پہلے والے انبیاء و رسلؑ آپ ﷺ کی اقتداء میں آپ ﷺ کی ہی ذمہ داری کو نبھاتے رہے ہیں۔ ایسا ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق آپ ﷺ پر ایمان لاتے اور بطور آپ ﷺ کے مددگار کام کرتے۔ قرآن میں یہی تو ہے، فرمایا:

''یاد کرو اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج ہم نے تمہیں کتاب و حکمت سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے

Marfat.com

پاس موجود ہو تو تم کو اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی مدد کرنا ہوگی"۔ یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا کہ "کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو" انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا "اچھا گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں" (آلِ عمران:۸۱)۔

اس کا مطلب ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر تمام انبیاءؑ و رسلؑ ایک تسلسل میں جو قیامِ خلافت کا کام کرتے رہے ہیں وہ کام وقتی، علاقائی، عبوری اور تدریجی شکل میں تھا نہ کہ تکمیلی۔ یعنی وہ صرف ان ہی تعلیماتِ وحی پر مبنی ہوتا تھا جو اس وقت تک نازل ہو چکیں ہوتیں۔ اصل میں ان ادوار میں تکمیلی پیمانے اور پائے کی خلافت قائم ہو ہی نہ سکتی تھی۔ تکمیلی پیمانے اور شان کی خلافت قائم ہوئی تو اس وقت جب ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ "آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے" (مائدہ:3)۔

غلط تصور رکھتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ نبی کائنات ﷺ کی رسالت صرف آپ ﷺ کے وقت سے تا قیامت ہے۔ آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے بھی انسان تھے اور ظاہر ہے آپ ﷺ ہر انسان کے رسول ﷺ ہونے کے ناطے سے ان تمام کے بھی رسول ﷺ تھے جو آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے گزرے۔ اوپر انبیاءؑ و رسلؑ کے جس عہد کا ذکر ہوا وہ پہلے انبیاءؑ و رسلؑ کی طرف سے ہی نہ تھا ظاہر ہے ان کے ناطے سے ان کی اقوام سے بھی تھا۔ بالفاظ دیگر تمام سابق انبیاءؑ و رسلؑ ہی آپ ﷺ کی اقتداء و پیروی میں کام نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کی اقوام بھی۔ اس اقتداء و پیروی کا اظہار اس واقعے سے بھی عیاں ہے جب معراج کی رات تمام انبیاءؑ و رسلؑ نے مسجد اقصیٰ میں نماز آپ ﷺ کی اقتداء میں پڑھی۔ ایسا کرنے کی کوئی دوسری ضرورت نہ تھی صرف اس حقیقت کو اُجاگر کرنا تھا کہ پہلے انبیاءؑ و رسلؑ آپ ﷺ ہی کی ذمہ داری کو نبھاتے رہے ہیں۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر پہلے آنے والے پیغمبرؑ نے آپ ﷺ کی آمد کی خبر دی، کچھ نے اشارۃً

Marfat.com

تو کچھ نے باقاعدہ نام لے کر۔ البتہ نبی کائنات ﷺ نے پہلی روش کے بالکل برعکس فرمایا تو یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، ہاں خلفاء آئیں گے اور بہت۔ کیونکہ رسول ﷺ کی نبوّت ورسالت شروع سے ایک تسلسل میں آرہی تھی لہٰذا آج ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ پہلے مبعوث ہونے والے انبیاء اور پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتب کو مانے، بصورتِ دیگر اسکا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ وہ نبوّتیں اور کتابیں کل کا ہی جز تھیں۔ کل کی تکمیل ہوتے ہی سلسلۂ نبوّت کو بھی منقطع کر دیا گیا تو تنزیل کتب کے سلسلے کو بھی۔ البتہ پہلے انبیاء اور کتب پر ایمان رکھنے کے باوجود وہ قابلِ پیروی نہ رہے اس لئے کہ تکمیلی دور کے احکامات وقوانین کی موجودگی میں جزوی تعلیمات واحکامات کی پیروی کا کوئی سوال نہیں۔ جزوی احکامات وقوانین کی پیروی کرنے والی امتوں کو لازم ہے کہ وہ کلی کے آتے ہی آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب کی پیروی کے پابند ہو جائیں۔

یہاں پر ایک دو مزید حقیقتوں پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مبعوث ہونے والے کسی نبی کو شاہد کے لقب سے نہیں نوازا۔ اس لئے کہ پہلے ادوار میں جزوی تعلیماتِ وحی اسی حد تک نافذ ہو سکتی تھیں جسقدر وہ تھیں۔ کلی نظامِ خلافت کو قائم کر کے دکھانے کی پابندی نہ تھی۔ اس لئے کہ وہ احکامات کسی کلی اجتماعی نظام پر محیط ہی نہ تھے۔ زیادہ تر احکامات سچائیوں پر مشتمل تھے تا کہ جن تک پہنچیں وہ بہتر انسان بنیں۔ اب اس آخری اور تکمیلی دور میں کلی اجتماعی نظام...... نظامِ خلافت قائم کر کے شہادت علی النّاس کا فرضِ منصبی نہ صرف رسول ﷺ کے لئے لازم قرار دیا گیا بلکہ ہماری اس آخری اُمّت کے لئے بھی۔ قرآن مجید میں آیا:

''اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ''اُمّتِ وَسَط'' بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو'' (بقرہ: ۱۴۳)۔

یعنی نظامِ خلافت وہی نظام ہے جس کی انتہائی چھوٹے پیمانے پر ابتداء تو حضرت آدمؑ سے ہی ہو گئی لیکن رہتی دنیا تک اس کی اقامت وشہادت لازم قرار پائی تو ہمارے اس تکمیلی دور

Marfat.com

میں، پہلے خودنبی کائنات ﷺ کے ذریعہ سے اور اب تا قیامت ''اُمّتِ وسط'' کے ذریعہ سے۔ مقامِ افسوس ہے کہ قیام ودوامِ خلافت کا اتنا عظیم کام جس کے کرنے کی سعادت امّتِ مسلمہ کو دی گئی آج حاملینِ منبر ومحراب کے بھی نزدیک یوں شکل اختیار کر گیا جیسے کہ اس کے بغیر بھی ''سب اچھا'' ہے۔

دوسری اہم بات ہم ایک سوال کی صورت میں کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ نظامِ خلافت جس کے قیام کی تکمیل خود نبی کائنات ﷺ نے صحابہؓ کو ساتھ لے کر کی' آج کہاں ہے؟ زیرِ آسمان دنیا کے کسی حصے میں نہ خلیفۃ المسلمین کا وجود ہے اور بنابریں نہ خلافت کا۔ اللہ کے نزدیک قرآن وسنّت کے احکامات پر مبنی نظام کا قائم کرنا اس قدر اہم کہ دوسری ہی وحی (پہلی وحی تو تعارفی تھی) میں رسول ﷺ کو اللہ کی کبریائی قائم کرنے کا پروگرام دے دیا گیا۔ قرآن میں آیا:

''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی کبریائی قائم کرو''
(مدثر:۱۔۳)۔

رسول کریم ﷺ نے بھی اس کو سنجیدگی سے لیا تو اسقدر کہ پورا دورِ نبوّت اسی کام میں لگا دیا۔ دنیا میں آئے تھے تو دورِ جہالت تھا' دنیا سے گئے تو دورِ خلافت تھا۔ آج کی دنیا میں بندوں کے خود ساختہ قوانین پر مبنی جمہوریت' اشراکیت اور آمریت جیسے باغیانہ نظام رواں دواں ہیں' نہیں ہے زیرِ آسمان کہیں تو اللہ ورسول ﷺ کا اہم قرار دیا ہوا قرآن وسنت پر مبنی نظامِ خلافت۔ رسوائی ہے آج دنیا بھر میں مسلمانانِ عالم کی تو وجہ رسوائی بھی ہے۔ قرآن مجید نے خود نشاندہی کی ہے کہ جب مسلمان ذلت ورسوائی سے دوچار ہوں گے تو اس کی وجہ کیا ہو گی۔ فرمایا گیا:

''تو کیا تم کتاب کے کچھ حصوں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اور کیا ہے کہ دنیا میں کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں اور

Marfat.com

آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں' اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو؟" (بقرہ:۸۵)۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آج مسلمانانِ عالم سخت ذلت و رسوائی سے دوچار ہیں۔ یہ امر اس حقیقت کا گواہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے آج قرآنِ مجید کے کچھ حصوں کو اس طرح ترک کر رکھا ہے جیسے کہ وہ کتاب میں ہیں ہی نہیں۔ قرآنِ مجید میں ایک واضح اصول بیان ہوا ہے اور وہ یہ کہ ہم مسلمانوں کے لئے رسول ﷺ کی زندگی بطور نمونہ ہے (احزاب:۲۱) یعنی ہم نے قرآن مجید کے کسی حکم پر عمل کرنا ہے تو لازماً صرف اس طریقہ پر جس طور رسول ﷺ نے اس حکم پر عمل کیا۔ کسی ایک حکم کی کیا بات آج ہم مسلمانوں کا اختیار کردہ دین اس دین سے مطابقت ہی نہیں کرتا جو رسول ﷺ نے امتِ مسلمہ کے سپرد کیا تھا۔ کیا یاد ہے آپ کو کہ رسول ﷺ کے سپرد کردہ دین میں خلیفۃ المسلمین کا وجود تھا؟ ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں۔ اس دین میں قرآنِ مجید کا لازم کردہ اولوالامر کا وجود تھا' ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں اس لئے کہ خلیفۃ المسلمین جو پوری اسلامی دنیا کا سربراہ ہوتا ہے کے بغیر اولوالامر وجود میں آتے ہی نہیں۔ سپرد کردہ دین میں قرآنِ مجید کا لازم کردہ شوریٰ کا ادارہ تھا ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں' اس لئے کہ خلیفۃ المسلمین کے وجود کے بغیر یہ ادارہ معرضِ وجود میں آتا ہی نہیں۔ سپرد کردہ دین میں امتِ مسلمہ کا وجود تھا' آج خلیفۃ المسلمین کی عدم موجودگی میں اور مرکزیت کے تباہ ہونے سے امتِ مسلمہ' اقوام میں بٹ چکی ہے۔ زیرِ آسماں امتِ مسلمہ کا وجود کہیں نہیں۔ ہم نے پانی بھی پینا ہو تو اسی طریقے سے جس طریقے سے رسول ﷺ نے پیا لیکن ہم اس حد تک دور چلے گئے کہ ہمارے اختیار کردہ دین اور اس دین میں جو رسول ﷺ نے امتِ مسلمہ کے سپرد کر کے گئے تھے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قرآنِ مجید کا یہ مطالبہ کہ ہم اسوۂ رسول ﷺ کو اختیار کریں اور ہمارا اس دین کو ہی اختیار نہ کرنا جو رسول ﷺ امت کے سپرد کر کے گئے تھے۔ "قرآنِ مجید کا یہ مطالبہ کہ "اولوالامر" کی اطاعت کی جائے اور ہمارے ہاں خود اولوالامر ہی کا نہ ہونا۔ قرآنِ مجید کا مطالبہ ہے کہ ہمارے ہاں شوریٰ ہو اور ہمارے

Marfat.com

ہاں آج اس ادارے کا نہ ہونا۔ قرانِ مجید کا مطالبہ ہے کہ امتِ مسلمہ کا وجود ہو اور ہمارے ہاں اس کا آج نہ ہونا کیا یہ دو اور دو چار کی طرح ظاہر نہیں کرتا کہ ہم نے قرآنِ مجید کے بڑے بنیادی حصوں کو ترک کر رکھا ہے۔ انڈے سے آپ اگر زردی نکال دیں تو وہ ایک ایسا بگڑا ہوا انڈا ہوتا ہے جو لاکھ سازگار ماحول پیدا کریں تا قیامت بچہ پیدا نہیں کر سکتا۔ کتاب وسنت گواہ ہے کہ جس دین سے ہم نے خلیفۃ المسلمین، اولوالامر، شوریٰ اور امتِ مسلمہ کو نکال رکھا ہے ایک بگڑا ہوا دین ہے۔ بگاڑے گئے دین سے ظاہر ہے بگاڑ ہی پیدا ہوگا، ہمیں اس سے وہ برکات حاصل نہیں ہو رہیں جو دورِ خلافتِ راشدہ کے مسلمانوں کو اصل دین اختیار کرنے سے ہوئی تھیں۔ بالفاظِ دیگر آج کی دنیا میں مسلمانانِ عالم ذلت ورسوائی سے دوچار ہیں تو اس لئے کہ وہ ایک مسخ شدہ اور بگاڑے گئے دین کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں آج دارالعلوموں کی کمی نہیں، لائبریریوں کی کمی نہیں، کتابوں کی کمی نہیں، علماء ودانشوروں کی کمی نہیں، تبلیغ وتدریس کی کمی نہیں لیکن بایں ہمہ ہم مسلمان ہیں کہ ذلت ورسوائی سے دوچار۔ اتنی بات ہماری سمجھ میں نہیں آرہی کہ بگڑے ہوئے دین کی تبلیغ و تدریس دن بدن خود بگاڑ میں اضافہ کر رہی ہے۔

علاج اس گھمبیر مسئلے کا یہی ہے کہ پوری اسلامی دنیا کو جس طرح رسول ﷺ ایک خلیفۃ المسلمین کی سربراہی میں لائے تھے، ہم بھی ان کی پیروی میں وہی کریں۔ خلیفۃ المسلمین کا وجود ہوگا تو نہ صرف پوری اسلامی دنیا ایک ملک کی شکل اختیار کر لے گی بلکہ اولوالامر، شوریٰ اور امتِ مسلمہ کا وجود بھی معرضِ وجود میں آجائے گا۔ ہمارا اختیار کردہ دین رسول ﷺ کے سپرد کردہ دین کے مطابق ہو جائے گا تو لازماً ہماری دنیا وآخرت سدھر جائے گی۔ اس دنیا کی ذلت ورسوائی سے چھٹکارے اور آخرت میں شدید ترین عذاب سے بچنے کا یہی حل ہے۔

Marfat.com

نظامِ زندگی ضروری لیکن کونسا نظامِ زندگی؟

Marfat.com

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کُند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام

Marfat.com

نظامِ زندگی ضروری لیکن کونسا نظامِ زندگی؟

انسان جب اس دنیا میں آوارد ہوا تو اسے بہر حال یہاں زندگی کی مدّت گزارنی ہے۔ نظام تو کئی ہو سکتے ہیں اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کونسا نظامِ زندگی وہ اختیار کرے جو اس کے لئے موزوں تر یعنی دنیا و آخرت دونوں میں اسے کامیابی سے ہم کنار کرے۔ یاد رہے چار بڑے بڑے ممکنہ نظام ہو سکتے ہیں۔

پہلا نظام یہ کہ کسی بھی خطہء زمین میں رہنے والا ہر فرد اپنا قانون ساز خود ہو یعنی ہر فرد اپنی من مرضی یا اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارے۔ چونکہ دو افراد کی خواہشات یکساں نہیں ہو سکتیں بلکہ اکثر ٹکراؤ کی صورت میں ہوتی ہیں لہذا یہ راستہ اختیار کرنے سے کوئی مجموعی نظام وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ اور جب اجتماعی نظام وجود پذیر ہو ہی نہیں سکتا تو ایسی انفرادی زندگی بھی ایک خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ ایک خطے میں مثال کے طور پر دس لاکھ افراد علیحدہ علیحدہ دائروں میں تو نہیں رہ سکتے' زندگی گزارنے کے لئے تو انہیں دوسروں سے رابطہ پڑتا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہوا کہ جب یوں ہر فرد کی مرضی کا نظام کوئی اجتماعی نظام وجود میں لا ہی نہیں سکتا تو یہ ویسے ہی ایک تصوّراتی نظام ہے۔ اسے نظاموں کی فہرست میں لانا ہی نہیں چاہئے۔ تو اصلی رہ گئے باقی تین نظام۔

باقی ماندہ تین نظاموں کی ہیئت و ترکیب بیان کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ متعدّد نظام۔۔۔ دو تین وغیرہ ہیں ہی کیوں؟ اللہ و رسول ﷺ کا عطا کردہ اور پسندیدہ نظام تو ایک ہی ہے۔ نوٹ فرمائیں' یہ ایک سے زیادہ نظام اس لئے معرضِ وجود میں آ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے بوجوہ انسان (اور کسی حد تک جن) جیسی ایک ایسی مخلوق پیدا کردی جسے کہ ایک مقررہ مدت اور مقررہ حد تک صوابدیدی اختیارات دے دیئے۔ یعنی جب کہ ہر دوسری مخلوق بشمُل آگ' پانی' ہوا' پہاڑ' گلہری وغیرہ ایک ہی نظام کی پابند ہیں۔ ان میں کوئی دوسرا نظام و ضابطہ اختیار کرنے کی

Marfat.com

صلاحیت ہی نہیں' انسان میں یہ فطری یعنی اللہ تعالیٰ کی خود عطا کردہ صلاحیت ہے کہ وہ چاہے تو ایک راستہ اختیار کرے اور چاہے تو دوسرا۔ چاہے تو نیکی کرے اور چاہے تو بدی کرے۔ چاہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوںؑ کی اطاعت کرے اور چاہے تو نافرمانی بلکہ چاہے تو جی بھر کر مخالفت کرے۔ اس بات کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ پر ذکر فرمایا۔ ایک جگہ پر آیا:

''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لئے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا'' (دھر:۳،۲)

اسی امتحان کی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین پر بھیجتے وقت ایک اور انداز میں تصدیق کی اور ساتھ ہی یہ بھی متنبہ کر دیا کہ صوابدیدی اختیارات (Discritional Powers) کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر انسانوں نے اللہ و رسول ﷺ کے احکامات کو پسِ پُشت ڈال کر کوئی من مرضی کا طریقِ زندگی اختیار کر لیا تو وہ ایسی آگ میں ڈالے جائیں گے کہ جو بجھنے والی نہیں۔ ملاحظہ ہو قرآن:

''ہم نے کہا کہ ''تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے' تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے' ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے' وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے'' (البقرہ: ۳۸۔۳۹)

اب ہم ان تین ایسے نظاموں کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے تاریخ کے کسی نہ کسی موڑ پر دنیا کی آبادی کے ایک خاصے بڑے حصے کو کنٹرول اور متاثر کیا ہے۔ ان میں سے پہلا نظام وہ ہے جو پوری انسانی تاریخ پر انسانوں نے ہر آسمانی ہدایت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی خواہشات و مفادات کی تکمیل میں خود تیار کر کے اس کے مطابق زندگیاں گزاری ہیں۔ یعنی ہے تو یہ نظام خود ساختہ اور انسانی خواہشات پر مبنی لیکن یہ فردی سطح کا نظام نہیں کہ جس کو ہم نے اوپر ناقابلِ عمل قرار

Marfat.com

دیا۔ یہ وہ نظام ہے کہ جیسے کسی خطہء زمین میں رہنے والے انسان یوں وضع کرتے ہیں کہ اجتماعی طور پر ان کی خواہشات و جذبات کو بروئے کار لائے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان چونکہ جذبات میں آ کر حیوانی سطح پر بھی آ جاتے ہیں لہذا یہ خودساختہ نظام خود حیوانی سطح پر آ جاتا ہے۔ ہم جنس پرستی اس کی تازہ مثال ہے۔ انسان ساختہ نظام خواہ وہ آمریت کی شکل میں ہو اشتراکیت کی شکل میں یا جمہوریت وغیرہ کی شکل میں، قرآن و سنّت سے ماوراء ہونے کی وجہ سے باغیانہ نظام اور بنابریں حرام ہیں۔ اس قسم کا نظام اس وقت پوری دنیائے کفر میں رواں دواں ہے۔

ایک اور نظامِ زندگی یعنی تین میں سے دوسرا نظام نہ خالص اللہ و رسول ﷺ کے عطا کردہ قوانین پر مبنی ہے اور نہ انسانوں کے خود ساختہ قوانین پر بلکہ دونوں طرح کے قوانین کا مغلوبہ ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کی عدالتوں میں عائلی اور وراثتی جیسے چند قوانین قرآن و سنّت کے مطابق ہیں جب کہ بیشتر قوانین وہی ہیں جو انگریزی ایوانوں میں بنے اور پاکستان میں تعزیراتِ پاکستان جب کہ بھارت میں تعزیراتِ ہند کے نام سے مستعمل ہیں۔ ہمارے ہاں جمہوریت بھی اسی طرح کی ہے جیسے بھارت میں یا دنیائے کفر کے کسی بھی دوسرے ملک میں۔ بنابریں وطنِ عزیز کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ یہ بکر دنبہ یا آدھا تیتر اور آدھا بٹیر کی مانند کا نظام اس وقت پوری دنیائے اسلام میں جاری و ساری ہے۔ تیسری نظام کی وہ قسم ہے جو خالص قرآن و سنّت کے قوانین پر مبنی ہوتی ہے اور جس کی موجودگی ہی میں وہ صورت پیدا ہوئی ہے جسے قرآنِ مجید "اُدخلوا فی السلم کافہ" سے بیان کرتا ہے۔ سوختہ بختی، نظام کی یہ قسم آج زیرِ آسماں دنیا کے کسی حصّے میں نہیں۔ یہ نظام جسے قرآن و سنّت خلافت کا نام دیتے ہیں دنیا میں آج کسی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے کہ آج جس دین کو ہم مسلمان اختیار کیے ہوئے ہیں، اس دین سے مختلف ہے جو رسول ﷺ اُمّت کے سپرد کر کے گئے تھے۔ سپرد کردہ دین میں خلیفۃ المسلمین، اولی الامر، شوریٰ، اُمّت (جو اقوام میں بٹ چکی) اور بیت المال کا وجود تھا جب کہ آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں۔ اسی آفاقی تبدیلی نے ہی وہ صورتِ حال پید کر رکھی ہے کہ آج

Marfat.com

کے مسلمان کتاب کے کچھ حصّوں کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور کچھ کا انکار۔

تو مجموعی طور پر نظامِ زندگی کی تین اقسام ہوئیں۔ایک خالص انسان ساختہ' دوسرا کچھ انسان ساختہ' کچھ اللہ و رسول ﷺ کا عطا کردہ اور تیسرا خالص اللہ و رسول ﷺ کا وضع کردہ۔جیسے کہ اوپر ذکر ہوا ان میں سے تیسرا یعنی نظامِ خلافت زیرِ آسماں آج کہیں نہیں۔چشمِ بینا حیران و ششدر کہ خلافت کا وہ نظام جو فطری ہے یعنی اس ہستی کا بنایا ہوا ہے جو انسان کا خالق ہونے کی بنا پر اس کے لئے بہترین قانون ساز ہے' آج دنیا میں کہیں نہیں جب کہ دوسرے ہر دو نظام باوجود اس کے کہ انسان ساختہ اور غیر فطری ہیں دنیا کے بیشتر حصّوں پر رواں دواں ہیں۔اسکی وجہ جاننے کے لیے کسی افلاطون کے دماغ کی ضرورت نہیں۔دنیا بھر کے دو مؤثر و مہیب گروہ ایسے ہیں' پہلا گروہ جو تعداد کے لحاظ سے بھی بہت بڑا ہے دنیا بھر کے کفار و مشرکین پر مشتمل ہے۔دوسرا قدرے چھوٹا لیکن بہر حال بہت مؤثر مسلم ممالک کے سربراہان کا ہے۔یہ دونوں گروہ صرف اس لئے ایڑی چوٹی کا زور نہیں لگا رہے ہے کہ جمہوریت و آمریت وغیرہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کریں بلکہ ان کی سر توڑ کوشش ہے کہ کہیں نظامِ خلافت جڑ نہ پکڑنے پائے۔خود مسلمانوں کا ہی ایک اور گروہ جسے نظامِ خلافت کا ممدومعاون ہونا چاہیے تھا' کلیجہ منہ کو آتا ہے بیان کرتے ہوئے کہ لاشعوری طور پر ہی سہی' قیامِ نظامِ خلافت کے متعلق سنجیدہ نہیں۔اس عظیم گروہ کے مزید تین سب گروہ ہیں۔علماء کرام کا ایک بڑا حصّہ موجودہ باطل نظام کا حصّہ بن کر جمہوریت وغیرہ کو ہی پروان چڑھانے کے درپے ہے۔جمہوریت' جمہوری اقدار' جمہوری اداروں کا فروغ اس سب گروہ کی کوششوں کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ایک وقت میں ظاہر ہے ایک ہی نظام کا مؤید و معاون ہوا جا سکتا ہے یعنی یا اسلام کا یا جمہوریت کا لہٰذا موجودہ سیاست میں حصّہ لینے والے علماء کرام کو مجبوراً قرآن و سنّت سے ماوراء اسلامی جمہوریت' اسلامی سوشلزم' اسلامی جمہوریہ وغیرہ جیسی اصطلاحات کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔اسلامی جمہوریت کا مطلب ہے بغاوت لیکن اسلام کے نام پر۔یعنی شراب ہو لیکن اسلام کے نام پر' جواء ہو لیکن اسلام کے نام پر' سود ہو لیکن اسلام کے نام پر یعنی اسلامی شراب' اسلامی جواء'

Marfat.com

اسلامی سودکاری وغیرہ۔ انسانی تاریخ پر کسی نبی کو یہ عبادت وبغاوت کے آمیزے کی نہ سوجھی۔ ہر نبی نے مروجہ باطل نظام کے ساتھ چلنے سے انکار کیا۔ یہ ''سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی بچے'' کی انوکھی ترکیب سوجھی تو آج کی گندی سیاست میں غلطاں دین کے علمبرداروں کو۔ علماء کرام کا دوسرا بڑا حصّہ' پہلے بیان کردہ حصّے سے بھی زیادہ مؤثر' حاملینِ منبرومحراب کا ہے۔ اتنا طاقتور اور مؤثر سب گروہ ہے حاملینِ منبرومحراب کا کہ انسان نے اپنی گوناں گوں ترقی کے علی الرّغم آج تک اتنا طاقتور کوئی ہتھیار نہیں بنایا۔ ہر سات دن کے بعد خطیب شہر کا مسلمانوں کے دلوں میں اتر نا' پوری دنیائے اسلام کے حاملینِ منبرومحراب اگر نظامِ خلافت کی بحالی کے یک نکاتی ایجنڈے کو لے کر آگے بڑھیں تو اس میں کیا شک کہ ''شبانی سے کلیمی دوقدم ہے''۔ کوئی وجہ نہیں کہ بحالیٔ خلافت کا کام چند مہینوں میں سر انجام نہ پائے۔ اوپر جن جمہوریت پرور اور خلافت دشمن دو گروہوں کا ذکر کیا گیا وہ بھی حاملینِ منبر ومحراب کی طاقت کو خوب سمجھتے ہیں۔ انہوں نے علماء کرام کے اس عظیم سب گروہ سے براہِ راست ٹکر لینے کی بجائے اسے گھمبیر سازش میں اُلجھا رکھا ہے۔ سازش یہ ہے کہ وقفے وقفے سے کوئی اسلام دشمن حرکت کر کے وارثانِ حاملینِ منبرومحراب کو جزوی مسائل کا شکار کیے رکھا جائے تا کہ وہ ''کل'' یعنی قرآن وسنت پر مبنی نظام خلافت کی بحالی کا ورق ہی پھاڑے رکھیں۔ جزوی مسائل جو پیدا کیے جاتے ہیں ڈھکے چھپے نہیں۔ کبھی سلمان رشدی سے خلافِ اسلام حرکت' کبھی تسلیمہ نسرین سے' کبھی کارٹونوں کے ذریعہ اہانتِ رسول ﷺ' کبھی قرآنِ مجید کی بے حرمتی۔ غوغائے حقوقِ نسواں' نصاب کی تبدیلی' مدرسوں پر یلغار' شعائرِ اسلام کی بے وقعتی' بچوں سے محنت کروانا وغیرہ بس ایسے موضوعات والزامات ہیں کہ ایک تسلسل کے ساتھ وقفے وقفے سے چسپاں کیے جا رہے ہیں۔ ایک پتھر مارا جاتا ہے اس کا زخم ابھی مندمل نہیں ہو پاتا' پھر دوسرا پتھر' پھر تیسرا تا کہ زخمی حالت میں کوئی بڑا کام سوچ ہی نہ سکے۔ وارثانِ منبرومحراب کو چند ہفتے جوش میں آنے اور جوش دلانے کے لیے موضوع مل جاتا ہے۔ جزدیات میں پھنسوں کو ''کل'' کی طرف آنے کی نوبت آئے تو کیسے؟ یوں آدھموا کر رکھا ہے حاملینِ جمہوریت وآمریت نے حاملینِ منبرومحراب کو۔ موضوع کو سنجیدہ

Marfat.com

ہے لیکن ایک چھوٹا سے لطیفہ جو صورتِ حال کی خوب وضاحت کرتا ہے۔ ایک سکھ نے شلوار کے ساتھ محض بنیان پہن رکھی تھی۔ بنیان میں جوؤں کی بھرمار تھی۔ جوئیں جب بنیان کے اندر اکٹھی ہو کر سردار صاحب کو تنگ کرتیں تو وہ بنیان کو اتار کر دوبارہ یوں پہنتا کہ بنیان کی اندر کی طرف باہر آجاتی اور باہر کی اندر۔ کچھ عرصے کے بعد جوئیں جب پھر اندر ہوجاتی تو سردار صاحب حسبِ سابق پھر بنیان کو اتارتا اور باہر کی سائیڈ اندر کر دیتا۔ سردار صاحب کا یہ مسلسل عمل دیکھ کر دیکھنے والے نے قدرے نرم آواز میں کہا کہ سردار صاحب اس طرح جوئیں ختم نہیں ہوں گی۔ بہتر ہے کہ بنیان کو اُبلتے پانی میں ڈالیں' جوؤں سے مستقل نجات مل جائیگی۔ سردار صاحب فی البدیہیہ بولے کہ "اوں ہوں' ان جوؤں کو تور تور کر (سفر کرا کرا) مارنا ہے۔ یہی روش ہے جو ہمارے انتہائی قیمتی اور جاندار گروہ یعنی حاملینِ منبر و محراب سے ہو رہی ہے۔ دشمنانِ اسلام ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت حاملینِ منبر و محراب کو اس قابل ہی نہیں ہونے دے رہے کہ وہ قیامِ نظامِ خلافت کے اس "کلی" کام کی طرف پلٹیں کہ جو دورِ نبوّت کا حاصل تھا۔ علماء کرام کا تیسرا گروہ دار العلوموں اور مدرسوں میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔ کاش یہ سب گروہ محض مولوی پیدا کرنے کی بجائے مسلمان انجینیئر' مسلمان ڈاکٹر اور مسلمان کارکن پیدا کرے۔

تو جمہوریت' آمریت' اشتراکیت وغیرہ کا اس لئے وقت کے اس موڑ پر بول بالا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مہیب گروہ ان کی پرورش و پرداخت میں دلجمعی سے مصروف ہیں۔ اس کے برعکس قیامِ نظامِ خلافت کے کام میں جو جیّد علماء اور عام لوگ شامل ہیں ان کی تعدادیوں جیسے آٹے میں نمک بلکہ اس سے بھی کم۔ یہ ہے اس سوال کا جواب کہ آج کی دنیا میں قدرتی اور فطری نظام۔۔۔ نظامِ خلافت تو زیرِ آسماں کہیں نہیں' دندناتے پھر رہے ہیں تو جمہوریت و آمریت جیسے باغیانہ اور حرام نظام۔

اس سارے الٹ پلٹ' غیر فطری نشیب و فراز اور حق کے مقابلے میں باطل کی چلت پھرت کا نتیجہ یہ ہے کہ پوری دنیا کے مکیں مسلم اور غیر مسلم دونوں آگ کے گڑھے پر کھڑے ہیں۔ سکون' راحت' اطمینانِ قلب جیسی اقدار کا قلع قمع ہو چکا۔ محبت' انس' رواداری' خیر خواہی کے

Marfat.com

سوتے خشک ہو چکے۔ ہر کسی کو خواہ ترقی یافتہ ملک میں رہ رہا ہے یا ترقی پذیر میں احساسِ محرومی کھائے جا رہا ہے۔ صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر انسانیت پگڈنڈیوں میں سرگرداں ہے۔ بحر و بر میں فتنہ و فساد نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ یہ بھی کہ دنیائے اسلام' دنیائے کفر سے بھی زیادہ اُلجھن اور زیادہ مشکل میں ہے۔ ایسا ہے تو کیوں؟ آئیں دیکھیں قرآن و سنّت کا مؤقف اس بارے میں کیا ہے؟

اوپر ذکر ہو چکا کہ خالص انسان ساختہ نظام' وہ جمہوریت کی شکل میں ہو' اشتراکیت کی شکل میں ہو یا کسی بھی اور قسم کی صورت میں دنیائے کفر میں رواں دواں ہے۔ خالص قرآن و سنّت پر مبنی نظامِ خلافت آج زیرِ آسماں کسی ایک انچ زمین پر نہیں۔ کچھ اللہ تعالیٰ کے قوانین پر' کچھ انسان ساختہ قوانین کا ملغوبہ نظام اس وقت پوری دنیائے اسلام میں جاری و ساری ہے۔ قرآن و سنّت کی رُو سے دنیائے اسلام میں رواں دواں منافقانہ نظام' اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کافرانہ نظام سے زیادہ قابلِ گرفت ہے جو اس وقت دنیائے کفر میں رائج ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے منافق' کافر کی نسبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ قابلِ گرفت ہے۔ اس حقیقت کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ کچھ اسلام' کچھ غیرِ اسلام پر مشتمل نظام خالص کافرانہ نظام سے زیادہ مہلک اور قابلِ گرفت ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے قرآنِ مجید آخرت میں کفار و مشرکین کے لئے سوائے عذاب کے کسی دوسرے اجر کا انکار کرتا ہے۔ دنیا میں بھی کئی کافر اقوام کو صفحۂ ہستی سے غلط حرف کی طرح مٹا دیا گیا ہے لیکن "خزی فی الحیاۃ دنیا" کا ذکر ان کے لئے نہیں۔ "خزی فی الحیاۃ دنیا" کا ذکر ہے تو ان مسلمانوں کے لئے جو قرآن کے کچھ حصّوں پر عمل کرتے ہیں اور کچھ پر نہیں۔ فرمایا گیا:

"تو کیا تم کتاب کے کچھ حصّوں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو" (البقرہ:۸۵)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے قرآنِ مجید کے حصّے ہیں جنہیں آج کے مسلمانوں نے

Marfat.com

چھوڑ رکھا ہے اور جن کے چھوڑنے کی وجہ سے وہ وقت کے اس موڑ پر ''ذلت و رسوائی'' سے دوچار ہیں۔ چند حصّوں کی تو کیا بات آج ہم مسلمانوں نے جس دین کو اختیار کر رکھا ہے وہ اس دین سے یکسر مختلف ہے جو رسول ﷺ امّت مسلمہ کے سپرد کر کے گئے تھے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ رسول ﷺ جو دینِ حق امّت کے سپرد کر کے گئے تھے اس میں خلیفۃ اللہ' اولی الامر' شوریٰ' امّت اور بیت المال کا وجود تھا یا نہیں؟ نہیں کا کیا سوال' دورِ جہالت تو دورِ جہالت تھا ہی اس لئے کہ اس میں مذکورہ پانچوں ادارے نہیں تھے اور دورِ خلافت' دورِ خلافت اس لئے قرار پایا کہ یہ پانچوں ادارے معرضِ وجود میں لائے گئے۔ وجود میں لائے بھی گئے تو اس لئے کہ یہ قرآنی تقاضے تھے۔ اقامتِ دین کا کام (شوریٰ:۱۳)' (مدثر:۳)' (نساء:۵۹)' (نور:۵۵) ان اداروں کے بغیر مکمل ہوتا ہی نہیں۔ آج یہ پانچوں ادارے ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں۔ کہاں ہے خلیفۃ المسلمین؟ کہاں ہے اولی الامر؟ کہاں ہے شوریٰ؟ کہاں ہے امّت مسلمہ (جو اقوام میں بٹ چکی)؟ اور کہاں ہے بیت المال؟ قرآن مجید میں یہ سب ہیں لیکن ہمارے ہاں نہیں۔ ہم تو عرصہ ہوا یعنی جب سے دورِ خلافتِ راشدہ کا اختتام ہوا ان اداروں کے بغیر یا بالفاظِ دیگر خود ساختہ دین کو اپنائے ہوئے ہیں اور وہ بھی جانتے بوجھتے۔ جانتے ہوئے ان سے تہی دست ہو گئے۔ جانتے ہوئے انہیں بحال نہیں کر رہے۔ کیا یہ منافقت نہیں؟ کیا منافق اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر سے زیادہ قابلِ گرفت نہیں؟ دونوں نظام باغیانہ تو ہیں ہی لیکن دنیائے کفر میں رائج باغی نظام وقت کے اس موڑ پر بہتر ہے اس نظام سے جو دنیائے اسلام میں رائج ہے۔ اسی لئے کفار و مشرکین آج کی دنیا میں بطور غالب قوّت ہیں جب کہ مسلمان مغلوب و معتوب۔ واعتبروا یا اولی الابصار۔

آج بھی پانچوں مذکورہ ادارے بحال ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ہم نظامِ خلافت کو پھر اس دھرتی کا مقدّر بنا دیں۔ یہی ایک کام ہے جو ہم کر گزریں تو ہمارے لئے دنیا و آخرت دونوں میں سرخروئی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ جیتے جی ہم چین سے کیوں بیٹھیں جب تک یہ ایک ''اصل اور ہنگامی کام'' سرانجام نہیں دے لیتے؟

Marfat.com

ووٹ......موجودہ نظام میں

گناہِ جاریہ

Marfat.com

بے خبر تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

Marfat.com

ووٹ...... موجودہ نظام میں گناہِ جاریہ

پیشتر اس کے کہ ہم موجودہ نظام میں ووٹ کی حیثیت کا تجزیہ کریں' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسلامی طریقِ انتخاب یا اس طرزِ انتخاب کا ذکر کریں جو دورِ خلافتِ راشدہ میں مروّج تھا۔اس سلسلے میں جان لیں کہ:

☆ دورِ نبوّت دو ادوار میں منقسم ہے۔مکّی دورِ نبوّت قیامِ خلافت کا دور ہے یعنی وہ دور کہ جس کے اختتام پر مدینہ میں ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست قائم ہوگئی جس کے سربراہ خود نبیٔ کائنات ﷺ تھے۔مدنی دورِ نبوّت بشمول خلافتِ راشدہ دوامِ خلافت کا دور ہے جس میں قائم شدہ ریاست وخلافت میں وسعت' استحکام اور غلبہء دین کا عمل مکمل ہوا۔یاد رہے قیامِ خلافت کا مرحلہ احتجاجی وانقلابی تحریک سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے' انتخابات کا کوئی سوال نہیں۔بلکہ اس دور میں انتخابات کا راستہ اختیار کیا جائے تو بات بنتی نہیں' مزید بگڑ جاتی ہے۔مدنی دورِ نبوّت میں تو رسول ﷺ کی موجودگی میں کسی چناؤ کا سوال ہی نہ تھا' دورِ خلافتِ راشدہ میں البتہ' خلیفۃ المسلمین کا انتخاب ہوا۔اس دور میں ایک مرحلہ پر جب مسنون طریقِ انتخاب کو نہ اپنایا گیا تو بات بگڑ گئی۔

☆ مسنون طریقِ انتخاب سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ وہ طریقہ جو رسول ﷺ نے اختیار کیا کیونکہ ان کی موجودگی میں تو جیسے ذکر ہوا' انتخابات کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔مسنون طریقِ انتخاب کا مطلب ہے وہ طرزِ انتخاب جو خلفائے راشدین نے اختیار کیا۔ایسا طریقِ انتخاب اس لئے مسنون ہے کہ رسول ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ "لازم ہے تم پر میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنّت"۔

☆ ہر خلیفہء راشد کا انتخاب قدرے مختلف طریقے سے ہوا لیکن درج ذیل فریم ورک کے

Marfat.com

اندر یعنی کم از کم درج ذیل نو قطعی اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے:

۱۔کوشش کی گئی کہ قیادت اہل تر کو سونپی جائے' جیسے کہ اللہ کا حکم ہے (نساء:۵۸)

۲۔حقِ حکمرانی صرف ایک حکمران یعنی خلیفۃ المسلمین کو سونپا گیا دو یا دو سے زیادہ کو نہیں' گو کہ اسلامی دنیا کی سرحدیں مراکش سے چین تک پھیل گئیں۔خلیفۃ المسلمین کی تعریف (Definition) ہی یہ ہے کہ وہ ہستی جو پوری اسلامی دنیا کی حکمران ہو۔

۳۔ولی عہد بنانے کی قطعی ممانعت۔

۴۔امیدوار کھڑے ہو کر کسی کو بذریعہ کنویسنگ اپنے حق میں کرنے کی دوٹوک نفی۔ہادیٔ برحق ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ "نہیں دیتے ہم عہدہ اسے جو اس کی مانگ کرے اور تانگ رکھے"

۵۔خلیفہ کا انتخاب محض اربابِ حل وعقد یا اولوالامر کی رائے سے' نہ کہ ہر بالغ' ایک ووٹ کے شیطانی طریقے سے۔یاد رہے خلیفۃ المسلمین کے عہدے کو تین دن کے اندر اندر پر کرنا ہوتا ہے' پوری امّت کو اس بکھیڑے میں ڈالا جائے تو مہینوں درکار ہوتے ہیں۔یہ بھی کہ اسلام ایک قاضی القضاء اور ایک بدو کی دانش وبصیرت کو یکساں قرار نہیں دیتا۔ایسا کرنا پورے انتخابی عمل کو بے معنی بنا دیتا ہے۔

۶۔قرآنی معیارِ اہلیت جو پانچ اوصاف یعنی ایمان (نور)' تقویٰ (حجرات:۱۳)' صلاح (نور:۵۵)' علم وجسم (بقرۃ:۲۴۳) پر مشتمل ہے کی سو فیصد پابندی۔یہ پانچ اوصاف انسانی ہر خوبی پر محیط ہیں۔

۷۔ایک دفعہ منتخب ہو جانے والی قیادت کو ہٹانا صرف درج ذیل تین صورتوں میں جائز ورنہ وہ تاحیات قائم ودائم:

۔وفات پا جانے کی صورت میں

۔ازخود معذرت کر لینے کی صورت میں

۔قرآنی معیارِ اہلیت میں سے کسی ایک یا کئی اہلیتوں میں کمی آنے کی صورت میں

Marfat.com

دورِ خلافتِ راشدہ میں مؤخرالذکر دونوں صورتوں کی نوبت نہ آئی' لہذا پہلی ہی صورت کو اختیار کیا گیا۔

۸۔اسلام عوامی نمائندوں کو ووٹ کا محتاج نہیں بناتا۔اس میں تو امیدوار کو کھڑے ہونے ہی کی اجازت نہیں' محتاجیِ ووٹ کا کیا سوال؟

۹۔اہلِ اقتدار تو بہرحال حزبِ اقتدار باقی پوری امت حزبِ اختلاف۔کوئی بھی امتی کسی بھی وقت قیادت کا احتساب کرسکتا ہے۔متحارب حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کی قطعی ممانعت۔

مذکورہ نو اصول اسلامی طریقِ انتخاب کے لازمی جز ہیں۔ان کی حیثیت چاردیواری یا فریم ورک کی ہے۔چاردیواری کے اندر دورِ خلافتِ راشدہ میں بھی بعض اوقات اختلاف کیا گیا اور آج بھی کیا جاسکتا ہے۔اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اہل الرائے اپنی رائے کا اظہار بذریعہ ووٹ کرتے ہیں یا بذریعہ بیعت' اصل چیز مذکورہ نو اصولوں کی پابندی ہے۔بلکہ یہ پابندی اس قدر دوٹوک اور قطعی ہے کہ اسلام کی گاڑی پٹڑی سے اتری تو اس وقت جب ان اصولوں پر مبنی طرزِ انتخاب کو بدل دیا گیا۔پہلے خلافت بذریعہ بیعت بنتی تھی' بات بگڑی تو اس وقت جب بذریعہ حکومت بیعت ہونے لگی۔

موجودہ طرزِ انتخاب اور اس کی تباہ کاریاں

ہمارے ہاں کا مروّجہ طرزِ انتخاب مندرجہ بالا نو اصولوں یا دوسرے لفظوں میں قرآن وسنّت کی تعلیمات کی مخالفت میں بنایا گیا ہے۔یہ غیر مسلموں کا وضع کردہ ہے اور اس کی بنیاد 51/49 یعنی اکثریت کی جیت پر ہے۔اسلام اس بنیاد ہی کو غلط' گمراہ کن اور نامعقول قرار دیتا ہے۔قرآن مجید میں بار بار آیا "اکثر الناس لایعلمون" یا "اکثر الناس لایعقلون" کہ ناس کی سطح پر ایسی آبادی جس میں مسلم اور غیر مسلم سب ووٹ دیں اور جس کی بنیاد ہر بالغ فرد کے ووٹ پر ہو ہمیشہ جاہل آگے آتے ہیں اس لئے کہ دنیا میں اکثریت ہمیشہ جاہلوں اور بے عقلوں کی ہوتی ہے۔بلفاظ دیگر اسلام اکثریت والی اس بنیاد ہی کی دوٹوک نفی کرتا ہے۔حق رائے دہی دیتا ہے تو صرف ایسے اولوالامر

Marfat.com

یعنی ایسے افراد کو جو پہلے ہی قرآنی معیارِ اہلیت کی بنا پر منتخب ہو کر ایسی پوزیشنوں پر متمکن ہوں جہاں پالیسی امور طے ہوتے ہیں۔ ہرایرے غیرے کو یہ اہم ذمہ داری نہیں سونپی جاسکتی۔

ہمارے ہاں کا مروّجہ طرزِ انتخاب تو ویسے ہی قمار بازی کی ایک بھیانک اور وسیع تر شکل ہے۔ جوئے کی فقہی تعریف یہ ہے کہ ایسا کھیل جسمیں چند جوئے باز سرمایہ لگاتے ہیں۔ پورے لگائے گئے سرمایہ کا فائدہ ایک جوئے باز لے اڑتا ہے' باقی تمام ہاتھ ملتے گھر لوٹتے ہیں۔ یہی تو ہمارے ہاں انتخابات میں ہوتا ہے۔ ایک حلقے میں چند افراد سرمایہ لگاتے ہیں۔ پورے لگائے گئے سرمائے کا فائدہ منتخب ہونے والا قمار باز لے اڑتا ہے' باقی تمام ہاتھ ملتے گھر لوٹتے ہیں۔ تھڑے پر جوا کھیلنے والے قمار بازوں اور انتخاب لڑنے والے جوابازوں میں البتہ ایک فرق تو یہ ہوتا ہے کہ تھڑے پر کھیلنے والے معمولی سرمایہ لگاتے ہیں جب کہ انتخابات لڑنے والے لاکھوں کی سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ تھڑے پر جواء کھیلنے والوں کو پولیس آ پکڑتی ہے جب کہ انتخابی قمار بازوں کو خود حکومتِ وقت ہر سہولت میسّر کرتی ہے تا کہ وہ جی بھر کر کھیلیں۔ پھر تھڑے پر چھوٹے پیمانے پر قمار بازی کرنے والوں کے خلاف علماء کرام فتویٰ صادر کرتے ہیں جبکہ انتخابی قمار بازی علماء کرام خود کھیلتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ غیر مسلموں کا وضع کردہ اور ہمارے ہاں کے نااہلوں اور ناہنجاروں کا بغیر سوچے سمجھے اختیار کردہ طرزِ انتخاب بنیادی طور پر غلط' جہالت پر مبنی اور گمراہ کن اور حقیقتاً اللہ و رسول ﷺ کے خلاف جنگ ہے۔ اللہ کے قانون پر مبنی خلافت کی بجائے' عوام یا جمہوریت کے بنائے ہوئے قوانین پر مبنی جمہوریت کو اختیار کرنا ویسے ہی بدعہدی' بغاوت اور حرام ہے۔ آئیں' ایسے میں ''ووٹ لینے والے'' اور ''ووٹ دینے والے'' دونوں کی حیثیت کا سرسری جائزہ لیں۔

ووٹ لینے والے کی حیثیت

ظاہر ہے جب کوئی مسلمان موجودہ نظام یعنی نظامِ جمہوریت میں چھلانگ لگاتا ہے تو وہ ایک باغیانہ اور حرام راستے کو اختیار کرتا ہے۔ یاد رہے اللہ کے قانون کی بجائے بندوں کے

Marfat.com

قوانین کو اختیار کرنا سب خرابیوں کی جڑ اور ایک طاغوتی عمل ہے۔اس میں کیا کلام کہ آج سب خرابیاں ہیں ہی اس وجہ سے۔نظامِ جمہوریت جو بھارت میں بھی ہے' برطانیہ اور اکثر غیر مسلم ممالک میں بھی' سے سمجھوتہ کرنا شرک یا نا قابلِ معافی جرم تو ہے ہی' اس پر مزید جمہوریت اور جمہوری اداروں کی مانگ کرنا اور اس کے حصول کے لئے تگ و دو کرنا ایسا ہی ہے جیسے فرعون اور نمرود کے نظام سے سمجھوتہ کرنا۔اگر کوئی یہ حماقت کرتا ہے کہ جمہوریت کے ذریعہ اسلام قائم ہو تو وہ خود موقع فراہم کرتا ہے کہ اسے جہنّم رسید کیا جائے' اس لیے کہ وہ مسنون زندگی گزارنے کی بجائے من مرضی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔اس میں کیا شک کہ کسی پیغمبرؑ نے اسلامی نظام لانے کے لیے طاغوتی راستہ اختیار نہیں کیا۔کارِ نبوّت شروع کرتے ہی اس نے مروّجہ معاشرے کو اپنے پیچھے لگایا ہے' خود بگڑے ہوئے معاشرے کا حصّہ نہیں بنا۔لا الٰہ الاّ اللہ میں یہی عظیم حقیقت تو مضمر ہے کہ طاغوت کا انکار تو اللہ کا اقرار۔طاغوتی معاشرے سے دوٹوک انقطاع۔مشرکین مکہ بار بار رسول ﷺ کے پاس یہ پیشکش لے کر آئے کہ آپ ﷺ کچھ مداہنت کریں تو وہ بھی مداہنت کریں (یونس:۱۵) لیکن نبی کائنات ﷺ نے ایک قدم بھی نظامِ باطل کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور یہ سب کچھ ایک پُرامن احتجاجی اور انقلابی جدّ و جہد سے کیا۔

یہ تو ہوئی ووٹ لینے والے کی عمومی حیثیت لیکن جب وہ باطل نظام کے باطل طرزِ انتخاب میں داخل ہوتا ہے تو پہلے ہی قدم پر وہ ایک بہت بڑی اور بھیانک چھلانگ لگاتا ہے۔سوختہ بختی وہ اسلام سے غیر اسلام میں داخل ہوتا ہے۔مروّجہ نظام سے سمجھوتہ کر کے وہ باطل نظام پر مہرِ قبولیت ثبت کرتا ہے۔یہ ایک بڑا ہولناک قدم اٹھانے کے بعد پھر وہ پے در پے ایک ایک کر کے قرآن و سنّت کے احکامات کو توڑتا چلا جاتا ہے۔مثلاً

ا۔جب وہ امیدوار کھڑا ہو کر عوام سے ووٹ مانگتا پھرتا ہے تو اسلام کے اس بنیادی ضابطے کو توڑتا ہے جسمیں رسول ﷺ نے فرمایا ''نہیں دیتے ہم عہدہ اسے جو اسکی مانگ اور تانگ کرے'' (بخاری)۔

Marfat.com

۲۔انتخابی مہم ہی میں جب وہ سرمایہ جھونکتا ہے تو قرآنِ مجید کے اس ضابطے کو توڑتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے مطالبے کو مسترد کر دیا جو سرمائے کے بل بوتے پر چناؤ چاہتے تھے۔ (بقرۃ:۲۴۳)۔

۳۔دورانِ انتخابی مہم ہی جب وہ ہر دلعزیز' نڈر' صالح' نیک' روشن خیال' خادم' بے لوث وغیرہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو شریعت کے اس حکم کو توڑتا ہے جس میں اپنی تعریف آپ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔اس میں جھوٹ اور فریب دہی کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے۔

۴۔انتخابی مہم کے دوران وہ ان مہمل سہاروں کا سہارا لینے سے بھی دریغ نہیں کرتا جن کی اسلام سخت مخالفت کرتا ہے۔وہ برادری' حسب نسب' خون' نسل' زبان' علاقے' رشوت' سفارش وغیرہ یعنی ہر جھوٹے ساز کی تار پر ہاتھ رکھتا ہے۔ہونے یا نہ ہونے والے ترقیاتی کاموں کا وعدہ کرتا ہے۔بس چلے تو ووٹ کی خرید وفروخت سے بھی نہیں چوکتا۔

۵۔ظاہر ہے منتخب نہ ہونے کی صورت میں منہ چھپاتا پھرتا ہے۔راتیں جاگ کر خسارے کو پر کرنے کی سکیمیں بناتا ہے لیکن منتخب ہونے کی صورت میں وہ ایسا حلف اٹھاتا ہے جس میں قرآن وسنّت کے تحفظ کا نہیں اس آئین کا ذکر ہے جو بندوں نے اپنی خواہشات ومفادات کی تکمیل میں بنایا ہوتا ہے۔وہی خود ساختہ کتابچہ جو کم وبیش اسّی فیصد قرآن وسنّت کے خلاف ہے (ملاحظہ ہو''سبق پھر پڑھ'' کا جنوری ۲۰۰۳ء کا شمارہ) صرف اس ایک مثال سے اندازہ لگالیں کہ غیر مسلموں کو عدلیہ میں شامل کرتا ہے۔حالانکہ عدلیہ اولوالامر کا حصّہ ہے اور الوالامر کے متعلق قرآن میں آیا ہے''اولی الامر منکم'' یعنی اولی الامر مسلمانوں میں سے ہونے چاہئیں (بقرۃ:۵۹) توبہ' استغفر اللہ اس کتابچے میں تو یہ لکھا ہے کہ کوئی ضابطہ (قرآن وسنّت کا بھی) اس وقت تک اس ملک میں قانونی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا جب تک کہ پارلیمنٹ اسے منظور نہ کرے۔اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات اور محتاج ہوں بندوں کی منظوری کے' ایسے دستاویز کے طاغوتی ہونے میں کیا شک؟

۶۔حلفِ وفاداری کے بعد پھر منتخب ہونے والا اس ایوان میں براجمان ہوتا ہے جس میں بیٹھنے کی

Marfat.com

اسلام صرف مجتہدین کو اجازت دیتا ہے۔ شوریٰ کے ارکان، جنہوں نے قرآن و سنّت سے استنباط کر کے مشورہ دینا ہوتا ہے، کے لئے لازمی ہے کہ انہیں حالاتِ حاضرہ کے علاوہ قرآن و سنّت پر اس قدر عبور ہو کہ اجتہاد کر سکیں۔ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگوا تیلی، ایوان میں تو غیر مسلم تک براجمان ہوتے ہیں۔

۷۔ سوختہ بختی یہ وہی ایوان ہے جو استحقاق رکھتا ہے کہ شریعت بل، حسبہ بل وغیرہ اسکے ہاں منظوری کے لئے پیش ہوں، فرعونیت اور کسے کہتے ہیں؟

۸۔ ایوان میں بیٹھ کر وہ قرآن و سنّت کے درجنوں احکامات کو اس وقت توڑتا ہے جب ایک چھت کے نیچے مرد و زن نہ صرف آمنے سامنے ہوتے ہیں بلکہ آواز کستے اور چسکیاں لیتے ہیں۔ وہ حوا کی بیٹی جسے نماز تک میں آواز بلند کرنے کی اجازت نہیں، اس اجازت کو توڑتی ہے تو جی بھر کر۔

۹۔ یہ تو ہوئی ایوان کے اندر کی بات، منتخب نمائندے کو ایوان کے باہر کم از کم دو پاپڑ ضرور بیلنے پڑتے ہیں:

پہلا پاپڑ یہ کہ آج کی دنیا میں جس قدر استحصال، شر، فساد، بدامنی، بے انصافی، رشوت، سفارش، اقرباء پروری، لاقانونیت، تعصب وغیرہ ہے اس کا بنیادی سبب ایک فرد کا دوسرے افراد کے ووٹوں کا محتاج ہونا ہے۔ بڑی بڑی آفتیں، سیلاب، زلزلے، ایٹم بم کی ہولناکیاں وغیرہ انسانیت کے لئے اس قدر مہلک ثابت نہیں ہوئیں جس قدر کہ ایک فرد کا دوسرے فرد کے ووٹ کا محتاج ہو جانا۔ ووٹ لینے والے نے ووٹ دینے والے کو بہر قیمت اس لئے خوش رکھنا ہوتا ہے کہ ووٹ "پکا" رہے۔ "چٹ کلچر" اور "فون کلچر" اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ کرپشن، رشوت، سفارش جیسے متعدد ناسور محتاجیِ ووٹ کا شاہکار ہیں۔

ایک فرد کے دوسرے فرد کے ووٹ کے محتاج ہو جانے کی یہ ہولناکیاں تو مقامی سطح کی ہیں، ملکی و قومی سطح پر صورتِ حال اس وقت مزید بھیانک ہو جاتی ہے جب وزارتِ عظمیٰ اور وزارتِ اعلیٰ کے خواہشمندوں کو ارکانِ اسمبلی کو ورغلانا اور ہمنوا بنانا ہوتا ہے۔ عوامی نمائندوں کی خرید و

Marfat.com

فروخت کا بازار گرم ہوتا ہے۔ بریف کیسوں کے منہ کھول دیئے جاتے ہیں۔ وزارتوں کارخانوں' فیکٹریوں' ملازمتوں' بیرونِ ملک سیر سپاٹوں کے وعدے ہوتے ہیں۔ یوں رشوت دے کر اور جائز و ناجائز وعدوں سے بات بنتی نظر نہ آئے تو مہمان نوازی' اغوا اور قتل تک سے گریز نہیں کیا جاتا۔ غرضیکہ حصولِ ووٹ کی خاطر ہر وہ حربہ استعمال کیا جاتا ہے کہ جو کارگر ثابت ہو۔

دوسرا یہ کہ کسی بھی عوامی نمائندے کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ آئندہ الیکشن میں پھر کامیاب ہو۔ ظاہر ہے شیطانی طرزِ انتخاب میں ''سرمایہ'' ہی کامیابی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ کسی غریب مسکین کی کیا بساط کہ وہ الیکشن لڑنے کی جسارت کرے۔ لہٰذا عوامی نمائندے کی ہمہ وقت اور ہمہ جہت کوشش ہوتی ہے کہ خزانہ بھرے' جائز و ناجائز ہر حربے سے تاکہ کل کو انتخابی جنگ میں کام آئے۔ موجودہ نظام میں تو مطلوبہ ''ٹکٹ'' خریدنا ہی کارے دارد۔

ووٹ دینے والے کی حیثیت

ووٹ دینے والا' خواہ اپنی طرف سے مزعومہ پارسا سے پارسا امیدوار کو ووٹ دے کر ''گناہِ جاریہ'' کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ جب وہ ووٹ کی پرچی پر ٹھپہ لگاتا ہے تو وہ باطل نظام کا حصہ ہی نہیں بنتا' اللہ و رسول ﷺ کی مخالفت میں رواں دواں نظام پر مہرِ قبولیت ثبت کرتا ہے۔ مسلمان اور باطل نظام سے سمجھوتہ کرے' تضاد ہے۔ وہ تو ایسی منافقت کا مرتکب ہوتا ہے جس کی سزا جہنم میں بھی شدید تر ہے۔ پھر وہ منتخب ہونے والے کی ہر اس سرگرمی میں شامل ہوتا ہے جو وہ نظامِ باطل کی پرورش و پرداخت میں صرف کرتا ہے۔ کسی دوسرے کی عیش و عشرت کے لئے خود کو انویسٹ کرنا بڑا ہی خسارے کا سودا ہے۔

خود ووٹ کی حیثیت

کسی سیلاب' کسی زلزلے' کسی طوفان' کسی ایٹم بم نے انسانیت کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا ووٹ اور ووٹ کی محتاجی نے۔ اعوذ باللہ من ذلک۔

Marfat.com

قانونِ فطرت

Marfat.com

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

Marfat.com

قانونِ فطرت

قانونِ فطرت کی خلاف ورزی کرنے والے کو قانونِ فطرت ہی دھر لیتا ہے۔ معاملہ خواہ مادی' اقتصادی' معاشی و معاشرتی ہو یا دینی' روحانی و اخلاقی۔ اللہ فاطر السمٰوٰت والارض کی یہ دنیا کوئی طلسماتی کارخانہ نہیں ہے کہ چند کلمات کہہ دینے سے' خواہشوں یا دلی ارادوں کے مطابق حقیقی واقعات ظاہر ہوتے چلے جائیں گے۔ کائنات نہایت محکم اصولوں پر قائم ہے۔ یہاں کوئی واقعہ ان قوانین سے مطابق و موافقت اختیار کئے بغیر ظاہر نہیں ہوتا۔ جن پر دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ جو شخص یا قوم اپنے لئے کوئی حقیقی خوشحال مستقبل دیکھنا چاہتی ہے' اس کے لئے لازم ہے کہ وہ فطرت کی اٹل بنیادوں پر اپنے عمل کی منصوبہ بندی کرے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو مدبر الامر کی اس دنیا میں اس کا کوئی اچھا انجام نہیں خواہ وہ اپنے بارے میں کتنا ہی پر وثوق اور بہت زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہو۔

اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک کسی انسان کو اس دنیا میں اپنی حیثیت' عہدہ و مقام' مقصدِ وجود و منزلِ مقصود اور اپنے فرائض و حقوق کا علم نہ ہو وہ نہ تو با مقصد زندگی بسر کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے فرائض سے کما حقہ عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ ایسا شخص اپنی منزل سے دور تو ضرور ہو سکتا ہے لیکن کامیابی سے ہمکنار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ آیئے' اب ہم تحقیق کرتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

اللہ العدل فرماتا ہے: ”کیا یہ (جن و انس) اللہ کے دین (اسلام) کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں؟ (اللہ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں) حالانکہ آسمان و زمین میں ہر چیز چار و ناچار اسی کی اطاعت کر رہی ہے۔ (یعنی اس کے دیئے گئے نظام کی پابندی کر رہی ہے) اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“۔ (آل عمران: ۸۳)۔

Marfat.com

''جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش میں ہو اس کا دین نامقبول ہوگا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا'' (اسلامی نظامِ حیات سے ہٹا ہوا ہر قول و فعل اکارت ہوگا) (آلِ عمران::۸۵)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کائنات میں انسان کی کیا حیثیت ہے؟ مذکورہ بالا آیت نمبر 83 کے مطابق جب ہر چیز اللہ القادر کے احکام کی خوشی یا ناخوشی سے اطاعت کر رہی ہے تو انسان بھی انہی میں سے ایک اہم جزو ہونے کی بناء پر اطاعت کر رہا ہے۔ خواہ اسے اس کا شعور ہے یا نہیں۔

سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۷۲ کے مطابق آسمان، زمین اور پہاڑوں کے امانت کا بوجھ اٹھانے کے انکار پر وہ بوجھ انسان نے اٹھالیا۔ امانت سے مراد ''کرنے نہ کرنے کا اختیار'' ہے جسے عقل و شعور بھی کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان مکلف و مسئول ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''پاگل تندرست ہونے تک، بچہ جوان ہونے تک اور سویا ہوا جب تک جاگتا نہیں، ان کی کوئی بات لکھی نہیں جاتی''۔ (صحیح بخاری کتاب الطلاق والحدود) غور کیا جائے کیا کسی گھوڑے کو اپنے خوبصورت و طاقتور ہونے کا شعور و فخر ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی عقل و شعور کی بناء پر انسان اپنے ہر قول و فعل میں خودمختار و آزاد ہے۔ لیکن دوسری کوئی مخلوق آزاد و خودمختار نہیں اور وہ اسی محکم نظام کی پابندی کرتی ہے جو خالق نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے، اس میں وہ بال برابر بھی فرق نہیں کر سکتی، ازل سے ابد تک وہ اسی نظام کی پابندی کرتی رہے گی کیونکہ وہ نظام اس کی جبلت میں پیوست ہے۔ اس میں بھی اللہ المدبر الامر کی ایک بہت بڑی حکمت ہے۔

اگر یہ نظام متغیر، متبدل اور غیر مستقل ہوتا تو انسان ان کے متعلق اصول و ضوابط وضع نہ کر سکتا اور نہ ہی مستقبل کی منصوبہ بندی کر کے پیش گوئیاں کر سکتا، دانہ کو زمین ہی میں بویا جاتا ہے پتھروں یا سمندر میں نہیں۔ گدھے کو گوشت اور شیر کو چارہ نہیں کھلایا جا سکتا، وہ بھوکے مر سکتے ہیں لیکن ان کی جبلت میں تبدیلی ناممکن ہے کیونکہ اللہ القادر کا قانون بدلا نہیں کرتا۔ (الفتح:۲۳)

Marfat.com

فارسی کا ایک مشہور مقولہ ہے ''جبل گردد جبلت نگردد'' یعنی پہاڑ تو اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے لیکن جبلت نہیں ٹلتی۔ یہی وہ چیز ہے جسے اللہ الخالق نے جب خوشی سے یا زور سے ماننے کیلئے کہا تو زمین و آسمان نے خوشی سے اطاعت کرنے کا اقرار کرلیا۔ جن و انس کے سوا ہر چیز کو جو کچھ اسے آخر دم تک کرنا ہے وہ اسے سمجھا دیا گیا' وہ قیامت تک اسی کی پابندی کرتی رہے گی۔ (حمٰ السجدہ: ۱۱'۱۲) یہی وجہ ہے کہ ان کی کارگزاری سے کہیں اور کبھی گڑبڑ واقع نہیں ہوتی۔ یہ تو حضرت انسان ہی ہے کہ اپنی آزادی و خود مختاری کی بدولت اس کائنات میں فساد کا موجب بنتا ہے۔ اللہ القہار اسے سزا بھی دیتا ہے تاکہ وہ غور و فکر سے کام لے' اپنے کردار اور کائنات کی دوسری اشیاء پر گہری نظر رکھے' موازنہ کرے اور اس حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے کہ اسے بھی دیئے گئے نظام کی پابندی دل کی خوشی سے حتی الامکان من و عن کرنا چاہیئے تاکہ ارضی دنیا میں فساد برپا نہ ہو جو اسلام کا اصل ہدف ہے۔

انسان کی اصل حیثیت پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ بعض امور میں یہ اطاعت کرنے پر مجبور ہے اور بعض میں آزاد و خود مختار' اول کو احکام کونیہ کہا جاتا ہے۔ (آل عمران: ۸۳) اور دوئم کو احکام شریعہ (الجاثیہ: ۱۸) جو اللہ الفاطر نے اس کی فطرت کے عین مطابق وضع کئے ہیں۔ (الحج: ۷۸) اور ان کی اطاعت بھی اس کی فطرت میں سمودی ہے جسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا (الروم: ۳۰) اور اس سے بال برابر ادھر اُدھر ہٹنا شرک ہے۔ (یونس: ۱۰۵) لیکن اس حقیقت کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔

احکامِ شریعہ کی حسب استطاعت (البقرہ: ۲۸۶) پابندی اسی طرح لازمی ہے جس طرح احکام کونیہ کی پابندی پر انسان مجبور ہے۔ زندگی و موت' سانس کی آمد و رفت' خوراک کا استعمال اور فاضل فضلہ کا اخراج وغیرہ' انسان ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا' یہی وہ قوانینِ فطرت ہیں جن کی خلاف ورزی سے وہی اسے پکڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح مادی معاملات میں بھی انسان نظامِ کائنات کی پابندی پر مجبور ہے۔ پانی کو پٹرول اور پٹرول کو پانی کی جگہ استعمال نہیں کیا جا سکتا'

Marfat.com

دن کے وقت سورج کی روشنی میں ہر کام بآسانی کیا جا سکتا ہے لیکن غروبِ آفتاب کے بعد انسان روشنی کا انتظام کرنے پر مجبور ہے۔ خشک و ہموار زمین پر انسان بہ سہولت چل پھر سکتا ہے لیکن گہرے پانی میں نہیں۔ وہاں کوئی دوسرا انتظام اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ کسی درخت سے لکڑی حاصل کرنے کیلئے کاٹی جانے والی لکڑی کی جڑ کی طرف بیٹھ کر اس کے سرے کی طرف کاٹنے پر مجبور ہے۔ اسی طرح انسان کے اپنے بنائے ہوئے اصول وضوابط کی خلاف ورزی بھی ایسے ہی نتیجہ کی حامل ہوتی ہے۔ ذرا متوجہ ہوں! پاکستان میں ٹریفک قانون کے مطابق ہر گاڑی سڑک پر بائیں ہاتھ چلائی جاتی ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والا یا تو حادثہ کا شکار ہوگا یا برموقع علم ہو جانے پر قانون کے شکنجہ کا شکار ہوگا۔ پس یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ قانونِ فطرت کی خلاف ورزی کرنے والا اسی قانون کی زد میں آجاتا ہے۔ لہٰذا قوانین فطرت کی مطابقت وموافقت ہی میں عمل کرنے سے انسان خوشحالی کا منہ دیکھ سکتا ہے۔

انسان صرف عورت ہی کے ذریعے سے اولاد حاصل کر سکتا ہے۔ مرد سے یا کسی بھی اور جنس سے نہیں۔ اسی طرح کوئی مادہ جوان ہونے کے بعد گابھن ہوئے بغیر اور مدتِ وضعِ حمل پوری کر کے بچہ جنے بغیر دودھ نہیں دے سکتی۔ خواہ کوئی جتنے مرضی جتن لگالے۔ پس ہر انسان کو ہر وقت یہ حقیقت ذہن نشین رہنا چاہئے کہ سب سے بڑا قانون فطرت کا قانون ہے جو چیز قانونِ فطرت کے تحت ملنے والی نہ ہو کوئی انسان اسے کسی اور ذریعہ سے حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی ایسا کرنے کی کوشش کرے گا دردناک پریشانی کا شکار ہوگا' کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ (محمد:۳۲)

جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اللہ المدبر نے ہر چیز کو اس کا فرضِ منصبی بتا دیا جس میں وہ تبدیلی کی مجاز نہیں تو کیا کوئی انسان اپنی مرضی سے ان کے فرضِ منصبی سے ہٹ کر کام لے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ آزاد منش انسان ان سے مثبت ومنفی دونوں طرح کے کام لے سکتا ہے۔ مثلاً لوہا' آگ' بجلی اور ایٹم وغیرہ اسی طرح روحانی' اخلاقی اور جنسی معاملات میں بھی یہ آزاد

Marfat.com

ہے کہ قانونِ فطرت کی موافقت کرے یا مخالفت۔ ہر چیز کو معاشرہ کی بہبودی کیلئے استعمال کرتا ہے یا بربادی کیلئے' البتہ چیزوں کی جبلت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا' خواہ کوئی کتنے ہی جتن لگالے جب تک انسان غور و فکر کر کے ''خلافتِ ارضی'' کے منصوبہ کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھتا اور اس کی سوچ مثبت نہیں ہوتی' امن ناممکن ہے جو اسلام کا اصل منشاء ہے۔ یہ حقیقت تو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ کائنات کی ہر چیز ایک زبردست محکم نظام کی پابند ہے تو کیا اس حقیقت سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ انسان اور ''خلافۃ ارضی'' کے منصوبہ کی تکمیل کیلئے فاطر السمٰوٰت والارض نے ایک نہایت محکم و منصوبہ بند نظام بھی دیا ہے؟ انسان سمیت تمام چیزیں اگر احکام کونیہ کی چارو ناچار پابند ہیں۔ (آل عمران:۸۳) تو انسان بھی احکام کونیہ کی چارو ناچار پابندی کے علاوہ اس کو دیئے گئے احکامِ شریعہ کی خوشدلی سے پابندی کا مکلف ہے۔ (الجاثیہ:۱۸' النساء:۶۵) اور یہی اس دنیا میں اس کا سب سے بڑا امتحان ہے (الملک:۲) جس کے نتائج آخر میں بروز قیامت ظاہر ہوں گے (الکھف:۴۹' التکویر:۱۴) پس حتی الامکان اپنے اختیار اور دل کی خوشی سے ان احکام شریعہ کی پابندی کرنے والے درحقیقت صحیح معنوں میں اانسانیت کیا پوری کائنات کے خیر خواہ ہیں۔ (الاعراف:۱۷۰) اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے انسانیت سمیت پوری کائنات کے دشمن اور اس میں فساد مچانے والے ہیں۔ (الاعراف:۵۶'۸۵) پس وہ اسلام (سلامتی) کے بھی بدترین دشمن ہیں۔ان تک اسلام کی اس حقیقت کا پہنچانا ہر مسلم پر فرض ہے کہ قانونِ فطرت / دین اسلام کی خلاف ورزی ہلاکت ہے۔

اس حقیقت کا کون انکار کرسکتا ہے کہ ''احکام شریعہ'' سے مراد منزل من اللہ قانونِ فطرت (آسمانی کتب) ہے جو ہر دور کے عوام کیلئے نازل ہوتا رہا ہے۔ آخری رسول محمد ﷺ پر نازل ہونے والا قانون وہ ذکر (یاددہانی / نصیحت) ہے جو کتاب عزیز (حٰم السجدہ:۴۱) کی صورت میں نازل ہوا۔ چونکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول مبعوث ہونے والا نہیں اس لئے کوئی نئی کتاب بھی نازل ہونے والی نہیں' اسی لئے اللہ الحفیظ نے اس قانون ہدایت کی حفاظت کی ذمہ

Marfat.com

داری بھی خود لے لی۔ (الحجر:۹) تا کہ قیامت تک کوئی یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ اسے ہدایت نامہ خالص اصل شکل میں نہیں ملا۔ اور یہ ہے بھی قیامت تک تمام جہان والوں کیلئے (الفرقان:۱' التکویر:۲۷) تا کہ جو شخص سیدھی راہ پر چلنا چاہے (التکویر:۲۸) اسے کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر سلامتی (اسلام) کی راہ پر لے آئے۔ (ابراہیم:۱) پھر اس پر چلنے کا طریق کار جبریل امینؑ کے ذریعے سے آپ کو بتا دیا گیا اور اس کی وضاحت و تشریح بھی سمجھا دی گئی (القیٰمہ:۱۶'۱۹) آپ ﷺ نے بے کم و کاست اسے پہنچا دیا۔ (التکویر:۲۴) اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی۔ (النجم:۳'۴) آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔ (النساء:۶۴)۔ جس نے آپ ﷺ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی۔ (النساء:۸۰) چونکہ آپ اللہ الملکون کے رسول ﷺ ہیں اس لئے آپ کی اطاعت بھی فرض ہوئی۔ آپ کی اطاعت و اتباع کے بغیر اللہ رب العٰلمین سے محبت کا دعویٰ باطل و نامقبول ہے۔ (آل عمران:۳۱'۳۲) دل کی خوشی سے اپنے اختلاف میں آپ ﷺ کو حکم / فیصل مانے بغیر کسی کا ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ (آل عمران:۶۵) اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ قانونِ فطرت' ہدایاتِ الٰہیہ (قرآن و سنت) پیش کر کے ڈراوے اور خوشخبری کی حجت قائم ہو جائے۔ (البقرہ:۲۱۳' النساء ۱۶۵) اسی لئے اللہ العزیز الحکیم نے یہ سب انتظامات کیئے تا کہ قیامت کے دن کوئی لاعلمی اور خالص ہدایات نہ ملنے کا عذر نہ پیش کر سکے۔

احکامِ شریعہ ہیں بھی انسان کی فطرت کے عین مطابق۔ (الحج:۷۸' صحیح بخاری کتاب التفسیر' تفسیر سورہ الروم) تا کہ انسان کی فطرت خود ان کی ادائیگی میں راغب رہے اور اسے بوجھ محسوس نہ ہو اور یہ عذر بھی ختم ہو جائے کہ یہ احکام میری فطرت و برداشت سے بڑھ کر تھے۔ احکام کونیہ کے نظام کی مانند احکامِ شریعہ کا نظام بھی اس قدر مستحکم و حساس ہے کہ اس میں اعشاریہ کے ہزارویں حصہ کے برابر بھی خلاف ورزی ہو جانے پر اسی وقت منفی اثرات مرتب ہونا شروع ہو جاتے ہیں لیکن اس مسلمہ حقیقت کی پہچان صرف تقویٰ شعار مومن ہی کر پاتا ہے۔ (الزمر:۴۴)

Marfat.com

جس کے ذہن میں ہر وقت اللہ الواحد القہار کے سامنے جوابدہی کا تصور جما رہتا ہے اور اس کی نظر ہمیشہ قیامت اور اپنے انجامِ کار پر لگی رہتی ہے۔ (الاعراف:۲۰۱، یونس:۹) جس طرح مادی معاملات میں کسی بھی فن کا ماہر دورانِ کار میں معمولی سی لغزش کو بھی اس کے آثار ہی سے بھانپ لیتا ہے اور پھر اصول و قواعد کے مطابق اسے فوراً درست کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے تاکہ انجام خراب نہ ہو۔ بہر حال انسان کی زندگی کا اصل مقصد دنیوی زندگی میں خلوص نیت کے ساتھ اصول و ضوابط (کتاب و سنت) کے مطابق عمل کرنے کی آزمائش کرنا ہے۔ (ھود:۷، الکھف:۷، الملک:۲، الانبیاء:۳۵) آزمائش سے قبل اصول و ضوابط کی آگاہی، تعلیم و تربیت لازمی ہے جس کے بغیر جزا و سزا ظلم متصور ہوگی۔ یہ اللہ رب العزت کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے انہی انسانوں میں سے ایک آخری نبی و رسول مبعوث فرمایا اور انہیں یومِ حشر تک بنی آدمؑ کی تعلیم و تربیت کیلئے اپنا ایلچی مقرر کیا تاکہ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کریں، کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور ان کا تزکیۂ نفس کریں حالانکہ اس سے قبل وہ واضح گمراہی میں تھے۔ (آل عمران:۱۶۴)

آیت کے معنی نشانی کے ہیں یعنی وہ چیز جو کسی حقیقت پر دلیل بنے۔ اللہ عالم ظاہر و باطن نے اس کائنات اور انسان کے نفس و فطرت میں بے حد و حساب نشانیاں رکھ دی ہیں۔ (حٰم السجدہ:۵۳) جو اشارات کی صورت میں ہوتی ہیں۔ اللہ عالم الغیب ان کی اصل حقیقت (حکمۃ) اپنے رسول پر کھول دیتا ہے۔ چنانچہ رسول ﷺ ان اشارات کو اپنے عملی اقدام سے واضح کر کے اپنی امت کے سامنے پیش کر دیتا ہے جس سے غور و فکر کرنے والے عقلمند شخص کو ایسی دور رس نگاہ نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ ہر چیز میں اپنے محسن ربِ کریم کے کرشموں اور جلووں کا نظارہ کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح دنیوی و اخروی دونوں زندگیوں کی اصل حقیقت اس پر پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے اور وہ دونوں زندگیوں کو ہر وقت مدِ نظر رکھ کر دنیوی زندگی بسر کرتا ہے۔ جوں جوں انسان ان آیات (کتاب و سنت) کا بغور مطالعہ کرتا ہے ہر چیز کی اصل حقیقت جسے ''حکمۃ'' کہا جاتا ہے انسان کو نصیب ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ حکمۃ کے معنی ''ہر چیز کی اصلیت و ماہیت جاننا'' ہیں اور وہ

Marfat.com

اللہ المکنون کے سوا کوئی نہیں جانتا پس وہ اپنے رسول کے ذریعے سے اس حضرت انسان کی اس حکمت کی روشنی میں اس کے مقصد تخلیقِ عبادت (الذاریات:۵۶) کو پورا کرنے کیلئے اس کی رہنمائی اور تربیت کا انتظام کرتا ہے۔ جوانسان اپنی روح کو اس کی فطری غذا ''وحی'' سے صحیح معنوں میں روشناس کرادیتا ہے' اسے اللہ ذیشان کی ان پُر حکمت عجیب وغریب نشانیوں (آیات) کا بغور مطالعہ کر کے اصل حقیقت تک رساء کیلئے ایک طاقتور عینک نصیب ہو جاتی ہے جسے ''بصیرت'' کہا جاتا ہے اور یہی چیز اللہ الخالق کو انسان سے مطلوب ہے۔ (آل عمران:۱۹۰'۱۹۱' الحج:۴۶' الانعام:۱۰۴) اور جسے یہ نعمت نصیب ہوگئی اسے بہت بڑی خیر نصیب ہوگئی۔ (البقرہ:۲۶۹)

Marfat.com

امتِ مسلمہ۔ زیرِ عتاب

Marfat.com

اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
نوا را تلخ تر مے زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی

Marfat.com

امتِ مسلمہ۔ زیرِ عتاب

وقت کے اس موڑ پر بلکہ سالہا سال سے امتِ مسلمہ زیرِ عتاب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ وہ تمام ضوابط جن کی وجہ سے کوئی امت زیرِ عتاب آتی ہے اس وقت امتِ مسلمہ پر چسپاں ہوتے ہیں۔ اسی سلسلہ کا ایک ضابطہ ملاحظہ ہو:۔

''تو کیا تم کتاب کے کچھ حصوں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو'' (بقرہ:85)

ہمارے ہاں یعنی پوری اسلامی دنیا میں کوئی دائرۂ کار ایسا نہیں جو قرآن و سنت کے خالص احکام پر مبنی ہو۔ ایسا ہونا ہے ہی ناممکن جب تک ہمارے ہاں خودساختہ یعنی اپنی خواہشات و مفادات کے مطابق تیار کردہ آئین رائج ہیں۔ دنیا میں کوئی مسلم ملک ایسا نہیں جہاں قرآن و سنت کو آئین بنایا گیا ہو۔ یہ ان گنت مسلم ممالک کا نقشۂ عالم پر ہونا خود قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ قرآن و سنت پوری اسلامی دنیا پر مشتمل ایک یعنی اسلام کی مملکتِ واحدہ کی اجازت دیتے ہیں۔ دو، چار یا درجنوں مسلم ممالک، جیسے کہ اس وقت دنیا میں بالفعل موجود ہیں، کی قطعاً اجازت نہیں۔ یہ اس عظیم تر مملکتِ واحدہ کے صوبے تھے جو اغیار کے تقسیم کرنے سے خودمختار ممالک کا روپ دھار گئے۔

ذکر ہوا کہ مسلمانوں کے ہاں کوئی دائرۂ کار معاشرتی، معاشی، تعلیمی، عدالتی، ثقافتی، تمدنی، تہذیبی وغیرہ نہیں جو قرآن و سنت کی خالص تعلیمات کے مطابق ہو۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا خودساختہ آئین کی موجودگی میں ایسا ہونا ہے ہی ناممکن۔ مثال کے طور پر ایک مسلم ملک یعنی

Marfat.com

پاکستان کے ایک دائرۂ کار مثلاً عدالتی دائرۂ کار کو لے لیں۔ زیادہ تر قوانین ہماری عدالتوں میں وہی کارفرما ہیں جو 1935 کے انڈیا ایکٹ میں منقول ہوئے۔ پاکستان میں وہ ''تعزیراتِ پاکستان'' کے نام سے موسوم ہیں تو بھارت میں ''تعزیراتِ ہند'' کے نام سے۔ پاکستان میں البتہ کچھ اسلامی یعنی چند ایک عائلی اور وراثتی قوانین کو شامل کر کے آدھے تیتر اور آدھے بٹیر کا ملغوبہ تیار کر لیا گیا ہے۔ اور یہی وہ صورتِ حال یعنی کچھ اسلام اور کچھ غیر اسلام ہے کہ جسے مذکورہ آیۂ کریمہ میں عذاب کی وجہ بیان کیا گیا ہے۔

پھر دو چار دہائیوں یا دو چار صدیوں کی بات نہیں اس وقت سے امتِ مسلمہ قرآن وسنت پر مبنی دین یعنی دین حق سے محروم ہے جس وقت سے دورِ خلافت راشدہ کی بساط لپیٹ کر دورِ ملوکیت نے ڈیرے آجمائے۔ اسی دوران یعنی دورِ ملوکیت میں دینِ حق میں من مرضی کی تبدیلیاں لائی گئیں تو اس حد تک کہ اسلام سے اسلام کے بنیادی اداروں یا بنیادی اعضاء کو ایک ایک کر کے نکال دیا گیا۔ آج ہمارے اختیار کردہ اسلام میں نہ خلیفۃ المسلمین کا وجود ہے نہ اولی الامر کا جن میں خلیفۃ المسلمین کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے، نہ شوریٰ کا کہ جس میں ارکانِ شوریٰ نے خلیفۃ المسلمین کو مشورہ دینا ہوتا ہے لیکن خلیفۃ المسلمین خود موجود نہیں۔ ہمارے ہاں یا زیرِ آسماں آج امتِ مسلمہ کا بھی وجود نہیں جو مرکزیت کے تحلیل ہونے سے اقوام میں بٹ گئی۔ یہ چاروں ادارے خلیفہ وخلافت کے موجودگی میں ہی وجود پذیر ہوتے ہیں۔ جب خلافتِ راشدہ کا وجود نہ رہا ہمارے اختیار کردہ دین میں یہ چاروں ادارے نہ رہے۔ دینِ حق کے نہ ہونے سے جو خلا پیدا ہوا اسے پُر کیا گیا تو دینِ ملوک یعنی اس دین سے جو ملوک نے اپنی خواہشات ومفادات کی تکمیل میں تیار کیا۔ آج جس دین کو ہم مسلمان اختیار کئے ہوئے ہیں یہ دینِ اسلام نہیں، دینِ ملوک ہے۔ وہی بات، ہم کتاب کے کچھ حصوں کو اختیار کئے ہوئے ہیں، کچھ کو بھولے ہوئے ہیں لہٰذا زیرِ عتاب ہیں۔

مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں یعنی پوری انسانیت کے زیرِ عتاب ہونے کا ایک اور ضابطہ

Marfat.com

رب کائنات نے یوں بیان فرمایا ہے:

"جو لوگ منکرِ حق ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر (مسلمانو) تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا" (انفال:73)

ہمارے سامنے کی بات ہے' وقت کے موجودہ موڑ پر دنیا بھر کے کفار و مشرکین متحد ہیں تو دنیا بھر کے مسلمان منتشر۔ مسلمانوں میں انتشار کی بنیادی وجہ دنیائے اسلام کو ایک خلیفۃ المسلمین کی سربراہی میں ہونے کی بجائے کوئی 56 سربراہان کا ان پر مسلط ہونا ہے۔ قرآن و سنت پوری اسلامی دنیا پر اللہ کے نمائندے صرف ایک حکمران یعنی خلیفۃ المسلمین کو حقِ حکمرانی تفویض کرتے ہیں۔ 56 کی تو کیا بات دو حکمرانوں کی بھی اجازت نہیں۔ ان چھپن غیر شرعی حکمرانوں نے درحقیقت خلیفۃ المسلمین کے حقِ حکمرانی کو غصب کیا ہوا ہے اور بنابریں یہ غاصب ہیں۔ جو باہم لڑتے ہیں' محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں تو کفار و مشرکین سے۔ یہ وہ ہولناک صورتِ حال ہے کہ جس میں ہم نے ذکر کیا صرف مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی دوچار ہیں۔ کیونکہ ایسی صورت کے نتیجہ میں جو فتنہ اور بڑا فساد روئے زمین پر برپا ہوا ہے اس میں پوری انسانیت جل رہی ہے۔ بحر و بر میں فتنہ و فساد کا دور دورہ ہے تو اسی وجہ سے۔ بڑی طاقتوں کا کمزور اقوام پر چڑھ دوڑنا اسی فتنہ و فساد کا مظہر ہے۔ اربوں کھربوں کے وہ ذرائع جو انسانیت کی فلاح و بہبود پر خرچ ہونے چاہئے تھے جنگل کے قانون کی حکمرانی کو قائم رکھنے کی خاطر ہلاکت خیز ہتھیار اور اسلحہ بنانے پر صرف ہو رہے ہیں۔ یہ استحصال و استیصال کی ان گنت صورتیں یہ دھماکے' یہ خودکشیاں اسی وجہ سے ہیں۔ یہ کشاکشیں' یہ بدگمانیاں' یہ ذہنی تناؤ' یہ زندگی سے بے رغبتی اسی وجہ سے ہے۔ یہ ایڈز' یہ ہارٹ اٹیک اور نت نئی پیدا ہونے والی موذی بیماریاں اسی وجہ سے ہیں۔ انسانیت بھیانک ہلاکتوں اور بلاموں کا شکار ہے تو اسی وجہ سے۔ اور یہ سب انسانوں بالخصوص مسلمانوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے۔ قرآن میں آیا:

"خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا

Marfat.com

چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا شاید کہ وہ باز آجائیں'' (روم:41)

اس جرم میں کہ امتِ مسلمہ جس نے دنیا والوں کو سنوار کر رکھنا اور بگاڑ سے بچانا تھا خود پرلے درجے کے بگاڑ کی شکار ہے۔ ربِ کائنات نے اسے ایک اور طرح کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ پہلے تو امتِ مسلمہ خود اقوام میں بٹ گئی پھر تقریباً تقریباً ہر ملک میں مسلمان گروہوں اور جتھوں کی بھرمار ہوگئی جو اکثر و بیشتر باہم متحارب رہتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں اس قسم کے عذاب کا ذکر بھی برملا آیا ہے۔ فرمایا:

''کہو وہ (اللہ) اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کردے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کردے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزا چکھوادے۔ دیکھو، ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں شاید کہ یہ حقیقت کو سمجھ لیں'' (انعام:65)۔

کس قدر نمایاں طور پر عذاب کی یہ صورت آج کے مسلمانوں پر مسلط ہے، فلسطین، عراق، افغانستان، لبنان، بنگلہ دیش، پاکستان غرضیکہ تقریباً ہر مسلمان ملک میں مسلمان ہی مسلمان سے نبرد آزما ہے۔ صبح و شام مسلمان مسلمان کو تہہِ تیغ کر رہا ہے۔ گویا ''مجھے میں ہی قتل کر رہا ہوں''۔ اجتماعی قبریں بن رہی ہیں تو مسلمانوں کی اور اجتماعی جنازے اٹھ رہے ہیں تو مسلمانوں کے۔ جھوٹ کہتا ہے کوئی کہ اس میں امریکا یا کسی دوسری طاقت کا ہاتھ ہے۔ یہ سب خرابی ہمارے اپنے گھر میں ہے۔ اس گھر کو آگ لگی ہوئی ہے تو گھر کے چراغ سے۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ ہمارے گھر کی کمزوریوں سے داؤ لگ گیا اغیار کا کہ وہ ہم پر یلغار کریں۔ علامہؒ نے سچ کہا:

نشانِ برگِ گُل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت کو رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

پھر اس سے بڑی عذاب کی صورت اور کیا ہو سکتی ہے کہ آج کی دنیا میں غالب ہیں تو کفار و مشرکین اور مغلوب ہیں تو مسلمان۔ یو این او میں پانچ ممالک ایسے ہیں جو ویٹو پاور کے

Marfat.com

حامل ہیں۔ چراغ لے کر ڈھونڈھیں ان میں ایک بھی مسلمان ملک نہیں بلکہ صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ اس وقت کوئی چھپن ممالک یو این او کے رکن ہیں۔ یہ چھپن کے چھپن ممالک کوئی قرار داد پاس کر لیں طاغوتی ویٹو اسے ایک ٹھوکر سے اس کی دھجیاں اڑا دیتا ہے۔ کیا یہ مسلمانوں کی مغلوبیت کی انتہا نہیں؟ مغلوبیت میں تو اسلام پر کما حقہ عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے کہ آج ہمیں اختیار کردہ اسلام سے وہ برکات حاصل نہیں ہو رہیں جو کہ خالص اسلام کا حصہ بلکہ اس کی سرشت اور جبلت میں شامل ہیں۔

پھر یہ بھی کہ ایک مسلمان دنیا میں مغلوب ہوتا ہے تو اس وقت جب وہ اللہ کی نصرت سے محروم ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہونا تو عذاب کی مہا شکل ہے۔ قرآن شاہد ہے اگر مسلمان اللہ کی نصرت سے محروم ہوں تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ دنیا میں مغلوب ہوں۔ آج دنیا میں شر کا غلبہ اور خیر کی مغلوبیت اسی وجہ سے ہے یعنی ایسی صورتِ حال کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ قرآن میں آیا:

''اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو'' (آلِ عمران:160)۔

پھر مومن ہو اور مغلوب' یہ تضاد ہے۔ یعنی مومن ہوگا تو لازماً دنیا میں غالب ہوگا۔ مغلوب ہوگا تو اس وقت جب مومن نہ ہوگا۔ ارشادِ ربِ کائنات ہے: ''دل شکستہ نہ ہو' غم نہ کرو' تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہوئے'' (آل عمران:139)۔

مندرجہ بالا شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ آج ہمارے ہاں اصل اسلام نہیں اور ہم اسی طرح دور جہالت میں ہیں جس طرح کہ اس دور کے لوگ دورِ جہالت میں تھے جب رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے۔ ایک مشہور امریکی مصنف جارج ایچ ڈینسن اپنی کتاب "Emotion as the Basis of Civilization" میں اس ماحول کی کہ جس میں نبئ کائنات وارد ہوئے تصویر کشی کچھ یوں کرتا ہے:

Marfat.com

"پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں اہلِ دین کی دنیا تباہی کے ایک گہرے گڑھے کے دہانے پر تھی کیونکہ جو نظریات تمدن کو جنم دینے میں ممد و معاون تھے' وہ ختم ہو چکے تھے اور اس وقت کے موجود ادیان کی جگہ لینے کے لئے کوئی نظریہ موجود نہ تھا۔ یہ واضح طور پر نظر آنے لگا تھا کہ جس انسانی تہذیب کی تعمیر و ترقی پر چار ہزار سال گزرے تھے وہ ختم اور برباد ہونے والی ہے اور انسانیت دوبارہ جہالت' قبائلی نظام کے چنگل میں پھنسنے والی ہے جس میں کوئی قانون و نظام نہیں ہوتا۔ کیونکہ مسیحیت نے جو اجتماعی نظام قائم کیا تھا اس کی عمارت گرنے والی تھی۔ اس لئے کہ عیسائیت فرقے فرقے ہوگئی تھی۔ اس کے اندر کوئی اتحاد اور نظم نہ تھا۔ اس دور میں تمدن کی مثال اس طرح تھی کہ وہ ایک عظیم درخت کی طرح تھی جس کے شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر درخت سخت طوفان کی زد میں نہایت کمزوری کی حالت میں کھڑا تھا اور ہلاکت اس کے دروازے پر دستک دے رہی تھی کہ اس اثناء میں ایک شخص (حضرت محمد ﷺ) پیدا ہوا"۔

آج ہماری حالت کو بدلنے کے لئے رسول اللہ ﷺ تو تشریف نہیں لائیں گے' ہاں' ان کا اسوہ قرآن و سنت کی شکل میں من و عن موجود ہے۔ یہ تاکید کرتے ہوئے کہ جب بھی اہلِ اسلام کی حالت دگرگوں ہو تو وہ اپنی دگرگونی کا اسی اسوہ کی روشنی میں مداوا کریں۔

Marfat.com

بھٹکے ہم تو ایسے کہ بھٹکتے ہی چلے گئے

Marfat.com

کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

Marfat.com

بھٹکے ہم تو ایسے کہ بھٹکتے ہی چلے گئے

ہم نے اپنے رسالے کا نام ''سبق پھر پڑھ'' رکھا اس لیے کہ دورِ خلافتِ راشدہ کو گزرے تقریباً چودہ صدیاں ہونے کو ہیں۔ یہ لمبا دورِ ملوکیت جو مزید ملوکیتوں' طوائف الملوکی' غلامی اور آج مغلوبیت جیسے ادوار سے گزر رہا ہے' بڑا کرب و بلا کا دور ہے۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ امتِ مسلمہ جو دورِ خلافتِ راشدہ میں اوجِ ثریا پر تھی' ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گری بلکہ اس لیے بھی کہ اس دور میں اغیار نے نہیں' خود ملوک نے دینِ اسلام کو بدلا تو اس قدر کہ اس دینِ اسلام میں جو رسول ﷺ امتِ مسلمہ کے سپرد کر کے گئے تھے اور وہ دینِ اسلام جو ہم تک پہنچا اور جسے دورِ حاضر کے مسلمان اختیار کیے ہوئے ہیں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ غور فرمائیں' امتِ مسلمہ کے سپرد کردہ دین میں خلیفۃ المسلمین کا وجود تھا' آج ہمارے عملاً اختیار کردہ دین میں نہیں' سپرد کردہ دین میں اولوالامر' خلیفۃ المسلمین کو جن میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے آج ہمارے اختیار کردہ دینِ اسلام میں ظاہر ہے اس لیے نہیں کہ خلیفۃ المسلمین کا اپنا وجود نہیں۔ سپرد کردہ اسلام میں شوریٰ کا وجود تھا آج ہمارے اختیار کردہ اسلام میں اس لیے نہیں کہ ارکانِ شوریٰ نے جس خلیفۃ المسلمین کو مشورہ دینا ہوتا ہے وہ خود زیرِ آسمان کہیں نہیں۔ سپرد کردہ اسلام میں امت کا وجود تھا' آج ہمارے اختیار کردہ دین میں اس لیے نہیں کہ خلیفۃ المسلمین اور بنا بریں مرکزیت ختم ہونے سے امتِ مسلمہ اقوام میں بٹ گئی۔ یہ چاروں ادارے یعنی خلیفۃ المسلمین' اولوالامر' شوریٰ اور امت کی حیثیت اسلام میں ایسی جیسے کسی عمارت کے چار ستون۔ چاروں ستون مسمار ہو جائیں تو چھت زمین پر گر کر تھڑے کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ تھڑے کو دیکھ کر بس اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہاں کبھی کوئی عالیشان عمارت تھی۔ اسی طرح ہمارے اختیار کردہ اسلام سے بس اتنا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ دینِ حق کبھی اس دھرتی پر رواں دواں تھا۔ فرق پڑ گیا اب تو اتنا کہ دورِ خلافتِ راشدہ

Marfat.com

میں دینِ حق جب اپنی پوری وسعتوں اور تفصیلات سے موجود تھا تو اس دور کے مسلمانوں کو دینِ اسلام کی برکات بدرجہ اتم حاصل تھیں۔ آج ہم نے جب بنیادی قرآنی تقاضوں کے بغیر ادھورا اور ناقص دین اختیار کر رکھا ہے تو حصولِ برکات تو درکنار تمام اقدار برعکس ہوگئی ہیں۔ اس وقت عدل تھا' آج بھر گئی دنیا ظلم سے۔ اسی طرح اس وقت امن تھا آج بدامنی' اس وقت خوشحالی تھی آج بدحالی بلکہ پسماندگی و درماندگی۔ اس وقت اتحاد تھا آج انتشار۔ اس وقت غلبۂ دینِ حق تھا آج مغلوبیت یعنی تمام اقدار 180 درجے برعکس ہوگئیں۔ ایسا اس لیے کہ آج دینِ حق کی بجائے ہم اصل میں ''دینِ ملوک'' اپنائے ہوئے ہیں۔ دورِ ملوکیت میں ملوک کوئی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھے رہے' ایک عرصے تک فتوحات وغیرہ بھی کیں۔ لیکن اصل کام جو بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کیا وہ یہی کہ دینِ حق کو اپنی خواہشات اور مفادات کے مطابق ڈھالا۔ وہ قرآنِ مجید میں تو کوئی تبدیلی نہ کر پائے' اس لیے کہ اس کی حفاظت ربِ قدیر نے خود لے رکھی ہے۔ انہوں نے وار کیا تو نظام پر۔ اللہ کا شکر ہے قرآن وسنت کا خزانہ من وعن موجود ہے جس سے ہمیں یہ تو پتہ چل گیا کہ انہوں نے دینِ حق کو ''دینِ ملوک'' سے بدلا تو کون کونسے ستون مسمار کر کے۔ شومیٔ قسمت' ان ملوک نے صرف دینِ حق کو ہی نہ بدلا' ذہنوں کو بدلا تو اس حد تک کہ منبر ومحراب سے' جو ہمالہ قد تبدیلی وہ لائے' اس کا ذکر تک نہیں سنا جاتا۔ حاملینِ محراب و منبر کے لیے یوں جیسے سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شروع شروع میں اس تبدیلی کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کیا گیا۔ خوب مزاحمت ہوئی لیکن اقتدار چونکہ ملوک کے ہاتھ میں تھا' بہت حیلے کیے اس اقتدار نے لوگوں کے ذہن بدلنے کی خاطر حتیٰ کہ دین کے علمبرداروں تک کو یاد نہ رہا کہ ان کے ساتھ کتنا گھناؤنا کھیل کھیلا جا چکا ہے۔ تفصیلات کا موقع تو نہیں' ذیل میں ہم ان چند تبدیلیوں کا مختصر ذکر کرتے ہیں جن سے روزِ روشن کی طرح عیاں کہ دینِ حق کیا تھا اور دینِ ملوک کیا ہے؟ قرآن وسنت کے اسلام اور آج ہمارے اختیار کردہ دین میں فرق ہے تو کیا؟

غلبۂ دینِ حق حاصل کیسے رکھنا تھا

قرآن وسنت کے مطابق دینِ حق کو ادیانِ باطلہ پر غالب رکھنا تھا' آج ہم مغلوبیت پر

Marfat.com

قانع ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرائضِ رسالت میں بھی غلبۂ دینِ حق کو شامل کیا' فرمایا:

''وہی اللہ جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے پوری جنسِ دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو'' (توبہ:33)۔

امتِ مسلمہ کے فرائضِ منصبی میں بھی غلبۂ دین کو لازم قرار دیا' فرمایا:

''اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے'' (انفال:39)۔

یاد رہے کوئی نبی بھی جب دنیا میں تشریف لایا تو اس نے آتے ہی غلط اور گمراہ معاشرے کو اپنے پیچھے لگانے کی کوشش کی' خود اس برگشتہ معاشرے کا نہ حصہ بنا نہ اس کی پیروی کی۔ ایک قدم بھی اس کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ کیا کام تو صرف اللہ تعالیٰ کے قانون کے نفاذ اور بالادستی کا۔ یہی اصل میں غلبۂ دین ہوتا ہے۔ آج مسلمانانِ عالم قرآن و سنت کے نظام یا نظامِ خلافت کی بجائے دنیا بھر کی گمراہ تہذیبوں اور معاشروں کا دم چھلا بن کر پورے اسلام کی روح کو مسمار کیے ہوئے ہیں۔ بھٹکے ہم تو ایسے کہ اپنی حیثیت و مقام تک کو بھول گئے۔ آج دنیا میں جس قدر خباثتیں اور قباحتیں ہیں' اس وجہ سے ہیں کہ دنیا میں شر کا غلبہ ہے۔

پورے کے پورے دین کو اختیار کرنا تھا

اللہ تعالیٰ لازم قرار دیتا ہے کہ پورے کے پورے دینِ اسلام میں داخل ہوا جائے۔ قرآن میں آیا:

''اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ'' (بقرۃ:208)۔

کہاں وہ کہاں یہ' دینِ حق میں پورے کے پورے داخل ہونے کی تو کیا بات' جیسے کہ اوپر ذکر ہوا' ہمارا اختیار کردہ دین خود ادھورا اور ناقص ہے۔ دینِ حق کے چاروں قرآنی تقاضے...... خلیفۃ المسلمین' اولوالامر' شوریٰ اور امت ہمارے اختیار کردہ دین میں نہ ہیں۔ دورِ جہالت میں بھی یہ چاروں قرآنی ادارے موجود نہ تھے۔ دورِ خلافتِ راشدہ آیا تو چاروں ادارے از خود آ موجود

Marfat.com

ہوئے۔ آج پھر چاروں ادارے غائب ہیں۔ ہم پھر دورِ جہالت میں ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دورِ جہالت سے واسطہ پڑا تھا تو ہم وہی کچھ کرتے جو نبی کائنات ﷺ نے کیا۔ رسول ﷺ نے دورِ نبوت میں کیا کام کیا؟ یہی نہ کہ دورِ جہالت کو دورِ خلافت میں بدل دیا۔ ہم تا قیامت پورے کے پورے دینِ حق میں شامل نہیں ہو سکتے جب تک کہ نظامِ خلافت بحال نہ ہو۔ ہماری سمت درست نہیں۔ یونہی بھول بھلیوں میں سرگرداں اللہ کے حضور حاضر ہوئے تو شدید ترین عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا (بقرۃ:85)۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا سبب ان کے پاس ٹیکنالوجی کا فقدان، شرحِ خواندگی کی کمی اور اتحاد کا نہ ہونا ہے۔ بظاہر یہ اسباب بڑے معقول محسوس ہوتے ہیں لیکن اصل میں یہ اسباب ہیں ہی نہیں، نتائج ہیں۔ وجہ صرف ایک ہے اور وہ وہی کہ ہمارے اختیار کردہ اسلام اور قرآن و سنت میں بیان کردہ اسلام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔ افسوس صد افسوس، وجہ بڑی واضح، دوٹوک اور برملا لیکن ہمارے ہاں اس کا شعور تک نہیں۔ منبر و محراب تو اس بارے میں گویا گونگے بہرے۔

چونکہ امت کی پستی و بدحالی صرف اور صرف اس ایک وجہ سے ہے، میرا بس چلے تو کسی پہاڑ کی ایسی چوٹی پر کھڑے ہو کر اسی کا ڈھنڈورا پیٹوں جہاں سے میری آہ و فغاں ہر امتی کے کان میں زلزلہ پیدا کر دے۔ سبب کا اس قدر واضح ہونا اور پھر بھی امت کا اس اصل سبب سے بے بہرہ ہونا صرف مسلمانوں کی نہیں پوری انسانیت کی بدبختی ہے۔

فرقے اور مسالک نہیں بنانا تھے

ہم نے اللہ کی رسی کو تھامتے ہوئے یکجان اور متحد رہنا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے ہم فرقوں اور مسالک میں بٹے ہوئے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ایک شیخ القرآن کسی دارالعلوم میں جلوہ افروز اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر بڑے انہماک و وضاحت سے بیان کر رہا ہوتا ہے کہ تمام اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور متفرق نہ ہو اور خود عین اس وقت اکثر و بیشتر کسی

Marfat.com

نہ کسی فرقے سے منسلک ہوتا ہے۔ کوئی مخفی اور ایسی بات نہیں کہ جسے صرف کوئی ارسطو ہی سمجھے' قرآن وضاحت سے یہ بھی بیان کرتا ہے کہ منتشر ہوگے تو کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اڑ جائے گی لیکن فرقہ پرستوں کی بلا کو ان کو قلبی سرور حاصل ہوتا ہے تو شیعہ وسنی اور پھر مزید اہلِ حدیث' دیو بندی' بریلوی اور نقشبندی وغیرہ بن کر اور وہ بھی سب کچھ جانتے بوجھتے۔ کیا یہ مرنے والی امتوں کے لچھن نہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ:

مصطفیٰ کے عہدِ زریں میں کوئی فرقہ نہ تھا
ایک بھی امت میں سنی ایک بھی شیعہ نہ تھا

پوری اسلامی دنیا کو ایک خلیفہ کی سربراہی میں رکھنا تھا

پوری اسلامی دنیا نے صرف ایک خلیفۃ المسلمین کی سربراہی میں رہنا تھا لیکن' سوختہ بختی' آج امتِ مسلمہ پر 57 حکمران مسلط ہیں۔ قرآن وسنت کی رو سے حقِ خلافت صرف ایک خلیفہ کو حاصل ہے یہ 57 اس خلیفہ کے حقِ حکمرانی کو چھینے ہوئے ہیں۔ ڈر ہے اللہ تعالیٰ روزِ محشر ان کو غاصب قرار نہ دے دے۔ پوری دنیائے اسلام کے ایک خلیفۃ المسلمین کی سرکردگی میں رہنے کا فیصلہ وہ فیصلہ ہے جو رسول ﷺ کی رحلت کے بعد لیکن ان کو سپردِ خاک کرنے پہلے السابقون الاولون نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں قرآن وسنت کی روشنی میں کیا۔ رسول ﷺ کی رحلت کے بعد مسلمانوں کا کیا گیا یہ پہلا فیصلہ ہے۔ ثقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہؓ کا اجتماع ہوا یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ خلیفۃ الرسول ﷺ کسے بنایا جائے۔ مہاجرین کی رائے تھی کہ ہونے والا خلیفہ مہاجرین میں سے ہو جب کہ انصار کی رائے تھی کہ خلیفہ ان میں سے ہو۔ جب کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا تو ایک تیسری رائے آئی کہ دو خلفاء بنا لیے جائیں' ایک مہاجرین سے تو دوسرا انصار سے۔ اس رائے کو دوٹوک رد کیا گیا تو اس بنا پر کہ قرآن وسنت اس کی اجازت نہیں دیتے۔ یاد رہے کارِ خلافت یا اسلامی نظام دو یا دو سے زیادہ خلفاء کے ہوتے ہوئے اسی طرح چند سیکنڈ بھی نہیں چل سکتا جس طرح کائنات میں دو خدا ہوں تو کائنات کا نظام معرضِ وجود ہی میں نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ خلافتِ راشدہ میں اس وقت

Marfat.com

بھی خلیفہ ایک ہی رہا جب اسلامی مملکت مراکش سے لیکر چین کی سرحدوں تک پھیل گئی حالانکہ اس وقت دنیا والوں کو وہ ذرائع آمدورفت اور ذرائع ابلاغ میسر نہ تھے جو آج حاصل ہیں۔ متعدد احادیث خلیفہ کے ایک ہونے کی تاکید کرتی ہیں۔ ہم یہاں پر صرف دو کا ذکر کرتے ہیں۔

''جب دو خلیفہ سے بیعت ہونے لگے تو جو بعد میں خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرے اسے قتل کر دو'' (اس لیے کہ پہلے خلیفہ کے ہوتے ہوئے اس دوسرے دعوے دار کی خلافت باطل ہے) (مسلم)۔

''جو شخص تمہارے پاس آوے اور تم سب ایک شخص پر جمے ہوئے ہو۔ وہ چاہے تم میں پھوٹ ڈالنا اور جدائی کرنا تو اس کو مار ڈالو'' (مسلم۔ کتاب الامارت)۔

یہ تو ہوئی صرف صحیح مسلم میں بیان کردہ احادیث کی بات ورنہ کسی ایک مستند کتابِ حدیث کا نام نہیں لیا جا سکتا جس میں قیام و دوامِ خلافت کا ذکر نہ ہو۔ یاد رہے مسلمہ امر ہے یونی کمانڈ یا کمانِ واحد میں طاقت ہوتی ہے۔ جب تک دنیائے اسلام صرف ایک خلیفہ کی سرکردگی میں تھی دنیا پر غلبہ مسلمانوں کا تھا۔ خلافت چونکہ فطرت کا نظام ہونے کے ناطے فطری ہے' جب تک نظامِ خلافت قائم رہا یہ دنیا جنت نشان بنی رہی۔ جونہی ملوک آدھمکے اور مسلمان حکمرانوں کی تعداد بڑھتی گئی مسلمانوں کی عظمت کا گراف گرتا ہی گیا۔ کسی نے پلٹ کر نہ دیکھا کہ پٹڑی سے اترے ہم تو کب اور کیوں؟

فریضۂ شہادت علی الناس ادا کرنا تھا

وہ افراد جو غیر مسلم گھرانوں میں پیدا ہو گئے بعلمِ وحی کے اسی طرح محتاج ہیں جس طرح کہ وہ جو مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے۔ اس لیے کہ روزِ قیامت دونوں یعنی مسلموں اور غیر مسلموں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر جوابدہ ہونا ہے۔ قرآنِ مجید پتہ دیتا ہے کہ غیر مسلموں کی اس ضرورت کو ہر دور کے مسلمانوں نے اسی طرح پورا کرنا ہے جس طرح کہ نبی کائنات ﷺ نے مسلمانوں کی اس ضرورت کو پورا کیا۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ''امتِ وسط'' بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو'' (بقرۃ:143)۔

Marfat.com

واقعات کی دنیا میں آج الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ چہ جائیکہ مسلمان قرآن وسنت کی تعلیمات واحکامات کو دنیا والوں تک پہنچاتے وہ خود مرعوب ہوئے غیر مسلموں سے تو اس قدر کہ زندگی کے ہر دائرہ کار میں ان کی نقالی کرنے لگے۔ بڑی تگ ودو سے گرین کارڈ کما کر بعض تو اغیار ہی کے ہاں رہنے لگے۔ ٹھیک ہے علاج کے لیے' تعلیم حاصل کرنے کیلئے اور دین کی دعوت پہنچانے کیلئے تو غیر ممالک میں عارضی قیام کیا جا سکتا ہے لیکن محض بسنے اور روزی کمانے کیلئے غیر مسلموں کی صحبت ورہائش اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا گیا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ (کیوں غیر معیاری معاشرے میں رہ رہے تھے)۔ انہوں نے جواب دیا ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا' کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ہاں جو مرد' عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہوں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہ پاتے ہوں' بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے'' (نساء:97-99)۔

ایک اور جگہ پر فرمایا گیا:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ' اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ تم میں سے جو ان کو رفیق بنائیں گے وہی ظالم ہونگے'' (توبہ:23)۔

مسلح ہو کر رہنا تھا

سورۂ انفال میں آیا:

''اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے' زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے (ٹیکنالوجی) ان (کفار و مشرکین) کے مقابلے کیلئے مہیا رکھنا تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور

Marfat.com

تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا'' (انفال:60)۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کا حکم جس کی نافرمانی مسلمانوں نے کی تو اس حد تک کہ اپنے دفاع تک کیلئے اسلحہ دشمنوں سے لیتے ہیں۔ اپنے دفاع تک کیلئے غیروں پر انحصار' تھوڑی بہت جس کے دماغ میں عقل ہو' کبھی نہیں کرتا۔ ظاہر ہے ایسی روش اختیار کرنے والا ہر لمحہ اپنے دشمنوں کے رحم و کرم پر رہتا ہے اور دشمن کے پاس جس قسم کا رحم و کرم ہوتا ہے اس سے کون واقف نہیں۔ دشمن کے لیے اس سے زیادہ تر نوالہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ کوئی دشمن کے رحم و کرم پر رہے۔ نہ ایسے کی آن نہ جان بلکہ ہر لمحہ زیان اور نقصان۔ یہی ہوا 1967ء میں عرب دنیا کی دفاعی قوت چند گھنٹوں میں ملیا میٹ ہو گئی۔ دشمن بآسانی عربوں کے کئی خطے ہتھیا کر چلتا بنا۔ دشمن کو پتہ تھا کہ اس کے مخالفین کے پاس اسلحہ تو وہی ہے کنڈم جسے بیچ کر انہوں نے اپنے اسٹورز خالی کر کے جدید اسلحے سے بھرنا تھا۔ پھر یہ بھی کہ جو اغیار سے دفاعی سامان خریدے' ظاہر ہے وہ اپنے دشمن کی معیشت کو بھی مضبوط کرتا ہے۔ مغربی دنیا میں جتنی چکا چوند ہے مسلمانوں بالخصوص عربوں کے سرمائے کی مرہونِ منت ہے۔ سوختہ بختی' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مسلح تیاری رکھو' مسلمان صرف دعاؤں پر زور دیئے ہوئے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کو کہہ رہے ہوں کہ ہم تو کچھ نہیں کر سکتے' بس یہ کام بھی ہمارا تو ہی کر دے۔ اسی طرح کا جواب دیا تھا حضرت موسیٰؑ کو اس کی قوم نے۔ بتایئے بگڑی بنے تو کیسے؟

دنیا والوں کی اصلاح و رہنمائی کرنا تھی

سورۂ آلِ عمران میں آیا:

''(مسلمانو) اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم کو نیکی کا حکم دینا ہے' بدی سے روکنا ہے اور اللہ پر ایمان رکھنا ہے۔ یہ اہلِ کتاب (بھی) ایمان لاتے تو انہی کے حق میں بہتر تھا۔ اگرچہ ان میں کچھ لوگ ایمان دار بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر ان کے بیشتر افراد نافرمان ہیں'' (آلِ عمران:110)۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ آخری امت کو ''خیرِ امت'' کے عظیم لقب سے نوازتا

Marfat.com

ہے۔اس لیے کہ جو کام اس آیت میں امت کو کرنے کیلئے دیا گیا ہے وہ بھی عظیم ہے۔ جس طرح کسی باغ کی بہتر نشو ونما کیلئے کسی مالی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انسانیت کی بہتر بہبود و بقا اور اصلاح و رہنمائی کیلئے بھی کسی عظیم گروہ کی ضرورت رہتی ہے۔ یہ کام اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں امتِ مسلمہ کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ عظیم امت جس نے یہ عظیم کام کرنا تھا خود بگاڑ کا شکار ہے تو اس قدر کہ بگڑی ہوئی اقوام کا دم چھلا بنی ہوئی ہے۔ بھٹکی یہ امت تو ایسے کہ اپنے مقام وحیثیت تک کو بھول گئی۔

امت کی شکل میں رہنا تھا

نظامِ خلافت کے مسمار ہونے سے امامِ امت یعنی خلیفۃ المسلمین کا وجود نہ رہا تو مرکزیت اور مرکزی قوت کے چلے جانے سے امت کا وجود بھی نہ رہا' امت اقوام میں بٹ گئی۔ زیرِ آسماں آج امتِ مسلمہ کا وجود کہیں نہیں' مصری' شامی' یمنی' ایرانی' پاکستانی' بنگلہ دیشی جیسی درجنوں اقوام معرضِ وجود میں آ گئیں۔ یاد رہے بہت سے دینی فرائض امتی سطح کے ہیں یعنی اسے کسی ایک خطے کے مسلمان کما حقہ' ادا نہیں کر سکتے۔ وہ پوری امت کے فرائضِ منصبی میں شامل ہیں۔ فریضہ شہادت علی الناس' عالمی سطح پر فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر' غلبہ دینِ حق کا حصول امتی سطح کے فرائض ہیں۔ آج کما حقہ' ادا نہیں ہو رہے تو اس لیے کہ دنیا میں خود امت کا وجود ناپید ہے۔ کیسی بھول' کیسا انحراف؟ کون و مکاں حیران و ششدر' جنہوں نے ایک امت کی شکل میں رہنا تھا آج متعدد محارب اقوام میں منقسم ہیں۔ مسلمان اللہ و رسول ﷺ کے احکامات کو ایک ایک کر کے توڑتے جا رہے ہیں اور مزید بھول یہ کہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کے لاڈلے ہیں۔

نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی کہ
ایں راہ کہ تو مے روی بہ ترکستان است

Marfat.com

عہدوں کو طلب نہیں کرنا تھا

نافرمانی کی حد ہوگئی، رسول ﷺ کا ارشادِ گرامی تو یہ ہے کہ "نہیں دیتے ہم عہدہ اسے جو خود عہدہ مانگتا اور تا نگتا پھرے"، لیکن ہمارے ہاں مختلف عہدوں کیلئے امیدوار بن کر نہ صرف ووٹ مانگے جاتے ہیں بلکہ خودستائی کے پل باندھے جاتے ہیں کہ میرے جیسا کوئی راست باز، نڈر، خادمِ قوم وغیرہ صفات کا حامل نمائندہ نہیں ملے گا۔ کس قدر خوبصورتی سے ایک بات سمجھائی نبی کائنات ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کو فرمایا:

"اے عبدالرحمٰن مت مانگ عہدہ اور حکومت کیونکہ اگر درخواست سے تجھ کو ملے تو اللہ تجھے اپنے حال پر چھوڑ دے گا اور بغیر سوال کیے ملے تو اللہ تیری مدد کرے گا" (مسلم)۔

ہمارے ہاں اس شرعی نص کو توڑا جاتا ہے تو بڑے شوق اور فخر سے۔ انتخابات میں مہینوں کمر شکن مہم چلائی جاتی ہے۔ مہینوں کاروبار ٹھپ کیے جاتے ہیں۔ رشتہ داروں، دوستوں کا لمحہ لمحہ اس مہم میں جھونک دیا جاتا ہے۔ جمع کردہ سرمایہ پانی کی طرح بہا دیا جاتا ہے۔ دیگیں پکتی ہیں، چائے کے کپ چھلکتے ہیں۔ یہ سب اس لیے کہ ہائے کسی طور مجھے عہدہ مل جائے۔ بھول جاتے ہیں تو اتنا کہ نہ اللہ یاد رہتا ہے، نہ رسول ﷺ، نہ قبر نہ قیامت۔

قرآنی معیارِ اہلیت کو اپنانا تھا

عوامی نمائندوں کیلئے ایمان (نور:55)، تقویٰ (الحجرات:13)، صلاح (نور:55)، علم اور جسم (بقرۃ:247) پر مشتمل قرآنی معیارِ اہلیت کو اپنانا تھا لیکن ہم مسلمان مال و زر، علاقہ پروری، دھونس اور دھاندلی وغیرہ کو معیار بنائے ہوئے ہیں۔ قرآنِ مجید سرمائے کے معیارِ اہلیت ہونے کی دوٹوک نفی کرتا ہے جب کہ ہمارے ہاں صرف سرمایہ ہی معیارِ اہلیت بن کر رہ گیا ہے۔ غریب خواہ لاکھ خوبیوں کا مالک ہو کبھی عوامی نمائندہ بننے کی سوچ بھی نہیں سکتا۔ ملاحظہ ہو فرمانِ ربِ کائنات اور سوختہ بختی اندازہ لگائیں کہ ہم اس بارے میں بھی پیروی کر رہے ہیں رسمِ زمانہ

Marfat.com

بالخصوص مغربی دنیا کی اور نافرمانی کر رہے ہیں ڈٹ کر تو خالق و مالکِ کائنات کی۔ فرمایا گیا:

''ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ وہ بولے ''ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حقدار ہو گیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں ہے''۔ نبی نے جواب دیا ''اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی و جسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے، اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے'' (بقرۃ: 247)۔

حقِ انتخاب صرف اولوالامر کو دینا تھا

موجودہ دور مہارت (Specialization) کا دور ہے۔ ہر ہر فن اور ہر ہر کام کا ماہر ہے۔ کان کا، دانت کا، معدے کا، دل کا حتیٰ کہ کپڑے سینے کا اور حجامت بنانے کیلئے خاص مہارت درکار ہے۔ اس میں کیا شک کہ ان سب امور سے اہم تر معاملہ عوامی نمائندے بالخصوص خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہر مسلمان کو منتخب کرنے کے بکھیڑے میں نہیں ڈالتا۔ حقِ انتخاب صرف اولوالامر کو دیتا ہے۔ یعنی اسلام کا یہ عجیب منفرد پہلو کہ دنیا والے تو کسی حد تک ووٹ حاصل کرنے والے کا معیارِ اہلیت مقرر کرتے ہیں جب کہ اسلام ووٹ وصول کرنے والے سے پہلے ووٹر کا معیارِ اہلیت بھی مقرر کرتا ہے۔ دورِ خلافتِ راشدہ سے اَن گنت ایسے دلائل ملتے ہیں جن میں عوامی نمائندوں کے انتخاب کے لیے عام مسلمانوں کی بجائے یہ حق صرف خاص ذمہ داروں کو دیا گیا۔ یاد رہے خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ نے یہ حق سات افراد پر مشتمل ایک کمیٹی کے سپرد کیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد چند عام لوگوں نے حضرت علیؓ کے پاس اکٹھے ہو کر ان سے منصبِ خلافت قبول کرنے کی درخواست کی تو آپؓ نے فرمایا:

''یہ معاملہ تمہارے فیصلہ کرنے کا نہیں، یہ تو اہلِ شوریٰ اور اہلِ بدر کا کام ہے۔ جس کو یہ مخصوص گروہ پسند کرے گا، وہی خلیفہ ہو گا۔ شوریٰ تو صرف مہاجرین اور انصار کیلئے ہے۔ اگر انہوں نے کسی کو امام قرار دینے پر اتفاق کر لیا تو یہ اللہ اور پوری امت کی رضامندی کیلئے کافی ہے۔ سو ہم

Marfat.com

جمع ہونگے اور اس معاملے پر غور کریں گے'' (الامة والسیاسة لابن قتیبة: 41/1)

ایسے ہی جب عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ نامزد کیا گیا تو انہوں نے وراثت میں ملی ہوئی اس امارت کو اہلِ حل وعقد کے سامنے پیش کر دیا کہ تم جس کو چاہو خلیفہ بنالو کیونکہ یہ تمہارا ہی حق ہے۔ اہلِ حل وعقد نے آپؒ کے غیر معمولی کردار اور علم کی بنا پر آپ کی ہی خلافت پر اتفاق کا اظہار کیا۔ (بحوالہ محدث: اکتوبر 1992' ص 9)۔

محتاجیِ ووٹ کا طریقہ اختیار نہیں کرنا تھا

اسلام کسی ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ووٹ کا محتاج بناتا ہی نہیں۔ آج کی دنیا میں جس قدر فتنہ وفساد' ظلم وجور' رشوت' سفارش' استحصال وغیرہ کا دور دورہ ہے محتاجیِ ووٹ کی وجہ سے ہے۔ عوامی نمائندگی کے خواہشمند امیدوار ووٹرز کے جائز وناجائز کام کرنے کے اس لیے درپے رہتے ہیں کہ کل کو ووٹ لینے ہیں۔ صبح وشام تاک میں رہتے ہیں کہ کہ کس کس کے جنازے میں شامل ہوا جائے اور کس کس کے ساتھ تھانے کچہری جایا جائے۔ بسا اوقات نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ پہلے لوگوں کو خود ہی پھنسایا جاتا ہے اور پھر خود ہی نجات دہندہ بن کر پہنچا جاتا ہے۔ ووٹ پکا کرنے کیلئے یہ تمام ہتھکنڈے بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور حسب ضرورت ووٹ خریدے بھی جاتے ہیں۔ چائے پارٹیاں' ڈنر پارٹیاں' بیٹھک اور کارنر پارٹیاں...... یہ سب حصولِ ووٹ کی خاطر۔

عوام ہی نہیں خواص تک ووٹ اور بیعت کو ہم معنی اور ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ایک تو یہ کہ ووٹنگ عہدہ سنبھالنے سے پہلے ہوتی اور بیعت بعد میں دوسرے یہ کہ بیعت صرف اور صرف خلیفة المسلمین کیلئے ہوتی ہے۔ بیعت لیتے وقت جس کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اصل میں بیعت ایک معاہدہ ہے اللہ اور بندے کے درمیان۔ اس معاہدے میں بندہ اپنی جان اور مال اللہ کے لیے مختص کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اس جان ومال کے عوض اس مخصوص بندے کو جنت عطا کرتا ہے (توبة: 111)۔ یاد رہے خلیفة المسلمین جو

Marfat.com

دراصل اللہ تعالیٰ کی شریعت نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہے اسلامی مملکت کے دوسرے اہم عہدوں کا تعین خود کرتا ہے۔ دوسرے اولوالامر جو تعیناتیاں کرتے ہیں اصل میں وہ بھی خلیفہ کی طرف سے (On behalf of him) ہوتی ہیں۔

تعاون صرف میرٹ کی بنا پر کرنا تھا

ایسا ہے جیسے کہ دورِ حاضر کے مسلمانوں نے ایکا کر رکھا ہے کہ چلتے بس ہر کام اللہ و رسول ﷺ کی مخالفت میں کرنا ہے۔ یاد رہے قرآنِ مجید چند الفاظ میں ایک بہت بڑا اصول دیتا ہے۔ بیان ہوا:

”جو کام نیکی اور تقویٰ کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اس کی سزا بہت سخت ہے“ (مائدہ: 2)۔

یہ تو ہے ربِ کائنات کا واضح حکم لیکن ہم نے اپنے ہاں متحارب حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف بنا رکھے ہیں۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کسی بھی زیرِ بحث معاملہ میں قرآن و سنت کیا کہتے ہیں؟ ہمارا ہدف صرف اپنی پارٹی کو جتانے کا ہوتا ہے خواہ ایسا کرتے ہوئے متعدد نصوص کو توڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔ یاد رہے اسلام میں جو لوگ صاحبِ اقتدار ہوتے ہیں وہ تو حزبِ اقتدار ہوتے ہی ہیں باقی ساری امت حزبِ اختلاف ہوتی ہے۔ اسلامی مملکت کا کوئی بھی شہری خلیفۂ وقت تک کا احتساب کر سکتا ہے۔ البتہ ایسا احتساب اسی اصول کے تحت ہوتا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔

لائق احترام بھائیو اور بہنو! بات اگرچہ تلخ ہے لیکن ہے حقیقت کہ مذکورہ بالا اور اس جیسی اَن گنت دوسری اللہ و رسول ﷺ کی مسلسل نافرمانیاں مسلمانانِ عالم کو اس مقام پر لے آئی ہیں کہ ”دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا“۔ سخت ناپسند ہے اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کا دنیا میں مغلوب ہو جانا اور مغلوبیت سے سمجھوتہ کیے رکھنا۔ اس ہمالہ قد تبدیلی نے ہماری اس زمین کے پورے نظام کو غیر فطری اور درہم برہم کر رکھا ہے۔ یعنی ماسوائے ہماری اس دھرتی کے باقی کائنات میں سو فیصد فطری قوانین کارفرما ہیں جس کی وجہ سے نہ وہاں کوئی تصادم نہ ٹکراؤ نہ بے چینی نہ بے ہنگمی۔ شب و

Marfat.com

روز کے آنے جانے کو ہی دیکھ لیں کس قدر دل موہ لینے والی تصحیح اور مسحور کن خاموشی' سکون اور خوبصورتی سے یہ نظام صدیوں سے چل رہا ہے۔ پانی بھی فطری قوانین کا پابند ہے' ہوا بھی' کوہ دامن اور شجر و حجر بھی۔ کیا مجال ان میں سے کوئی چیز سرِ موانحراف کرے۔

زمین پر البتہ ہنگامے ہیں' فتنہ وفساد ہے' ظلم وزیادتی ہے' افراط وتفریط ہے۔ خودکشیاں ہیں' لوٹ کھسوٹ ہے' استحصال واستیصال ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس یعنی جنگل کا قانون رواں دواں ہے۔ دنیا پر شر کے سائے ہیں۔ راعی ورعایا' آجر واجیر اور میاں بیوی میں سے ہر کوئی بے سکونی و بے مروتی کا شکار ہے۔ غریب بھی پریشان ہے تو امیر بھی۔ وجہ ان تمام نشیب وفراز اور الٹ پھیر کی صرف یہی ہے کہ وہ مسلمان جنہوں نے اس دنیا کو سنوار کر رکھنا تھا' خود بگاڑ کا شکار ہیں۔ وہ جنہوں نے اس دھرتی پر بطور غالب قوت رہنا تھا' خود مغلوب ہیں۔ چونکہ اس افراتفری میں مسلمانوں کا کردار مرکزی ہے' اس لیے وقت کے اس موڑ پر تین طرح کا عذاب مسلمانوں پر مسلط ہے۔ قرآن ان تینوں کا ذکر کرتا ہے۔ عذاب کی پہلی شکل وہ ہے جس کا ذکر سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر 85 میں آیا۔ فرمایا گیا:

''تو کیا تم کتاب کے کچھ حصوں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ پھر جو لوگ تم میں سے ایسا کریں' ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو''۔

مسلمانانِ عالم وقت کے موجودہ موڑ پر دنیا میں ذلت ورسوائی اور مسکنت سے دوچار ہیں تو اسی عذاب کی وجہ سے۔ زیرِ آسماں ان کو مارا اور لتاڑا جا رہا ہے تو اسی وجہ سے۔ خونِ مسلم کی ارزانی اور عصمتِ مسلم کی بربادی ہے تو اسی وجہ سے۔ اور پھر جیسے کہ اس آیہ مبارکہ میں فرمایا گیا آخرت کا شدید ترین عذاب ان کے انتظار میں ہے۔ عذاب کی دوسری شکل جو دورِ حاضر کے مسلمانوں پر مسلط ہے سورۂ انعام کی آیت نمبر 65 میں بیان ہوئی۔ ملاحظہ ہو قرآن:

Marfat.com

''کہہ دیجئے' وہ (اللہ) اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کر دے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کر دے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزا چکھوا دے۔ دیکھو ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں شاید کہ یہ اصل بات سمجھ لیں''۔

کس قدر واضح ہے عذاب کی یہ شکل جسے ہر کہہ و مہہ آج اپنے سامنے بچشم سر دیکھ رہا ہے۔ فلسطین میں مسلمان ہی مسلمان کو مار رہا ہے۔ عراق میں' افغانستان میں حتیٰ کہ وطنِ عزیز پاکستان میں مسلمان ہی مسلمان سے برسرِ پیکار ہے۔ ٹھیک ہے اس مار کٹائی اور قتل و غارت میں غیر مسلموں کا بھی حصہ ہے لیکن وہ حصہ بھی مسلمانوں کی نالائقی اور آپس کی سر پھٹول کی وجہ سے ہے۔ مسلمانوں کی باہمی کشمکش اور چپقلش نے ہی اصل میں غیر مسلموں کو ان پر چڑھائی کا موقع فراہم کیا ہے۔ قرآنِ مجید نے اس سے بھی مسلمانوں کو پہلے سے متنبہ کر رکھا ہے۔ فرمایا:

''(مسلمانو) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' (انفال:46)۔

عذاب کی تیسری شکل وہ ہے جس سے وقت کے اس موڑ پر صرف مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی دو چار ہیں۔ یہ شکل سورۂ انفال ہی کی آیت نمبر 73 میں بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر (مسلمانو) تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو گا''۔

سامنے کی بات ہے دنیا بھر کے کفار و مشرکین ایک دوسرے کے اتحادی ہیں' متحد ہو کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ شومیٔ قسمت' جتنا غیر مسلموں میں اتحاد ہے' اتنا ہی مسلمانوں میں انتشار ہے۔ نتیجہ وہی' بحر و بر بھر گئے فتنہ و فساد سے۔ مسلمان ہوں کہ غیر مسلم' ہر دو مبتلا ہیں اس عذاب میں' گو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہے مسلمانوں کی شامتِ اعمال سے۔

Marfat.com

یہ تو ہوئیں عذاب کی وہ تین شکلیں جو آج ہمارے سامنے عیاں اور نمایاں ہیں لیکن عذاب کی دو شکلیں مزید ایسی ہیں جو عوام الناس کی نظروں سے تو قدرے اوجھل ہیں لیکن اہلِ نصرت کو روزِ روشن کی طرح نظر آتی ہیں۔ یہ دونوں شکلیں البتہ اپنی ترشی، تلخی اور سنگینی کے اعتبار سے انتہائی مضر اور دور رس نتائج کی حامل ہیں۔ عذاب کی ایسی پہلی شکل یہ کہ اللہ بحیثیت مجموعی عصرِ حاضر کے مسلمانوں سے ناراض ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اس کی نصرت سے محروم ہیں۔ اس کا بین ثبوت مسلمانوں کا دنیا میں مغلوب ہو جانا ہے۔ یاد رہے مسلمان دنیا میں مغلوب و مجبور ہوتے ہیں تو اس وقت جب وہ اللہ کی نصرت سے محروم ہوں۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو؟ جو سچے مومن ہیں' ان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے'' (آلِ عمران:160)۔

قدرے اوجھل عذاب کی دوسری شکل جو اس وقت مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی مسلط ہے وہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر یہ مومن نہیں رہے۔ اس لیے کہ قرآنِ مجید یہ بھی پتہ دیتا ہے کہ مسلمان اگر مومن ہوں تو ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرمایا گیا:

''دل شکستہ نہ ہو' غم نہ کرو' تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہوئے'' (آلِ عمران:139)۔

یہ تو ہیں عذاب کی مختلف شکلیں جو اس وقت جس وقت یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں' مسلمانوں پر مسلط ہیں لیکن طرفہ تماشا یہ اور ہے یہ بھی یقیناً ایک عذاب ہی کی شکل کہ مسلمانوں کو ان عذابوں اور اپنے جرائم کا شعور ہی نہیں۔ وہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ کوئی خرابی نہیں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ ایک کے بعد دوسری' دوسری کے بعد تیسری غلطی' غرضیکہ غلطیوں اور حماقتوں کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ یعنی وہی گم گشتگی' بھٹکے ہم تو بھٹکتے ہی چلے جا رہے ہیں۔

سانحہ سے بڑا حادثہ یہ ہوا کہ
ہم ٹھہرے نہیں حادثہ دیکھ کر

Marfat.com

اہلِ دنیا کو راہِ راست پر رکھنے کا ذمہ دار کون؟

Marfat.com

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ فقر بوذرؓ صدقِ سلمانیؓ

Marfat.com

اہلِ دنیا کو راہِ راست پر رکھنے کا ذمہ دار کون؟

ازل سے معرکہ حق و باطل جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی بچھائی ہوئی اس زمین پر کہ جس میں ہم رہ بس رہے ہیں انسانیت کی سطح پر دو گروہ موجود ہیں۔ بالفاظِ دیگر ازل سے انسانیت دو طبقات میں بٹی ہوئی ہے اور تا قیامت یہ دونوں طبقات موجود رہیں گے۔ انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں ان دونوں گروہوں کے باہمی تناسب میں تو فرق رہا ہے لیکن ان کا وجود ہر آن دنیا میں ریلوے لائن کی دو لائنوں کی طرح متوازاً موجود رہا ہے، موجود ہے اور موجود رہے گا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ رب کائنات نے اپنی اس مخلوق کو کہ جسے "انسان" کا نام دیا گیا ہے اور جس کے لئے زمین و آسمان کی ہر دوسری مخلوق مسخر کر دی گئی ہے ایک مقررہ مدت تک صوابدیدی اختیارات (Discritional Powers) عطا کر رکھے ہیں۔ یعنی اس دنیا میں آنے والا ہر انسان خود فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے کہ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے خالق و مالک کے احکامات و ہدایات کے مطابق اپنی زندگی گزارے یا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایات و قوانین کو پسِ پشت ڈال کر اپنے یا اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطوں کے مطابق زندگی گزارے۔ ایسے اختیارات اللہ تعالیٰ نے اپنی اس انوکھی اور لاڈلی مخلوق کو پہلے بھی مختلف تقاریب میں اور پھر عین زمین پر بھیجتے وقت عطا کئے۔ قرآن مجید میں آیا:

"ہم نے کہا کہ "تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے" (بقرہ:39)۔

عطا کردہ صوابدیدی اختیارات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہی پوری انسانیت ہمیشہ ہمیشہ

Marfat.com

کے لئے دوگروہوں میں منقسم ہے۔ایک گروہ تو اللہ کے عطا کردہ احکامات کے مطابق زندگی گزار رہا ہے جب کہ دوسرا اللہ تعالیٰ کے احکامات کو دھتکار کر من مرضی کی زندگی گزارنے پر مصر ہے۔ قرآن حکیم یہ بھی پتہ دیتا ہے کہ اس دنیا میں من مرضی یا خودساختہ قوانین کے مطابق زندگی گزارنے والے آخرت میں من مرضی کی زندگی نہیں گزار سکیں گے جبکہ اس دنیا میں اللہ مرضی کی زندگی گزارنے والے آخرت میں من مرضی کی زندگی گزاریں گے۔ایسا کرنے کی انہیں خالق و مالک کائنات کی طرف سے بطور انعام اجازت ہوگی۔ایسا کیوں؟ اس لئے کہ اس دنیا میں اللہ مرضی کی زندگی گزارنے والے، دراصل اللہ کی اس دھرتی کو سنوارنے کا باعث بنتے ہیں جب کہ من مرضی کی زندگی گزارنے والے اس زمین اور اہلِ زمین کو بگاڑنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔قرآن مجید یہ بھی پتہ دیتا ہے کہ یہ سنوار کر رکھنے والے یا بالفاظِ دیگر ''معروف'' کو فروغ دینے والے انسانی تاریخ کے کسی بھی موڑ پر اقلیت میں ہوتے ہیں جب کہ بگاڑ پیدا کرنے والے یا دوسرے لفظوں میں ''منکر'' کو فروغ دینے والے انسانیت کی سطح پر ہمیشہ اکثریت میں ہوتے ہیں۔قرآن مجید میں آیا کہ ''اکثر الناس لایعلمون'' اور یہ بھی کہ ''اکثر الناس لایعقلون''۔یعنی وہ گروہ جو اس دنیا میں اللہ کا باغی ہو کر وقت گزاری کرتا ہے جاہل بھی ہوتا ہے اور کم عقل بھی۔

جس طرح مذکورہ دو گروہ دنیا میں ہمیشہ متوازی رہے ہیں اسی طرح ایک گروہ کے گلِ سرسبد انبیاءؑ، خلفاءِ راشدین، محدثین، فقہاء، اولیاء اللہ، علمائے کرام وغیرہ رہے ہیں تو دوسرے گروہ کی قیادت نمرود، فرعون، قارون، ہامان جیسے اللہ کے باغی کرداروں نے کی ہے۔ان دو انتہاؤں کے درمیان باقی انسانیت مختلف طبقات میں بٹی رہی ہے، بٹی ہوئی ہے اور بٹی رہے گی۔ بڑی تقسیم وہی دو گروہوں کی کہ جن کا ذکر اوپر ہوا۔یعنی سب سے بڑا گروہ تو وہ جو اللہ کا باغی اور اسے نہ ماننے کی وجہ سے ''کافر'' کہلایا، جب کہ دوسرا گروہ وہ جو دنیا میں اللہ کا مطیع فرمان بن کر رہا اور اس ماننے کی وجہ سے ''مسلم'' کہلایا۔ان دونوں بڑے گروہوں میں سے ہر گروہ اندرونی طور پر ان گنت طبقات میں بٹا ہوا ہے۔وہ جو کافر کہلاتے ہیں ان میں بھی مختلف طبقات ہیں اور جو مسلم

Marfat.com

قرار پائے ان کی بھی مزید اندرونی تقسیم ہے۔ ایک بات البتہ جس کا اوپر بھی ذکر ہوا نہ ماننے والوں یا کفار کی تعداد ہمیشہ اکثریت میں رہی ہے جب کہ مسلمانوں کی تعداد ہمیشہ اقلیت میں۔ ایسا حضرت آدمؑ کے وقت سے لے کر ہے گو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین اس وقت سے لے کر تا قیامت اسلام ہے۔ وقت کے موجودہ موڑ پر بھی ''مسلم'' ہونے والوں کی تعداد کافر ہونے والوں کی تعداد کے مقابلہ میں قریباً ایک چوتھائی ہے۔

کفار و مشرکین کی مزید اندرونی تقسیم اس وقت ہماری بحث کا موضوع نہیں، البتہ مسلمانوں کی مزید اندرونی تقسیم ایک لحاظ سے موجودہ دور میں کچھ اس طرح ہے کہ ہمارے ہاں تین سب طبقات پائے جاتے ہیں۔ یہ تقسیم اس بنا پر ہے کہ ان میں سے کونسا سب طبقہ موجودہ نظامِ باطل کے حق میں ہے اور کونسا اس کے خلاف۔ بالفاظِ دیگر کونسا سب طبقہ موجودہ نظام میں تبدیلی چاہتا ہے اور کونسا اس کو تبدیل کرنے کے حق میں نہیں۔ یاد رہے باطل نظام وہ بھی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے بغاوت یا قرآن و سنت کے انکار پر مبنی ہو جیسے کہ اس وقت پوری دنیائے کفر میں جاری و ساری ہے اور وہ نظام بھی جو قرآن و سنت کے خالص احکامات پر مبنی ہونے کی بجائے کچھ اسلام اور کچھ غیر اسلام کے مجموعے پر مبنی ہو جیسے کہ اس وقت پوری دنیائے اسلام میں رواں دواں ہے۔ اس میں تو شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس وقت قرآن و سنت کے خالص احکامات و قوانین پر مبنی نظام یا دوسرے لفظوں میں نظامِ خلافت دنیا میں کہیں نہیں۔ مختلف مسلمان ممالک میں اسلامی اور غیر اسلامی کے باہمی تناسب میں تو فرق ہے لیکن ہے ہر مسلمان ملک کا نظام اسلامی اور غیر اسلامی قوانین کے آمیزے پر مشتمل۔

مسلمانوں کا وہ سب طبقہ جو موجودہ باطل نظام کے حق میں ہے یا جو ''اسٹیٹس'' کو قائم رکھنا چاہتا ہے، موجود تو ضرور ہے لیکن ہے انتہائی کم تعداد میں۔ ہمارے رف اندازے کے مطابق ایسے سب طبقے کی تعداد مسلمانوں کی کل تعداد کا کوئی پانچ فیصد ہے۔ گندگی کے کیڑے کی طرح یہ سب گروہ خواہشات و مفادات کا رسیا ہے اور جب اس کی خواہشات و مفادات اسے من مرضی کے مطابق دستیاب ہیں تو نظام کو بدلنے کی وہ سوچے تو کیوں؟ کسی کو منافق قرار دینا تو اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

صوابدید پر۔ ہے لیکن اصطلاحاً منافق وہی ہوتا ہے جو بظاہر مسلمانی کا دعویٰ کرے لیکن اندر سے غیر اسلام کا شیدائی ہو۔ مسلمانوں کی اس پانچ فیصد آبادی کے علاوہ باقی پچانوے فیصد آبادی وہ ہے جو موجودہ باطل نظام سے نالاں ہے اور چاہتی ہے کہ اس کی جگہ ایسا متبادل نظام آئے جو ان کے اور ان کی آئندہ نسلوں کے لئے بہتری اور خیر خواہی کا باعث بنے۔ نالاں ہے اس نظام سے تقریباً پچانوے فیصد آبادی تو اس لئے کہ کہ ان کے سامنے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ ہر سو جنگل کا قانون یعنی ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا قانون جو بن پر ہے۔ قانون بنانے والے (جنہیں قرآن وسنت کی رو سے قانون بنانے کا کوئی اختیار نہیں) دھڑلے سے قوانین بناتے ہیں اور پھر خود ہی انہیں توڑنے کی پہل کرتے ہیں اور پھر توڑتے ہی چلے جاتے ہیں۔ انفرادی سطح پر کوئی غریب ہسپتال جاتا ہے تو مہینوں اسے بستر (Bed) نہیں ملتا جب کہ کچھ ''اونچی قلغی والوں'' کے لئے صبح و شام ہر لمحہ پورے کے پورے کمرے اس لئے مقفل ہوتے ہیں کہ وہ ریزرو (Reserve) ہیں۔ غریب کا بیٹا کتنا بھی اہل ہو اسے یونیورسٹی میں حیلے بہانے داخلہ نہیں ملتا جب کہ بعض کے بچوں کو حاصل کردہ نمبروں میں ہیرا پھیری کرنے کی نوبت آئے تو کر کے داخلہ مل جاتا ہے۔ کسی کے بچے سارا دن محنت مزدوری کرنے کے باوجود بھوکے سوتے ہیں جب کہ کچھ سر پھرے کتوں کو بجی سجائی گاڑیوں میں لئے پھرتے ہیں۔ رشوت کے بغیر فائل گم رہتی ہے، سفارش ہو تو وارے نیارے۔ عالمی سطح پر نظر دوڑائیں تو ان ستاون مسلمان ممالک کا ہونا اور بنا بریں پوری اسلامی دنیا کو 57 حصوں میں منقسم کرنا اور کئے رکھنا قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ یاد رہے قرآن و سنت کی رو سے صرف ایک خلیفۃ المسلمین کو حقِ خلافت حاصل ہے۔ شومئی قسمت موجودہ ستاون حکمرانوں نے اس حقِ خلافت کو چھین رکھا ہے۔ لہٰذا یہ چھیننے والے غاصب ہیں۔ ان غاصبوں کے اسلامی دنیا کو یوں منقسم کرنے اور باہمی انتشار کی وجہ سے کفار ومشرکین کو موقع مل گیا کہ وہ دنیا میں بطور غالب قوت نمودار ہوئے اور اس وقت موجود ہیں۔ یہ جانے رہیں کہ دنیا میں کفار ومشرکین کا غلبہ ہونا سب برائیوں کی جڑ اور ہر بدی کا محور ہے۔ اس وقت دنیا میں جس قدر خون خرابہ، شور شرابہ،

Marfat.com

ظلم وستم، فتنہ وفساد، عریانی وفحاشی اور جنگل کے قانون کا ہونا ہے اسی وجہ سے ہے کہ دنیا کی ڈرائیونگ سیٹ پر کفر براجمان ہے۔ سوختہ بختی مسلمان قیادتیں کفار کے اس الٹی گنگا بہانے میں ممد ومعاون ہیں۔ یو این او چارٹر ایک طاغوتی دستاویز ہے۔ اس پر ان مسلمان قیادتوں نے اسی طرح مہرِ رضامندی ثبت کررکھی ہے کہ جس طرح غیر مسلم قیادتوں نے۔ اور تو بہت لیکن اس دستایز کی صرف ایک یہ شق کہ جس کے تحت چند ایک مما لک کو ویٹو پاورز کی پرویژن ہے اس دستاویز کو طاغوتی قرار پانے کے لئے کافی ہے۔ سیکولر دنیا خود ارکان کی ایسی تقسیم کو انسانی حقوق کے خلاف قرار دیتی ہے۔

یہ پورے پیکج سے چندان وجوہات کا ہم نے ذکر کیا جس کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمان موجودہ نظام سے نالاں ہیں اور بنا بریں اسے بدلنا چاہتے ہیں۔ جب بدلنے پر آتے ہیں تو اس پچانوے فیصد آبادی کی مزید سب گروہی تقسیم کچھ ایسے طبقات کی صورت میں سامنے آتی ہے جنہیں قرآن وسنت میں مختلف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں ہم صرف اس تقسیم پر روشنی ڈالتے ہیں جو قرآن مجید کی سورۂ عصر میں بیان ہوئی ہے۔ فرمایا گیا:

''زمانے کی قسم، انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے''۔

اس سورت میں پہلے تو اس سب سے بڑے انسانی گروہ کا ذکر ہے کہ جسے ہم اوپر کل انسانی آبادی کا موجودہ دور میں تین چوتھائی قرار دے چکے ہیں۔ حتمی طور پر بیان فرمایا گیا کہ یہ گروہ خسارے میں ہے۔ یہ گروہ خسارے میں ہے باوجود اس کے کہ بعض اوقات اس دنیا میں اس کی چمک دمک اور چلت پھرت بظاہر بڑی پرکشش اور قابلِ رشک ہوتی ہے۔ البتہ اس پچانوے فیصد آبادی جو کہ مسلمان ہے اور موجودہ باطل نظام سے چھٹکارا چاہتی ہے کی تقسیم ہمارے اندازے کے مطابق کچھ اس طرح ہے کہ اس میں کل آبادی کا کوئی پچپن فیصد حصہ وہ ہے کہ جو اس لئے مسلمانوں میں شمار ہوتا ہے کہ وہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوگیا اور ان کے نام مسلمانوں کے سے ہیں۔ وہ نماز

Marfat.com

تک نہیں پڑھتے بلکہ ان میں سے ایک وافر تعداد کو نماز پڑھنی ہی نہیں آتی۔ جیسے تیسے بھی ہیں وہ اوپر سورہ میں بیان کردہ اس کھاتے میں آتے ہیں جو "ایمان لانے" سے آگے کم ہی بڑھتا ہے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ ایسے مسلمانوں کی مسلمانی کو ناکافی قرار دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آیا:

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کو آزمایا نہ جائے گا" (عنکبوت:2)

اس کے بعد دوسرا طبقہ جو ہمارے اندازے کے مطابق مسلمانوں کی کل آبادی کا تقریباً بیس فیصد ہے، وہ گروہ ہے جو "ایمان لانے" سے آگے بڑھ کر کچھ اعمالِ صالحہ بھی کرتا ہے۔ بعض مسلمان تو اس طبقے میں سے ایسے بھی ہیں جو پانچ نمازوں کی بجائے سات آٹھ نمازیں باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ ماہِ رمضان کے ہی نہیں نفلی روزے بھی رکھتے ہیں۔ بار بار حج اور عمرے کی سعادت بھی حاصل کرتے ہیں۔ قرآن خوانی اور وظائف کے رسیا ہیں۔ دیگیں پکا پکا کر بانٹتے رہتے ہیں لیکن ان سے موجودہ باطل نظام کو بدلنے کی بات کی جائے تو طرح دے جاتے ہیں۔ سمجھانے والے کو ایسے گھورتے ہیں جیسے اس نے کسی نئے اور نامانوس دین کی بات کر دی ہو۔ کامیابی و نجات کے لئے سورہ میں باقی دو شرائط یعنی تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یاد رہے اسوۂ رسول ﷺ تو نمایاں طور پر حق کی تبلیغ و تنفیذ اور اس راستے کی مصائب و مشکلات جھیلنے پر مشتمل ہے۔ امتی سطح کے بڑے بڑے فرائضِ منصبی تو ایسا کئے بغیر ادا ہو ہی نہیں پاتے۔ فریضۂ شہادت علی الناس اور فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر وغیرہ جیسے لازمی فرائض تو حق کی تبلیغ و تنفیذ اور صبر کا دامن تھامے بغیر ادا نہیں ہو پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ کے علاوہ بالخصوص تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا ذکر کرتے ہیں۔ واضح طور پر یہ بھی ذکر قرآنِ مجید میں اکثر مقامات پر آیا کہ جن میں جنت میں داخلے کے لئے جہاد اور صبر کو لازم قرار دیا ہے۔ ایک جگہ پر مثال کے طور پر آیا: "کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں

Marfat.com

لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنیوالے ہیں''(آل عمران:142)

یاد رہے اقامتِ حق یا نفاذِ نظامِ خلافت ہی اسوۂ رسول ﷺ ہے۔ آپ دنیا میں آئے تو نظامِ جاہلیت تھا، دنیا سے واپس گئے تو اس وقت جب نظامِ خلافت قائم ہو چکا۔ خود کو محض ایمان لانے والے اور خود کو اعمالِ صالحہ تک محدود کرنے والے مسلمان یہ تک غور نہیں کرتے کہ اللہ کے رسول ﷺ دنیا میں محض نمازیں پڑھ کر اور روزے رکھ کر واپس نہ چلے گئے۔

سورہ عصر میں بیان کردہ ایک اور گروہ یا ہماری تقسیم کے مطابق تیسرا گروہ وہ ہے جو ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ ادا کرنے کے ساتھ ''تواصی بالحق'' اور تواصی بالصبر کے فرائض بھی ادا کرتا ہے۔ ایسے مسلمانوں کی تعداد ہمارے اندازے کے مطابق مسلمانوں کی کل آبادی کا تقریباً بیس فیصد ہے۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو بقدر استطاعت مسنون زندگی گزارتے ہیں یعنی سورہ عصر میں بیان کردہ چاروں شرائط، ایمان لانے، اعمالِ صالحہ کرنے، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر پر پورے اترنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مبارک ہے ان مسلمانوں کا وجود ہماری اس زمین پر اس لئے کہ نظامِ باطل سے سمجھوتا کرنے کی بجائے یہ اسے نظامِ خلافت میں بدلنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگاتے ہیں خواہ یہ انقلابی واحتجاجی طریقے سے نظام بدلنے کے درپے ہوں یا روایتی سیاست میں شامل ہو کر یا جہاد وقتال کے ذریعہ یا تبلیغ ودعوت کے ذریعہ سے۔ ہدف ان تمام کا یہی ہے کہ اللہ کی اس زمین پر قرآن وسنت کا نظام نافذ ہو۔ ہم نے ان تمام مسلمانوں کو اس لئے نظام بدلنے والوں میں شامل کیا ہے کہ امنگ ان کی ہے ہی موجودہ نظام کو بدل کر نظامِ خلافت کا قیام۔ البتہ بڑا ضروری ہے کہ یہ مختلف طریقے اختیار کرنے والے احباب خوب سوچ سمجھ کر صرف ایک یعنی مسنون طریقے پر متحد ہو جائیں۔ مجتمع ہونے سے ظاہر ہے ان کی کوششیں جلد بار آور ہونگی۔

ہماری مذکورہ اندازاً تقسیم کے مطابق مسلمانوں کی کل آبادی کا پانچ فیصد وہ مسلمان ہیں جو موجودہ باطل نظام کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں، پچپن فیصد وہ جو موجودہ نظام سے نالاں تو ہیں لیکن اسے بدلنے کی سوچتے تک نہیں، بیس فیصد وہ ہیں جو موجودہ نظام سے نالاں ہونے کے علی الرغم

Marfat.com

اپنے آپ کو اسے بدلنے کا مکلف نہیں سمجھتے اور صرف بیس فیصد وہ مسلمان ہیں جو موجودہ نظام کو بدلنے کے درپے ہیں۔ اولاول الذکر پانچ فیصد اور آخر الذکر بیس فیصد کے علاوہ 55+20=75 فیصد مسلمان وہ ہیں جو موجودہ نظام سے نالاں تو ہیں، چاہتے بھی ہیں کہ موجودہ نظام کی جگہ قرآن وسنت کا نظام نافذ ہو لیکن دل کے نہاں خانے میں یہ بھی جاگزیں رکھتے ہیں کہ وہ نظام کو بدلنے کے نہ مکلف ہیں اور نہ انہیں اس بکھیڑے میں پڑنا چاہئے' اللہ جب چاہے گا خود ہی یہ کام ہو جائے گا۔ پچھتر فیصد آبادی پر مشتمل مسلمانوں کا یہ بہت بڑا گروہ سخت بھول کا شکار ہے۔ یہ تک نہیں سوچتا کہ اسوۂ رسول ﷺ جسے اپنانے کا ہر مسلمان پابند ہے' آخر ہے کیا؟ اللہ نے جب یہ پوچھا کہ تم نے مسنون زندگی کیوں نہ گزاری تو جواب کیا ہوگا؟

ویسے تو پوری امتِ مسلمہ یعنی سو فیصد مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا والوں کو راہِ راست پر رکھیں' قرآن مجید میں آیا:

''(مسلمانو!) اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے'' (آل عمران:110)۔

تاہم صغریٰ کبریٰ جوڑا جائے تو دنیا میں قرآن وسنت کے نظام کا نافذ نہ ہونا یا اس کے نفاذ میں تاخیر کی ذمہ داری اس بڑے یعنی مسلمانوں کے پچھتر فیصد گروہ پر عائد ہوتی ہے اس لئے کہ یہ بڑا گروہ اگر اس بیس فیصد گروہ کا ہمنوا و ہم رقاب ہوتا کہ جو موجودہ باطل نظام کے بدلنے میں مصروف و منہمک ہے تو نظامِ خلافت کبھی کا نافذ ہو چکا ہوتا۔ تاخیر ہو رہی ہے تو زیادہ تر اس بڑے گروہ کو اپنے فرائضِ منصبی کا ادراک نہ ہونے کی وجہ سے۔ پھر یہ بھی کہ سو فیصد حاملینِ منبرو محراب اور علمائے کرام اگر پورا وزن نظامِ باطل کو نظامِ حق سے بدلنے میں ڈال دیتے اور پوری اسلامی دنیا کے خطیب نظام بدلنے کے ایک ایجنڈے کو اپنے خطبوں کا محور و مرکز بناتے تو صدیوں میں کیا، سالوں میں کیا، بفضل اللہ مہینوں میں نظامِ خلافت اس دھرتی کا مقدر بن چکا ہوتا۔ اللہ کیا ایک دن ان سے پوچھے گا نہیں کہ اہلِ دنیا کو راہ راست پر رکھنے کا ذمہ دار تھا کون؟

Marfat.com

اللہ کے حضور...... مشکل ہوگا ہمارا خود کو مسلمان ثابت کرنا

Marfat.com

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

Marfat.com

اللہ کے حضور...... مشکل ہوگا ہمارا خود کو

مسلمان ثابت کرنا

مسلم ہو کہ غیر مسلم ایک دن ہر انسان نے اپنے عرصۂ زندگی میں کی گئی کارکردگی کو لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ یہ بھی کہ اچھی کارکردگی کی صورت میں ہمیشگی جزا اور بری کارکردگی کی بنا پر ہمیشگی سزا کا مستحق قرار پانا ہے۔ یہ حساب کتاب انفرادی سطح پر بھی ہونا ہے اور اس قوم کی سطح پر بھی جس میں اس نے زندگی کے دن گزارے تھے۔ فرض کریں قیامت بر پا ہے' قرآنی احکامات کی روشنی میں عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی کارکردگی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی جاتی ہے۔ مسلمانوں نے کیا کر کے اپنے رب کے حضور حاضر ہونا تھا' کیا کر کے حاضر ہوئے' ملاحظہ ہو:

1- ارشادِ ربِّ کائنات ہے

''اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ''امتِ وسط'' بنایا تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو' (بقرۃ:143) امتِ وسط ہونے کے حوالے سے قرآن و سنت کا وہ ذخیرہ جو اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں تک پہنچایا اب ان کا فرضِ منصبی ہے کہ وہ اسے بالخصوص ان لوگوں تک پہنچائیں جو غیر مسلم گھرانوں میں پیدا ہو گئے۔ اگر مسلمان یہ فریضۂ شہادت علی الناس نہ کر سکیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور ملعون قرار پائیں گے (بقرۃ:169)۔

عمل نہ کر پائے عصرِ حاضر کے مسلمان

ظاہر ہے' پہنچانے کا یہ کام ہم مسلمانوں نے قول و فعل سے کرنا تھا۔ قول سے تو کچھ کام ہوا' فعل سے قطعاً نہیں۔ فعل سے اس وقت ہوتا جب قرآن و سنت پر مبنی نظامِ خلافت ہم سے قائم ہو چکا ہوتا تا کہ دنیا والے اس کے فیوض بچشمِ سر دیکھ کر متاثر ہوتے۔ ہم قائم نہ کر پائے ایسا نظام۔

Marfat.com

ہائے ہماری کمبختی! ہم نے نہ مانا اللہ کے اس حکم کو۔

2-ارشادِ ربِّ کائنات ہے

''اے ایمان لانے والو پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے'' (بقرۃ:208)۔

عمل نہ کر پائے عصرِ حاضر کے مسلمان

ہماری عدالتوں' ایوانوں' مکانوں وغیرہ میں زیادہ تر انگریز کے تیار کردہ قوانین نافذ رہے۔ ہم مانتے ہیں' ہمیں قرآن وسنت کے سو فیصد قوانین پر مبنی نظامِ خلافت کو قائم کرنا تھا' ہم ایسا نہ کر پائے۔ ہائے ہماری کم بختی' ہم بضدر ہے کہ اللہ کے اس حکم کو نہیں ماننا' چنانچہ نہ مانا۔

3-ارشادِ ربِّ کائنات ہے

''(امتِ مسلمہ) اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی راہنمائی واصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو'' (آلِ عمران:110)

عمل نہ کر پائے ہم......عصرِ حاضر کے مسلمان

''خیرِ امت'' کا عظیم لقب ہمیں دیا گیا تھا۔ ہمارا فرضِ منصبی تھا کہ ہم اقوامِ عالم کی رہنمائی اور اصلاح کرتے۔ نیکی کو فروغ اور بدی کا قلع قمع کرتے۔ وسیع تر تناظر میں اس دنیا کو سنوار کر رکھنے اور بگاڑ سے بچانے کی ذمہ داری ہم نے ادا کرنا تھی لیکن ہم تو الٹا دنیا والوں کی تقلید کرتے رہے اور بگاڑ میں ان کے حمایتی رہے۔ ہائے ہماری کم بختی! ہم بضدر ہے کہ اللہ کے اس حکم کو نہیں ماننا' نہ مانا۔

4-ارشادِ ربِّ کائنات ہے

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ' یہ آپس ہی

Marfat.com

میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا دوست بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہیں میں ہے یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے (مائدہ: 51)۔

عمل نہ کر پائے ہم...... عصرِ حاضر کے مسلمان

ہم نے تو عمریں گزار دیں یہود و نصاریٰ کی دوستی میں۔ ان کی برملا مخالفت اور کھلم کھلا دشمنی کے علی الرغم ہم ان سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے رہے۔ مت ماری گئی ہماری۔ ہم تو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ان سے حقِ دوستی نبھاتے رہے۔ ہائے کم بختی ہماری' بضد رہے ہم کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل نہیں کرنا' نہ کیا۔

5- ارشادِ ربِّ کائنات ہے

"(اے ایمان لانے والو) ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کیلئے ہو جائے۔ پھر اگر وہ فتنہ سے رک جائیں تو ان کے اعمال کا دیکھنے والا اللہ ہے اور اگر وہ نہ مانیں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا سرپرست ہے اور وہ بہترین حامی و مددگار ہے" (انفال: 39-40)۔

عمل نہ کر پائے عصرِ حاضر کے مسلمان

ہم نے دینِ حق کو غالب رکھنا تھا لیکن ہم نہ صرف مغلوبیت کا شکار رہے بلکہ مغلوبیت پر قانع رہے۔ بنا بریں نہ دینِ حق پر خود عمل پیرا ہوئے' نہ دوسروں کے لیے سازگار ماحول بنایا۔ بنا بریں دینِ حق کو مذہب بنائے رکھا اور وہ اغیار کی من مرضی کا۔ ہائے کم بختی ہماری ہم بضد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو نہیں ماننا' نہ مانا۔

6- ارشادِ ربِّ کائنات ہے

"اور تم لوگ' جہاں تک تمہارا بس چلے' زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کیلئے مہیار کھو تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان

Marfat.com

دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا" (انفال:60)۔

عمل نہ کرپائے عصرِ حاضر کے مسلمان

ہم نے اتنی عسکری تیاری نہ کی کہ دشمن اپنے ہاں سہمے رہیں، کس قدر حماقت ہماری الٹا اپنے دفاع کیلئے اسلحہ اپنے دشمنوں سے لیتے رہے۔ 1967 میں دشمن نے بہت سے مسلم علاقے چند دنوں بلکہ چند گھنٹوں میں ہتھیا لیے۔ دشمن کے پاس جدید ترین اسلحہ تھا اور مسلمانوں کے پاس وہی کباڑیئے کا مال جو دشمن نے سمندر میں پھینکنا تھا اپنے سٹور خالی کرنے کیلئے لیکن خوب رقم بٹوری مسلمانوں کو ردی اسلحہ وسامان بیچ کر۔ ہائے ہماری کم بختی، ہم بضد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل نہیں کرنا، عمل نہ کیا۔

7-ارشادِ ربِّ کائنات ہے

"جنگ کرو اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں" (توبہ:29)۔

عمل نہ کرپائے آج کے مسلمان

جزیہ تو کیا وصول کرتے ہم نظامِ خلافت کہ جو ہمیں جزیہ وصول کرنے کے قابل بناتا، قائم نہ کرپائے۔ بنابریں جن سے ہم نے جزیہ وصول کرنا تھا، الٹا ان سے قرض لے لے کر کھاتے رہے۔ لازمی تھا کہ پھر گن بھی ان ہی کے گاتے کہ جن کا دیا کھاتے تھے۔ ہائے کم بختی ہماری، ہم بضد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو نہیں ماننا، چنانچہ نہ مانا۔

Marfat.com

8-ارشادِ ربِّ کائنات ہے

''اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں ہی کے ساتھ ہے'' (توبہ:36)

عمل نہ کر پائے دورِ حاضر کے مسلمان

افسوس ناک ماحول رہا' کفار و مشرکین تو نیٹو وغیرہ کی صورت میں اتحادی بن کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے لیکن ہم مسلمان ایسے میں بھی انتشار کا شکار رہے۔ مت ماری گئی ہماری ہم تو بسا اوقات کفار و مشرکین کا اتحادی بلکہ فرنٹ لائن اتحادی بن کر مسلمانوں کو مارتے اور مرواتے رہے۔ نہ عمل کیا ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر' بغاوت کا رویہ اختیار کیے رکھا ہم نے۔

ان چند احکامات کا ہم نے بطور مثال ذکر کیا ورنہ صورتِ حال ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے جاتے ہیں کہ ''یہ کرو' یہ کرو'' اور مسلمان جواب دیئے جا رہے ہیں کہ ''نہیں کریں گے' نہیں کریں گے''۔

روزِ محشر کچھ درج ذیل طرح کا مکالمہ ہوگا ربِّ کائنات اور عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے درمیان۔

ربِّ کائنات: ہمارے قوانین و ضوابط کے مطابق ماننے والوں کو ''مسلم'' کہتے ہیں تو نہ ماننے والوں کو ''کافر'' مخاطب مسلمانو! بتایئے آپ کس کھاتے میں آتے ہیں؟ نہیں بتاتے تو ہم بتائے دیتے ہیں کہ آپ انکار کرنے والوں میں سے تھے۔

عصرِ حاضر کے مسلمان: نہیں قرار پاتے ہم ''کافر'' اس لیے کہ ہم کلمہ گو تھے' نمازیں پڑھتے تھے' روزے رکھتے تھے۔ کئی دوسرے مراسمِ عبودیت بجالاتے تھے۔

ربِّ کائنات: اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو عقیدتاً مانتے تھے' عملاً تم اس کا انکار کرتے تھے یعنی تم منافق تھے۔ دورِ نبوت کے منافق بھی کلمہ گو تھے' نمازیں پڑھتے تھے' روزے رکھتے تھے۔

کچھ اور طرح کے مسلمان: اے اللہ' ہم تو عام مسلمانوں سے ہٹ کر مسلمان تھے۔ بڑے

Marfat.com

موحد تھے قبروں کو نہیں پوجتے تھے۔ قبروں کو غسل نہیں دیتے تھے۔ پھر شادی بیاہ کے موقع پر تیل، مہندی، مائیوں، سہرابندی، بارات، جہیز، آتش بازی، ناچ گانے سے پرہیز کرتے تھے۔ فوتیدگی پر تیجا، دسواں، چالیسواں وغیرہ نہیں کرتے تھے۔ کوشش ہوتی تھی کہ ہر قسم کی خرافات سے بچا جائے۔

ربّ کائنات: ٹھیک ہے تم ان چھوٹی چھوٹی غیر شرعی رسومات سے بچتے تھے لیکن باطل نظام کا حصہ بنے رہے تم۔ اس نظام کو جو سو فیصد قرآن و سنت پر مبنی نہیں تھا میں برضا و رغبت رہتے رہے بلکہ الیکشنوں میں حصہ لے کر اسے تقویت پہنچاتے اور یوں گناہِ جاریہ کا ارتکاب کرتے رہے۔ بالفاظِ دیگر چھوٹے چھوٹے شرکیہ افعال کی تو خوب بال کی کھال اتارتے تھے تم لیکن نظامِ باطل سے سمجھوتہ کر کے ''مہاشرک'' کے مرتکب تھے۔ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے نظامِ باطل کو جو خالص شرعی احکامات پر مشتمل نہ تھا، نظامِ حق میں نہ بدلا۔ وہ آئے تھے تو دورِ جہالت تھا، دنیا سے تشریف لے گئے تو دورِ خلافت تھا۔ تم بھی ویسا ہی کرتے۔ تم نے مسنون زندگی کیوں نہ گزاری بلکہ بدستور انکار کرتے رہے اللہ ور رسول ﷺ کے ایسے احکامات کا۔

کچھ دوسری طرح کے مسلمان: بارِ الہا! ہم نے تو خوب قرآن خوانی کروائی۔ درود و نعت کی مجلسیں سجائیں۔ محافلِ میلاد منعقد کیں۔ تہواروں پر چراغاں کیے۔ جلوس نکالے۔

ربِ کائنات: یعنی تم اسوۂ رسول ﷺ سے ماوراء دینِ حق کو تیاگ کر من مرضیاں کرتے رہے۔ کاش تم نے سنتِ رسول ﷺ کا کچھ پاس کیا ہوتا۔ پیٹ اور پلیٹ کے چکروں میں تم پڑے رہے تو کیوں؟

فرشتو! لے جاؤ ان تمام کو اس جگہ میں جو ہم نے منافقین اور مشرکین کیلئے تیار کر رکھی ہے۔

فرشتے: نہایت ہی قلیل سہی، لیکن ان میں بہر حال وہ بھی ہیں جنہوں نے نظامِ باطل یعنی جمہوریت، آمریت، اشتراکیت وغیرہ جیسے نظاموں کو نظامِ خلافت میں بدلنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگائی رکھی۔

ربّ کائنات: یہ السابقون الاولون میں سے ہیں، کھول دو جنت کے سارے دروازے ان کیلئے۔

Marfat.com

اسلام کا دعویدار 73ء کا آئین
خود غیر اسلامی ہے

Marfat.com

درویشِ خدا مست نہ شرقی نہ غربی
گھر میرا نہ دلّی نہ صفاہاں نہ سمرقند

Marfat.com

اسلام کا دعویدار 73ء کا آئین خود غیر اسلامی ہے

خاصی مدت بے آئین رہنے کے بعد پاکستان کو 1956ء اور پھر 1962ء کے آئین تو ملے لیکن پائیدار ثابت نہ ہوئے۔ پاکستان کی سیاست نے انہیں یوں اگل دیا جیسے خالی پیٹ کو نین برداشت نہیں کرتا۔ ایک لحاظ سے 73ء کا آئین باعث غنیمت ہے کہ باوجود کئی دفعہ معطل و مفلوج ہونے اور ترامیم کا ملغوبہ بننے کے وہ آج تک فعال (FUNCTIONAL) ہے۔ اس کا البتہ کیا کیا جائے کہ باوجود قرار دادِ مقاصد کو اس کا حصہ ہونے کے، باوجود اس میں اسلام کو مذہب تسلیم کرنے کے اور باوجود اس میں یہ تحریر ہونے کے کہ شریعت کی تعلیمات کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا اور موجودہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالا جائے گا یہ آئین قرآن وسنت کی اکثر تعلیمات کے خلاف اور بنا بریں غیر اسلامی ہے۔

یہ اس لئے ہی غیر اسلامی نہیں کہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے برعکس غیر مسلمانوں کو وزراء، گورنر، رکنِ شوریٰ، جج صاحبان وغیرہ بننے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ اس لئے ہی غیر اسلامی نہیں کہ یہ عورت کو سربراہِ مملکت اور سربراہِ حکومت بننے کی اجازت دیتا ہے۔ اس لئے ہی غیر اسلامی نہیں کہ یہ حکمرانِ وقت کو سربراہِ مملکت اور سربراہِ حکومت کے دو خانوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اس لئے ہی غیر اسلامی نہیں کہ یہ شوریٰ کو قومی اسمبلی، سینیٹ اور اسلامی نظریاتی کونسل جیسے تین خانوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اس لئے ہی غیر اسلامی نہیں کہ وفاقی شرعی عدالت کو شرعی قرار دے کر مانتا ہے کہ ملک کی باقی عدالتیں غیر شرعی ہیں۔ اس لئے ہی غیر شرعی نہیں کہ پاکستان کو محض ایک اسلامی ریاست ہونے کی بجائے اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام دیتا ہے۔ اس لئے ہی غیر اسلامی نہیں کہ اس میں عوامی نمائندوں سے اٹھایا جانے والا حلف مسلموں اور غیر مسلموں کے لئے ایک ہی ہے۔ بلکہ یہ اس لئے بھی غیر اسلامی ہے کہ درج ذیل تین اعزازات جن کی بنا پر کہ اسے اسلامی قرار دیا گیا ہے خود سوالیہ نشان ہیں۔

Marfat.com

1- پوری کائنات میں اقتدار اعلیٰ (SOVEREIGNTY) صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے (دفعہ 2A)

2- موجودہ تمام قوانین کو اسلام کی تعلیمات جیسے کہ وہ قرآن وسنّت میں مذکور ہیں، کے مطابق ڈھالا جائے گا اور کوئی قانون قرآن و سنّت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ (دفعہ 227)

3- پاکستان کا ریاستی مذہب اسلام ہوگا۔ (دفعہ 2)

ان تینوں اعزازات کی خود اسی آئین میں نفی کی گئی ہے۔ تفصیلات ملاحظہ ہو۔

1- پوری کائنات میں اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔

شروع ہی میں یہ نوٹ فرمالیں کہ مقتدرِ اعلیٰ (Sovereign) وہ ہوتا ہے کہ جس کا فرمایا ہوا حرف آخر ہو۔ دوسرا ایسا کوئی نہیں کہ جو اس کے حکم کو رد کر سکے یا اس میں کوئی ترمیم ہی کر سکے۔ اس کے بول دینے کے بعد کسی کا بول معتبر نہیں اور اس کا فیصلہ کر دینے کے بعد کسی اور کا فیصلہ قابلِ قبول نہیں۔ اس کے فیصلے کے خلاف دل کے کسی گوشے میں تنگی محسوس کرنا ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے۔ قرآنِ مجید میں آیا:

"نہیں اے محمد ﷺ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سربسر تسلیم کر لیں"۔ (نساء:65)

ماہرینِ قوانین اور عدالتوں میں براجمان جج صاحبان ہماری رہنمائی فرمائیں کہ کیا آئینِ پاکستان اور اس کے پروردہ نظام میں بھی حاکم اعلیٰ کو اسی معنی میں لیا گیا ہے؟ صورت حال سو فیصد مختلف ہے۔ آئینِ پاکستان اللہ تعالیٰ کو مقتدرِ اعلیٰ کا عہدہ تو دیتا ہے لیکن اختیارات اس سے چھین کر پارلیمنٹ کو دیتا ہے تو اس حد تک کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم بھی مملکتِ پاکستان میں قانون کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا جب تک کہ پارلیمنٹ اسے پاس نہ کرے حالانکہ

Marfat.com

وہ اس وقت سے مسلمانوں کے لئے قانون ہے جب نبی کائنات ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوا یا خود رسول ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا۔ احکامات ہوں رب قدیر کے اور محتاج ہوں بندوں کی منظوری کے، یہ کیسا تضاد ہے؟ حیرت ہے کہ محض اسلامی ریاست ہو تو قرآن وسنت کے احکامات و قوانین اس میں از خود نافذ ہوتے ہیں لیکن اگر ریاست اسلامی جمہوریہ ہو جائے تو قرآن وسنت کے احکامات اس وقت تک نافذ نہیں ہو پاتے جب تک کہ پارلیمنٹ انہیں منظور نہ کرے۔ ڈر لگتا ہے، انسان ساختہ ایسی دستاویزات طاغوتی قرار پاتی ہیں۔

عہدے اور عہدے کے ساتھ اختیارات کا ہونا دو مختلف چیزیں ہیں۔ ہمارے صدر اور وزیر اعظم کے درمیان اختیارات کی رسہ کشی ہوتی رہتی ہے تو اسی وجہ سے۔ ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم تھا اور فضل الٰہی صدر تو اختیارات کی صورت حال مختلف تھی اس مقابلے میں جب شوکت ترین وزیر اعظم تھا اور پرویز مشرف صدر۔ اختیارات کی یہی چھینا جھپٹی آئین پاکستان کی عین اسی شق (2-A) میں شروع ہو جاتی ہے جسمیں اللہ تعالی کے اقتدار اعلیٰ کا ذکر ہے۔ پوری شق یوں ہے۔

" کیونکہ اللہ تعالی ہی کل کائنات کا بغیر شرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے لوگوں کو جو اقتدار و اختیار اس (اللہ) کے مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا وہ ایک مقدس امانت ہے"۔

غور فرمائیں اس شق میں "مسلمانان پاکستان" کی بجائے عوامِ پاکستان (People) کے الفاظ استعمال کر کے نہ صرف دو قومی نظریے کا بوڑا کر دیا گیا ہے بلکہ اللہ تعالی کے اختیارات کو مسلمان نمائندوں کے ساتھ غیر مسلم نمائندوں یعنی یہودی، عیسائی، ہندو، قادیانی، مجوسی وغیرہ کو منتقل کر کے مقدس امانت میں نقب لگائی گئی ہے۔ ہمارے ایک ساتھی مہندس محمد اکرم سوری کی تحقیق کے مطابق اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ:

1- صرف دو قومی نظریہ کا حامل "مسلمان" تھا لیکن اس کی نفی کرتے ہوئے "وطنی

Marfat.com

لوگوں" کا حامل ہو گیا۔

2۔ "وطنی لوگوں" کی شکل میں طاغوت کے تخلیق کردہ "اللہ" کو اسلامی مملکت کی حاکمیت اور اسے آئین اور قانون بنانے کا مستحق قرار دیا گیا۔

3۔ آیتِ استخلاف کو جھٹلاتے ہوئے ایمان لانے والوں کی بجائے ایمان و عقیدہ سے مبرا "وطنی لوگوں" کو خلافت و حاکمیت کا مستحق بنایا گیا۔

4۔ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کی تفسیر، تشریح اور توضیح کرنے اور آئین بنانے کا حق ایمان و عقیدہ سے مبرّا لوگوں کے نمائندوں کو دیا گیا۔

5۔ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کو "مقدس امانت" قرار دینے کے باوجود ان حدود کو پامال کرتے ہوئے "مسلمانوں" کی بجائے "لوگوں" کو اقتدار دیا گیا۔

6۔ پارلیمنٹ کے اکثریتی فیصلے کو لیگل اور حتمی تسلیم کیا گیا۔ (ماخوذ از "کیا جھوٹ ہمارے آئین کی بنیاد ہے؟")

قراردادِ مقاصد جسے حقیقتاً آئین پاکستان کی نیت کی حیثیت حاصل ہے پاکستان کے مسلمانوں کی بجائے پاکستان کے عوام" کی اصطلاح استعمال کر کے پورے آئین کو غیر اسلامی بنا دیا گیا ہے تو اس حد تک کہ وہ حلف جو قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان اٹھاتے ہیں اس میں قرآن و سنت کے الفاظ تک نہیں اس لئے کہ وہی حلف مسلم رکن نے بھی اٹھانا ہوتا ہے اور وہی غیر مسلم رکن نے۔ وہاں آئینِ پاکستان کے تحفظ کا ذکر ہے۔ قرآن و سنت کے تحفظ کا اس لئے ذکر نہیں کہ ظاہر ہے غیر مسلم تو قرآن و سنت کو مانتا ہی نہیں۔ ایک غیر مسلم رکن جب آئین پاکستان کے تحفظ کا حلف اٹھاتا ہے تو اصل میں منافقت کر رہا ہوتا ہے۔ ایک غیر مسلم کو اسلامی آئین کے تحفظ کی فکر ہو تو کیوں؟ مقدس امانت میں یہی خیانت ہے۔ اسلامی ریاست کے اولوالامر اور شوریٰ میں شامل ہونے کا انہیں حق ہی نہیں۔ جب شامل کر دیا گیا تو ان تضادات کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ ایسے تضادات کے مجموعے نے ہی اسلام کے دعوے دار آئین کو غیر اسلامی بنایا ہوا ہے۔

Marfat.com

2- موجودہ تمام قوانین کو قرآن وسنت کو مطابق ڈھالا جائے گا اور کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔

سیدھی سی بات تھی جب قرآن وسنت کے مطابق آئین بنانا تھا تو پھر قانون بنانے کا کیا سوال قرآن وسنت کی شکل میں آئین موجود تھا اسے اختیار کر لیا جاتا۔ جیسے معمارانِ پاکستان نے عندیہ دیا، ہم مسلمانوں کا آئین تو کوئی چودہ سو سال پہلے تیار ہو چکا، اسے اختیار کرنے کی ضرورتھی نہ کہ بنانے کی۔ قرآن وسنت کو آئینِ پاکستان قرار دیئے جانے کی بجائے ایک انسان ساختہ دستاویز کو آئینِ پاکستان قرار دیئے جانے کی نوبت یا دوسرے لفظوں میں سیدھا کان پکڑنے کی بجائے الٹا کان پکڑا گیا تو اس لئے کہ قرآن وسنت پر مبنی نظام کی بجائے رسم زمانہ کی پیروی کرتے ہوئے انسانوں کے خود ساختہ قوانین پر مبنی نظام (جمہوریت) اختیار کرنا تھا۔ چنانچہ اختیار کیا گیا اور بڑی دھوم دھام سے رواں دواں ہے۔ نظامِ جمہوریت کو اب اسلامی نظام میں ڈھالنا ایسا ہی ہے جیسے پہلے بچگانہ سوٹ سی کر پھر اسے مردانہ سوٹ میں بدلنے کی جسارت کی جائے جو ظاہر ہے ناممکن ہی نہیں حماقت بھی ہے۔

اب جب کہ قرآن وسنت کو پس پشت ڈالکر خود ساختہ آئین بنایا گیا تو اسے قیامت تک قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں' کامیاب نہیں ہونگے۔ آج تک دو قوانین کو عدالت میں چیلنج کیا گیا۔ عدالت نے کوئی بیس سال پہلے غیر شرعی قرار دے کر انہیں شریعت کے مطابق کرنے کے فیصلے دیئے۔ آج تک وہ فیصلے فائلوں میں پڑھے ہیں' انہیں شریعت کے مطابق نہیں ڈھالا گیا۔ ہوتا کیا ہے؟ وقت کی حکومت نے پارلیمنٹ کے ذریعہ سے یہ قوانین بدلنے ہوتے ہیں۔ حکومت کے پاس دو راستے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ حکومت وقت انہیں تبدیل نہیں کرنا چاہتی لہٰذا حیلے بہانے انہیں فائلوں کی نذر کر دیتی ہے۔ دوسرے یہ کہ حکومت بھی انہیں شریعت کے مطابق ڈھالنا چاہتی ہے لیکن اس کے پاس تبدیلی قوانین کے لئے دو تہائی کی اکثریت نہیں ہوتی اور جب تک ایسی اکثریت حاصل نہیں ہوتی ظاہر ہے وہ ایسی تبدیلی نہیں کر

Marfat.com

پاتی۔ اور یہ عرصہ پچاس سال کا بھی ہو سکتا ہے۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری آنے والی حکومت یہ تبدیلی نہیں کر پاتی بلکہ حکومت' پارلیمنٹ اور پوری قوم بے بس ہوتی ہے اس لئے کہ مطلوبہ اکثریت حاصل نہیں۔ اللہ پوچھے گا کہ تم خود ہی ایک قانون کو غیر شرعی قرار دے کر اسی کے ساتھ چمٹے رہے تو کیوں؟ جواب ہو گا کہ ہمارے پاس دو تہائی کی اکثریت نہ تھی۔ اللہ پوچھے گا۔ تمہیں کس حکیم نے کہا تھا کہ خود پر دو تہائی کی پابندی عائد کر لو اور تم نے ایسا غیر اسلامی آئین بنایا ہی کیوں؟

جو دو قوانین عدالت نے غیر شرعی قرار دیئے ان میں سے پہلا وہ جیسے وفاقی شرعی عدالت نے 16 اکتوبر 1989ء کو طرز انتخاب کے متعلق درخواستوں کا فیصلہ سناتے ہوئے عوامی نمائندگی کے قوانین کی دفعات 52,49,14,13 اور 38(4) سی (ii) کو قرآن وسنت کے متصادم قرار دیتے ہوئے صدر پاکستان کو مطلع کیا کہ 31 دسمبر 1989ء تک متبادل قانون سازی کرالی جائے ورنہ یکم جنوری 1990ء سے یہ دفعات خود بخود غیر موثر ہو جائیں گی۔ سوختہ بختی آج تک ایسا نہیں ہو سکا۔ اسی طرح 14 نومبر 1991ء کو عدالت کے فل بینچ نے سود کے متعلق 22 قوانین کالعدم قرار دیتے ہوئے ان قوانین کو 30 جون 1992ء تک اسلامی احکامات کے مطابق ڈھالنے کی ہدایات دیں۔ شومئی قسمت ان قوانین کے متبادل قوانین بنانے کی نوبت آج تک نہیں آئی۔

یہ بات تو ان قوانین کے متعلق ہوئی کہ جو پہلے سے غیر اسلامی ہیں اور ان کو اسلامی بنانا مطلوب ہے۔ وہ قوانین جو نئے بنانے ہیں تو یہ قانون سازی کا دھندا ہی غیر اسلامی ہے قرآن و سنت اجتہاد کی تو اجازت دیتے ہیں قانون سازی کی قطعاً نہیں (ان الحکم الا للہ) قانون سازی قرآن وسنت کی رو سے صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ موجودہ پارلیمنٹ اس صلاحیت ہی سے محروم ہے جو اجتہاد کے لئے درکار ہے۔ شوریٰ اصل میں مجتہدین کی ایک جماعت ہوتی ہے جس نے کسی ایسے نئے معاملے کے متعلق کہ جس کی قرآن وسنت میں کوئی نص نہ ملے قرآن وسنت سے استنباط

Marfat.com

کر کے خلیفۂ وقت کو مشورہ دینا ہوتا ہے۔ بنا بریں شوریٰ کے لئے رکنیت ہے ہی ایسے افراد کے لئے جن کا قرآن وسنّت پر بھی پورا عبور ہو اور حالات حاضرہ پر بھی۔ رونا آتا ہے اس وقت ہمارے ہاں نہ شوریٰ کا وجود ہے نہ خلیفہ المسلمین کا۔ ایسے میں یہ تصور کرنا کہ آئندہ قانون سازی قرآن وسنت کے مطابق ہوگی خود قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ بالفاظ دیگر آئینِ پاکستان میں اس ادارے کا وجود ہی نہیں جس نے اجتہاد (نہ کہ قانون سازی) کرنا ہوتا ہے۔ ایسے آئین کے غیر اسلامی ہونے میں کیا شک؟ ہمارے ہاں پارلیمنٹ کی شکل میں ایک غیر شرعی ادراہ موجود ہے جو آئین میں ترامیم تک کرتا ہے تو وقت کے حکمرانوں کی خواہشات ومفادات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے۔

مشکل ہماری اور تمام مسلم ممالک کی یہ ہے کہ ہمارے ہاں دو آئین موجود ہیں۔ ایک آئین قرآن وسنت کی شکل میں اور دوسرا ہمارا اپنا خود ساختہ۔ اس صورت حال نے ہمیں اسلامی تو کیا ایسے نظام سے دوچار کر رکھا ہے کہ جو کچھ اسلامی اور کچھ غیر اسلامی کا ملغوبہ ہے۔ ایسی صورتِ حال نے ہم مسلمانوں کو یکسو نہیں رہنے دیا اور ہم ہر دائرہ کار میں نہ صرف کنفیوژن (Confusion) کے شکار ہیں بلکہ عذاب کی اس شکل سے دوچار بھی جسے قرآن میں بیان کیا گیا تو اس طرح۔

''تو کیا تم کتاب کے کچھ حصوں پر ایمان لاتے ہو اور دوسروں کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔ (بقرۃ:85)

سادہ سا سوال ہے کہ اگر 1973ء کا آئین اسلامی ہے تو ہمارے ہاں اسلامی نظام کیوں نہیں ہے؟ کسی بھی ملک کا نظام وہاں پر اختیار کئے گئے آئین کا ہی تو پروڈکٹ ہوتا ہے۔ ہم دنیا میں مغلوب کیوں ہیں جب کہ اسلام کا مطالبہ دنیا میں غالب ہو کر رہنے کا ہے؟ ہم سودی نظام

Marfat.com

میں کیوں جکڑے ہوئے ہیں جب اسلام سود کو حرام قرار دیتا ہے؟ ہم اپنے دشمنوں سے جزیہ وصول کیوں نہیں کرتے بلکہ الٹا ان سے قرض لے لے کر گزر اوقات کر رہے ہیں؟ قرآن کے مطالبے کے مطابق ہمارے ہاں اس قدر عسکری تیاری کیوں نہیں کہ دشمن اپنے گھر میں سہمے رہیں؟ ہم تو الٹا اپنے دفاع تک کے لئے اسلحہ ان سے لیتے ہیں۔ ہم یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کے لئے کیوں مجبور ہیں جب کہ اسلام کا مطالبہ ہے کہ ان سے دوستی نہ کرو؟ کیا اس سے روزِ روشن کی طرح عیاں نہیں ہے کہ ہمارے ہاں اسلامی نظام رواں دواں نہیں اور ایسا نظام اس لئے نہیں کہ وہ آئین جو اس نظام کا خالق ہے خود اسلامی نہیں۔

3- پاکستان کا ریاستی مذہب اسلام ہوگا۔

آئین میں اسلامی دفعات کو خود آئین میں ہی نفی کرنے کی کئی مثالیں اوپر گزر چکیں۔ ایک مثال اور ملاحظہ فرمائیں۔ آئین کے مصنفوں نے ادراک ہی نہیں کیا کہ اسلام "مذہب" نہیں دین ہے۔ عیسائیت میں مثال کے طور پر ہے کہ گرجے کی حد تک وقفے وقفے سے پوجا پاٹ کی جائے اور گرجے کے باہر من مرضی یا سیکولر نظام اپنایا جائے۔ اسلام اس کی جازت نہیں دیتا کہ مسجد کی حد تک تو عبادت ہو اور باہر من مرضی کا نظام۔ اسلامی زندگی جز وقتی نہیں، ہمہ وقتی اور ہمہ جہتی ہے۔ جز وقتی ہونا مذہب ہے تو کل وقتی ہونا دین۔

آئین پاکستان دین کی بجائے مذہب کا ذکر کر کے ہمیں وہی روش اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے جو حاملینِ یہودیت و عیسائیت نے اختیار کر رکھی ہے اور ایسا ہی ہمارے ہاں ہے۔ مسجدوں تک تو ہمارے ہاں اسلام کی سو بو ہے، باہر وہی غیر اسلامی نظام جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے۔ رسمِ زمانہ کی پیروی کرتے ہوئے آئین میں "مذہب" کا ذکر کیا گیا حالانکہ قرآن و سنت میں مذہب کا کہیں لفظ تک نہیں۔ جز وقتی یا مذہبی زندگی اسلام کی ضد ہے اس لئے کہ اسلام کا مطالبہ یہی ہے کہ "پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ (2:208)

آئین پاکستان میں ایسی اسلامی دفعات دے کر کہ جن کی خود آئین میں ہی نفی کی گئی

Marfat.com

ہے دھوکا دیا گیا بلکہ احسان چڑھایا گیا ہے ان لوگوں پر جو ملکِ عزیز پاکستان میں اسلام کو بطور دین رواں دواں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسلامی نظام یا نظام خلافت چاہنے والوں کو اس دھوکے اور فریب سے مزید وقت ضائع کیے بغیر نکلنا چاہیے ورنہ ایک دور ایسا آنے والا ہے کہ اللہ پوچھے گا کہ تم دھوکے میں الجھے رہے تو کیوں؟ دھوکے سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ قرآن وسنت کو ہی اسی طرح آئینِ زندگی قرار دیا جائے جس طرح کہ دورِ خلافت راشدہ میں قرار دیا گیا تھا۔

Marfat.com

فریضۂ شہادت علی النّاس

Marfat.com

کس طرح قبول کرتے بیعت یزید کی
مختلف تھا باطل سے حق کا راستہ

Marfat.com

فریضۂ شہادت علی النّاس

ظاہر ہے آخری رسول ﷺ کی آمد ورفت کے بعد اور قیامت سے پہلے کئی انسانی نسلوں کو ابھی معرضِ وجود میں آنا تھا لہٰذا ان لوگوں تک ہدایات کو پہنچانے کے متبادل طریقے کی ضرورت تھی جو براہ راست ایسے گھرانوں میں جنم نہ لے سکیں جو پہلے سے مسلمان ہوں لہٰذا سلسلۂ نبوت ختم کرتے وقت طے کر دیا گیا کہ آج سے غیر مسلموں کو ہدایات ان لوگوں کے ذریعے پہنچانی ہوں گی جو خود مسلمان ہوں یعنی اس دنیا کے ایک موڑ پر پہنچ کر خط کھینچ دیا گیا کہ آج سے ''شہادتِ حق'' کا جو فرض پیغمبروں کے ذمے تھا' آج کے بعد یہ فریضہ اپنے اپنے وقت کی موجود امتِ مسلمہ کا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں رسالت وابلاغ کی تین کڑیاں ہوئیں جن پر مختصراً روشنی ڈالی جاتی ہے۔

رسالت وابلاغ کی تین کڑیاں

رسالت وابلاغ کی تین کڑیوں کا ذکر ہمیں ایک ہی رکوع یعنی سورۂ حج کے آخری رکوع میں ملتا ہے۔ پہلی دو کڑیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

''اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا و من الناس ط ان اللہ سمیع بصیر'' ○

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ (اپنے فرامین کی ترسیل کے لئے) ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی' وہ سمیع وبصیر ہے''۔

انسانوں میں سے ان چیدہ اور برگزیدہ ہستیوں کو تو اکثر نبی اور رسول کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے جو حاملِ وحی تھیں۔ حضرت جبرائیلؑ کو بھی جو وحی کو پیغمبروں تک پہنچانے کا فرض ادا کرتے رہے۔ قرآنِ کریم میں بعض مقامات پر رسول کے لقب کے ساتھ ہی ملقب کیا گیا۔ چنانچہ مریمؑ کو جب ایک لختِ جگر کے پیدا ہونے کی نوید دی گئی تو فرشتے نے خود کو ''تیرے رب کی

Marfat.com

طرف سے رسول'' کہا۔ ملاحظہ ہو:

واذکر فی الکتٰب مریم مر اذانتبذت من اھلھا مکانا شرقیا o فاتخذت من دونھم حجابا قف فارسلنآ الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا o قالت انی اعوذ بالرحمٰن منک ان کنت تقیا o قال انما انا رسول ربک صلے لاھب لک غلٰما زکیا o ''اور اے محمدؐ! اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب گوشہ نشیں ہوگئی تھی اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی۔ اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح (فرشتے) کو بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا مریم یکا یک بول اٹھی کہ اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اس نے کہا میں تو تیرے رب کی طرف سے رسول ہوں اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکے کی بشارت دوں.....'' (۱۹:۱۶-۱۹)

پیغام رسانی کی ان دو کڑیوں کے ذکر کے بعد تیسری کڑی کا ذکر اسی رکوع کی آخری آیت میں کیا۔ مومنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا

وجاھدوا فی الہ حق جھادہ ط ھو اجتبکم ...... لیکون الرسول شھیدا علیکم وتکونوا شھدآء علی الناس ۔ ''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے......اس نے تمہیں چن لیا ہے تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو''۔

چناؤ اور پیغام رسانی کی یہ ہے وہ ذمہ داری جو نہ کسی پہلے پیغمبرؑ کی امت کو سونپنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی سونپی گئی لیکن یہ سعادت و ذمہ داری کائنات کی زندگی کے اس موڑ پر پہنچ کر جس پر پیغام رسانی کی پہلی دونوں کڑیوں کو ختم کر دیا گیا آخری رسول ﷺ کی امت کو تا قیامت سونپی گئی اور چونکہ وحی کو اس کے مخزن سے لانے کی دونوں کڑیاں ختم کر دی گئیں لٰہذا دین کو ہی مکمل کر دیا گیا تا کہ مخزن سے مزید وحی لانے کی ضرورت ہی نہ رہے ملاحظہ ہو ارشادِ باری تعالیٰ:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم

Marfat.com

الاسلام دیناط ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے'' (۳:۵)

قرآنِ کریم میں جس جگہ بھی رسول اللہ ﷺ کی امت کو بحیثیت مجموعی آگے لانے کا مدعا و مقصد بیان کیا گیا ہے وہیں شہادتِ حق اور پیغام رسانی کے اس فریضے کا کھول کر ذکر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وکذٰلک جعلنٰکم امة وسطا لتکونوا شهدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیداط ''اور اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک ''امتِ وَسَط'' بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ'' (۱۴۳:۲)

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله ط ''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو'' (۱۱۰:۳)

ایک جگہ پر پوری امت میں سے ایسے چیدہ گروہ جس کے پاس قوت بھی ہو یعنی خلافت کا مقصدِ اولیں بھی یہی دعوت و تبلیغ اور انداز قرار دیا۔ فرمایا (ترجمہ) ''تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہ ہی فلاح پائیں گے'' (۱۰۴:۳)

ان آیات کی رو سے مسلمانوں پر شہادتِ حق کی ذمہ داری اُسی طرح فرض ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ پر یہ ذمہ داری انفرادی حیثیت میں امت پر قائم کرنے کی تھی ''رسول تم پر گواہ اور تم لوگوں پر گواہ'' سے بالکل عیاں ہے کہ شہادت علی الناس کا جو فرض حضور ﷺ پر بحیثیت رسول کے تھا آپ کے بعد آپ کی امت کی طرف منتقل ہوا اور اب رہتی دنیا تک اس امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دور، ہر ملک اور ہر زبان میں لوگوں پر اللہ کے دین کی گواہی دے۔ اگر وہ اس فرض میں

Marfat.com

کوتاہی کرے گی تو ان لوگوں کی گمراہیوں میں شامل ہوگی جن پر یہ شہادت قائم نہ کرسکی۔

چند ایک مفسرین نے اس شہادت کو عام طور پر آخرت کے متعلق مانا ہے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ امت آخرت میں انبیاء کی تاکید میں گمراہوں کے خلاف شہادت دے گی کہ باری تعالیٰ ان گمراہوں نے باوجود اس کے کہ ان پیغمبروں نے اللہ کا دین ان تک پہنچایا' گمراہی کی روش اختیار کی۔ ہمارے نزدیک یہ تفسیر قرینِ قیاس نہیں جلیل القدر پیغمبروں کی گواہی کی تصدیق کے لئے ایک امت کو لا کھڑا کرنا ویسے بھی نہیں جچتا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آخری امت قیامت کو بھی گواہ بن کر اٹھے گی لیکن یہ شہادت اسی ضمن میں ہوگی جس طرح ہر پیغمبر اپنی اپنی امت پر یہ گواہی دینے کے لئے اٹھے گا کہ اس نے پیغامِ وحی ان تک ٹھیک پہنچا دیا اور اصل پیغام رسانی کی یہ ذمہ داری وسعادت جو اس امت کے لئے خاص ہے اسے گواہی کے منصب پر کھڑا کرے گی اور وہ بھی ان ہی لوگوں پر جن پر اپنے اپنے وقت میں اسے پیغام پہنچانا چاہئے تھا۔ بالفاظِ دیگر جس طرح ہر پیغمبرؑ اپنی اپنی امت جس پر شہادتِ حق قائم کرنا اس کا فرض تھا گواہ بن کر اٹھے گاؑ اسی طرح یہ شہادت حق کی ذمہ دار امت اپنے اپنے وقت کے غیر مسلموں پر گواہ بن کر اٹھے گی۔ یہ بتانے کے لئے کہ اس نے شہادت حق کا فریضہ ادا کیا یا نہیں۔ یہیں سے اس بات کا تجزیہ کرنا ضروری ہو گیا کہ فریضۂ شہادتِ حق ہے کیا جو اس امت پر ڈالا گیا۔ نیز یہ اسے کس حد تک پورا کر رہی ہے اور اگر نہیں کر رہی تو اسے کس انجام سے دوچار ہونا لازمی ہے؟

فریضۂ شہادتِ حق

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں آخرت کی جوابدہی کے لئے ضروری ہے کہ ہر انسان جان لے کہ اس کا رب کیا چاہتا ہے کیونکہ اگر کسی کو پتہ ہی نہیں کہ اس کے خالق کی مرضی کیا ہے تو اس سے کیسے پوچھا جاسکتا ہے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف کیوں چلا؟ کج روی پر مواخذہ کیسے ہوسکتا ہے جب راہِ راست کا شعور ہی نہ ہو بلکہ کج روی اور راست روی کی تمیز تب ہی ممکن ہوسکتی ہے جب اس کی حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں شہادتِ حق کا فریضہ اتنا اہم

Marfat.com

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے جو باز پُرس اور جزا و سزا کا قانون وضع کر رکھا ہے اس کی ساری بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ شہادتِ حق کے بارے میں اہتمامِ حجت قائم ہوئی یا نہیں۔ اس فرض پر اسی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ کے پیغمبروںؑ نے مصائب و مشکلات برداشت کیں۔ گمراہ انسانوں نے ان پر طعن و تشنیع کی حد کر دی۔ ان کا بائیکاٹ کیا گیا۔ جلاوطنی کی زندگی پر مجبور کیا گیا۔ آگ کے الاؤ میں ڈالا گیا۔ ان کی مُشکیں کسی گئیں۔ وہ پھانسی پر لٹکائے گئے۔ پرائے دیس میں بھی ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا' صبح و شام ان کے ساتھی گاجر مولی کی طرح شہید کئے گئے' پوری پوری زندگیاں انہیں للکار پکار کی زد میں رکھا گیا۔ حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی پکار اٹھے' مولا کہاں ہے تیری وہ مدد جس کا تو نے وعدہ ان لوگوں سے کر رکھا ہے جو تیری راہ میں تن من دھن کی بازی لگا دیں؟ ملاحظہ ہو:

''پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا حالانکہ تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں' مصیبتیں آئیں' ہلا مارے گئے حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے'' (۲:۲۱۴)۔

اللہ کے پیغمبروں کو تو کسی نہ کسی درجہ پسِ پردہ حقیقت کا مشاہدہ کرایا ہوتا ہے لہٰذا وہ جیتے جی کب گوارا کر سکتے ہیں کہ جو انسان تباہی و بربادی کی طرف بڑھ رہے ہیں انہیں بڑھنے دیا جائے؟ ان کی بہبود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضرت نوحؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر ساڑھے نو سو سال تک تگ و دو کرتے رہے جیسے ماں اپنے بچوں کو ترغیبات دے دے کر ہدایت کی طرف لاتی ہے۔ نوحؑ منتوں اور واسطوں کی زبان میں اپنی قوم کو راہ راست کی طرف لاتے رہے لیکن جو برتاؤ قوم سے انہیں ملا ملاحظہ ہو قرآنِ کریم کی زبان میں:

''اس نے (نوحؑ) عرض کیا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو شب و روز پکارا مگر میری پکار نے ان کے فرار ہی میں اضافہ کیا اور جب بھی میں نے ان کو بلایا تا کہ تو انہیں معاف

Marfat.com

کردے انہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس دیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانپ لیا اور اپنی روش پر اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔ میں نے انہیں ہانکے پکارے دعوت دی پھر میں نے اعلانیہ بھی ان کو تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا' تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا' تمہارے لئے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا' تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لئے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے؟" (۷۱:۶-۱۳)

اس پوری کشمکش کے نتیجہ میں صرف چند نفوس جو ایک کشتی میں سما گئے ہدایت یاب ہوئے لیکن ناکام ہوئی تو نوحؑ کی قوم خود نوحؑ کامیاب تر قرار دیئے گئے۔ صرف اس لئے کہ انہوں نے تو رسالت وابلاغ کا حق ادا کر دیا۔ پیغمبروںؑ میں سے حضرت یونسؑ سے اس بارے میں قدرے چوک ہو گئی لہٰذا فوراً گرفت میں آ گئے۔ معافی ہوئی تو گڑگڑا کر معافی مانگنے سے' ملاحظہ ہو:

"اور مچھلی والے کو بھی ہم نے نوازا۔ یاد کرو جب کہ وہ بگڑ کر چلا گیا تھا اور سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے۔ آخر کو اس نے تاریکیوں سے پکارا نہیں ہے کوئی خدا مگر تو' پاک ہے تیری ذات بے شک میں نے قصور کیا۔ تب ہم نے اس کی دعا قبول کی اور غم سے اس کو نجات بخشی اور اسی طرح ہم مومنوں کو بچا لیا کرتے ہیں" (۲۱:۸۷'۸۸)

لوگوں کو راہِ ہدایت کی طرف لانے کی فکر رسول اللہ ﷺ کو اس شدت سے بے قرار و بے چین رکھتی تھی کہ باوجود اپنی پوری قوتیں اس کام میں کھپانے کے آپ اس قدر متفکر رہتے تھے کہ بارہا اللہ تعالیٰ کو خود کہنا پڑتا تھا کہ پیغمبرؐ آپ کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔ آپ کیوں اتنی جان گھول رہے ہیں؟ ملاحظہ ہو:

"اے محمد ﷺ! شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے"
(۲۶:۳)۔

Marfat.com

''رسول کی زمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچا دے''
(۵۴:۲۴)۔

ان تسلیوں اور تلقینوں کے باوجود رسول اللہ ﷺ کا دل گداز و جاں گُسل کیفیت میں شب و روز گذارنا قدرتی امر تھا کیونکہ ان کو فریضۂ شہادت ایک چیلنج کے طور پر سونپا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو:

''اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھیے اور خبردار کیجئے اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کیجئے'' (۲:۷۴-۳)۔

نہ صرف یہ بلکہ آپ کو متنبہ کر دیا گیا تھا کہ اگر آپ اس فرض کو پورا کرنے میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے تو گویا آپ نے گواہی کا حق ہی ادا نہ کیا۔ ملاحظہ ہو:

''اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا وہ لوگوں تک پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ہی ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلے میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا''
(۶۷:۵)۔

اس فرض سے سبکدوش ہونے کا پیغمبرِ آخر الزماں ﷺ کو اتنا فکر تھا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر پہلی فرصت میں موجود امتیوں کو پکار کر کہا کہ قیامت کے دن ہر پیغمبرؑ سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نے اللہ کے دین کو اپنی اپنی امت تک پہنچا دیا، اسی طرح آپ سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا لہٰذا بتایئے کہ کیا میں نے رسالت کا حق ادا کر دیا؟ جب چاروں طرف سے جواب ملا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے بہترین طور پر پہنچانے کا حق ادا کر دیا تو چہرے مبارک کو تین بار اوپر نیچے کرتے ہوئے اور انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''اے اللہ گواہ رہنا' اے اللہ گواہ رہنا' اے اللہ گواہ رہنا'' لیکن ساتھ ہی اس عظیم فریضے کو امت کی طرف منتقل کرتے ہوئے فرمایا کہ پہنچاتے رہو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی امت کو یاد دلا دیا کہ پیغمبری کا

Marfat.com

سلسلہ تو ختم ہونے والا ہے لہٰذا میرے جانے کے بعد سے اس فریضے کی انجام دہی تمہاری ہوگی' انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ قولی طور پر بھی اور فعلی طور پر بھی۔ نیز فعلی طور پر شہادت قائم کرنے کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے یہ جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں تک قوانینِ ہدایت صرف کتابی شکل میں بھیجنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ساتھ پیغمبرؑ صرف اسی لئے بھیجے کہ وہ ان قوانین پر عمل کر کے بھی دکھا دیں تا کہ کسی کو کل یہ اعتراض کرنے کا موقع نہ رہے کہ دیئے گئے قوانین تو تھے ہی ناقابلِ عمل۔ نیز اسی مصلحت کے تحت پیغمبر انسانوں ہی سے منتخب فرمائے۔

شہادتِ حق اور مسلمان

اس وقت دنیا کی آبادی لگ بھگ چھ بلین نفوس پر مشتمل ہے جن میں سے تقریباً ڈیڑھ بلین مسلمان ہیں۔ دوسرے لفظوں میں دنیا کی صرف ایک چوتھائی آبادی ایسی ہے جو ایسے گھرانوں میں رہتی بستی ہے جن میں کسی نہ کسی رنگ میں الہامی نظام کی بُو ہے۔ وہ خود نہیں تو ان کے قرب و جوار میں قرآنِ حکیم پڑھا جاتا ہے' نمازیں ادا کی جاتی ہیں' اذانیں سنی جاتی ہیں' زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کہا جاتا ہے' روزے رکھے جاتے ہیں' فریضہ حج ادا کیا جاتا ہے' پیدا ہونے پر بچے کے کانوں میں اذان کہی جاتی ہے اور مرنے پر جنازے کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ انہیں اٹھتے بیٹھتے کہیں نہ کہیں سے سزا و جزا' محشر' قیامت' دوزخ' جنت وغیرہ کی بازگشت سنی جاتی ہے۔ اگر ان میں سے کچھ اسلامی احکامات کی پوی طرح پابندی نہیں کر رہے تو یہ ان کا اور ان کے رب کا معاملہ ہے لیکن ان پر حقیقت ضرور منکشف ہو چکی ہے اور نہیں تو حجت بہر حال قائم ہو چکی ہے۔ اس کے برعکس تین چوتھائی یعنی مذکورہ قسم سے تین گنا آبادی ایسی ہے جو قرآن و سنت کی تعلیمات سے بے بہرہ ہے۔ ٹھیک ہے اس آبادی میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو قرآن ''اہل کتاب'' سے موسوم کرتا ہے اور ان کے ہاں الہامی نظام کی کوئی نہ کوئی بگڑی ہوئی شکل موجود ہے لیکن ان کی فلاح و کامیابی کا دارومدار بھی اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور آخری رسول ﷺ پر ایمان لانے سے ہی ممکن ہے۔ پھر اہل کتاب کے علاوہ کروڑوں انسان ایسے ہیں جو الہامی نظام سے کلیۃً نا آشنا ہیں۔ وہ بھی

Marfat.com

انسان ہیں، آلِ آدم کے رکن ہیں، قیامت کے دن ان کی بھی فرداً فرداً جوابدہی اسی طرح ہونی ہے جس طرح مسلمانوں کی لیکن ظاہر ہے مسلمان تو مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے فائدے میں رہے لیکن غیر مسلم ہیں کہ بغیر کسی اپنے گناہ کے محض اتفاقی پیدائش کی وجہ سے اس فائدے سے محروم رہے۔ آج کا محمد دین اور عبدالرحمٰن بھی تو کسی ہندو یا چینی گھرانے میں پیدا ہو کر رام چند اور لیو ہانگ ہو سکتا تھا اور اسی طرح سے اس کے الٹ۔ پھر کیوں ایسا ہو کہ محض پیدائش کی وجہ سے کچھ لوگ تو دوزخ کے مستحق قرار پائیں اور کچھ دوسرے جنت کے۔ اگر عدل وانصاف نامی کچھ اوصاف ہیں تو کم از کم یہ تو ضرور ہو کہ کوئی نظام ایسا موجود ہو جو اس بات کی ضمانت دے کہ الہامی نظام کا فلسفہ، خدائے بزرگ و برتر کی رضا، گناہ و نیکی کی تشخیص، غرض انسان، کائنات اور اللہ کے تعلق کا حقیقی علم ان تمام انسانوں تک بھی پہنچے جو اتفاقیہ غیر مسلم گھرانوں میں پیدا ہو گئے ہوں۔ دعوت الی اللہ اگر پہنچ جائے اور وہ خود اس طرف مائل نہ ہوں تو یہ علیحدہ بات ہے۔ پھر ان کا معاملہ وہ جانیں اور ان کا رب۔ لیکن اگر ان تک حقیقت کا شعور پہنچتا ہی نہیں تو لامحالہ ان کو اس درجے کا مجرم نہیں گردانا جا سکتا جس درجے کے کہ وہ ہو سکتے ہیں جن تک پیغام تو پہنچ گیا لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے یا اپنے ارادہ وانتخاب کی اہلیت کی بنا پر اپنے سابقہ نظام (بلکہ بدنظمی) پر مطمئن رہے۔ گو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایسے لوگ جن تک پیغام نہیں پہنچ سکا کلیۃً تو نہیں چھوٹ سکتے کیونکہ انہیں ارادہ وانتخاب اور عقل و شعور کی جو قوتیں اور اہلیتیں دی گئی تھیں ان سے کام لیتے ہوئے ان کا بھی فرض تھا کہ وہ اندھے بہرے چوپائیوں کی طرح اس زندگی کے دن نہ گزار جاتے لیکن بایں ہمہ حجت تو بہر حال ان پر قائم نہیں ہو سکی اور اس بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں عذر تو ضرور پیش کریں گے۔ دوسری طرف جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اللہ تعالیٰ نے وہ نظام ضرور برپا کر رکھا ہے جس میں اگر کوتاہی نہ ہو تو ہر غیر مسلم تک دعوت الی اللہ کا پہنچنا ممکن ہے۔ ٹھیک ہے پہلے یہ فریضہ پیغمبروںؑ کے ذمے ہوتا تھا لیکن آخری پیغمبر ﷺ کے دور کے بعد سے یہ فریضہ شریعتِ مطہرہ کی رو سے تا قیامت اپنے اپنے وقت کے مسلمانوں کو منتقل ہوتا رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں

Marfat.com

آج کے مسلمانوں پر یہ "حق عظیم" ہے جو کہ انہیں ادا کرنا چاہئے اور اگر مسلمان یہ حق ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ یہ غیر مسلموں کی گمراہیوں اور غلط کاریوں میں خود شامل ہو جاتے ہیں بلکہ جتنی عدم اتمام حجت کی بنا پر غیر مسلموں کو قیامت کے دن رعایت ملے گی اتنی ہی متعلقہ وقت کے مسلمانوں کی گرفت شدید تر ہوگی۔ اگر اس معاملہ میں ایک پیغمبر یعنی یونسؑ سے قدرے چوک ہوگئی تو وہ گرفت سے نہ بچ سکے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان اس سے محض اپنی خوش فہمیوں کی وجہ سے بچ جائیں گے۔ پھر آپ خود ہی انصاف کریں کہ اگر ایک آدمی باہوش وحواس ایک بچے کو آگ کے الاؤ کی طرف لپکتے دیکھتا ہے لیکن اسے آگے بڑھ کر بچاتا نہیں بلکہ نظارہ بینی سے محض لطف اندوز ہوتا ہے تو کیا ایسا انسان انسانیت کی کوئی ادنیٰ رمق کا حامل ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ کیا کوئی نظامِ عدل موجود ہو تو اسے شدید ترین سزا کا مستحق نہیں ٹھہرائے گا؟ اسی سلسلہ میں درج ذیل مثال قابلِ غور ہے:۔

کنوئیں کے مالک نے ملازم کو تاکید کردی کہ دیکھو یہ لو رسہ اور یہ لو ڈول' اس وادی کا کوئی شخص پیاسا نہ رہ جائے۔ مشکیزہ اٹھانا اور ہر تشنہ لب تک خود پہنچنا' ایسا کرو گے تو انعام پاؤ گے' ایسا نہ کرسکے تو تجھے سزا سے کوئی نہیں بچاسکے گا۔ اب کیا ہوگا معاملہ ایسے ملازم کا جس کے سامنے تشنہ لب جان جانِ آفریں کے سپرد کررہے ہوں اور وہ ٹس سے مس نہ ہو' اسے فخر تو ہو کہ وہ بے آب وگیاہ وادی میں کنوئیں تک کا حامل ہے۔ بڑھکیں تو مارے کہ رسہ بھی اس کے پاس ہے اور ڈول بھی لیکن ہوا اتنا ظالم کہ خود پانی لے کر پیاسوں تک پہنچنا تو درکنار' کنوئیں پر تھکے ماندے تشنہ لب پہنچنے والوں کو رسے اور ڈول سے محروم رکھ کر مرنے دے۔ کیا ایسا ملازم کسی ذرا سی ہمدردی اور نرمی کا مستحق ہوگا؟ مالک کے سامنے تو وہ ہزاروں پیاسے اس ظالم کا دامن پکڑ کر زبانِ حال سے آہ وبکا کریں گے کہ اس ملازم کو سخت ترین سزا سے نوازا جائے۔ ظاہر ہے پھر مالک ایسے نافرمان ونابنجار سے کیا سلوک کرے گا؟

قرآن حکیم ڈنکے کی چوٹ پر مطلع کرتا ہے کہ مسلمانو! تمہارے رب نے تم کو پہلی

Marfat.com

امتوں سے مختلف بنایا ہے یعنی تم کو نکالا ہی لوگوں کے لئے گیا ہے کہ تم ان تک الہامی نظام کی پیغام رسانی کا فریضہ ادا کرو۔ پیغمبروںؑ کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد کوئی انسان ایسا نہ رہ جائے جو کل قیامت میں میرے حضور یہ شکوہ کرے کہ اس کے کانوں تک تو ایسے نظامِ عدل وقسط کی بھنک تک نہیں پہنچ پائی۔ اے آخری پیغمبر ﷺ کے پیروکارو! تمہارا مقصدِ وجود ہی یہ ہے کہ تم شہادتِ حق کا فریضہ ادا کرو۔ میرے وہ بندے جو براہِ راست مسلمان گھرانوں میں پیدا نہیں ہو سکے ان کو دعوت الی الحق دو' انہیں الہامی نظام سے روشناس کرو۔ ابلاغ کی تیسری کڑی تم ہو' اس کڑی کا حق ادا کرو' جس طرح پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبری کی سعادت کے ساتھ ساتھ رسالت کی بھاری ذمہ داری کا حامل بھی بنایا ٹھیک اسی طرح تم کو امتِ وسط تو بنایا گیا۔ خیرِ امت سے تو نوازا گیا لیکن اس سعادت کے ساتھ ساتھ ابلاغ کی بھاری ذمہ داری کا حامل بھی بنایا گیا' ہنگامی بنیادوں پر اس ذمہ داری کو ادا کرو۔ بلاؤ لوگوں کو حق کی طرف' بتا دو انہیں کہ ان کا رب کیا چاہتا ہے؟ یاد رکھو! پیغمبروں نے اپنی پوری پوری زندگیاں اس ذمہ داری کے نبھانے میں کھپا دیں' شب وروز ایک کر دیا' جانیں دے دیں لیکن اس فرض سے سرِ مو پیچھے نہ ہٹے مبادا کہ کہیں کتمانِ حق کے جرم کی زد میں آ جائیں۔

پیغمبروں کی طرح اس امت نے حق کو قول اور فعل دونوں ذرائع سے لوگوں تک پہنچانا تھا یعنی قولی شہادت بھی قائم کرنی تھی اور فعلی بھی۔ قولی شہادت کا حق یہ تھا کہ ہم زبان سے' قلم سے' ذرائع نشر واشاعت سے اور دیگر وسائل ابلاغ سے دینِ حق کو دوسروں تک پہنچاتے۔ ایسے دلنشیں پیرائے میں بات کرتے' ایسی مدلل تحریریں لکھتے کہ حق حق اور باطل باطل ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہ جاتی۔ دوسروں کی سنتے' ان کے دلائل کو پرکھتے' ان کی تنقید پر سر نہ پٹختے بلکہ ٹھنڈے دل سے اور شیریں بھرے انداز میں اس کا جواب دیتے۔ حق آخر حق ہے باطل کب تک اس کی تاب لاتا۔ ہمارے چھاپہ خانے' ہمارے ریڈیو' ہمارے اخبار' ہماری انجمنیں' ہمارے ادارے غیر مسلموں کے سے نہ ہوتے بلکہ ان کا کوئی مشن ہوتا ان کا کوئی نشانہ ہوتا' ان کی کوئی منزل ہوتی' بحر وبر' کوہ ودمن اور کائنات کا چپہ چپہ پکار اٹھتا کہ ہاں کسی گواہی دینے والے نے گواہی دی ہے۔

Marfat.com

فعلی اور عملی طور پر ہمارا کردار' ہمارا اخلاق' ہمارا رہن سہن' ہماری پارلیمنٹ' ہماری حکومت' دوسروں کے لئے ہماری خیر خواہی اور ہمدردی کی تڑپ زبانِ حال سے گواہی دیتی کہ جس نظام کو ہم اپنائے ہوئے ہیں اسی میں دنیا کی نجات ہے' وہی دنیا کے سکون کا باعث بن سکتا ہے اسی میں ہر کس و ناکس کی آبرو محفوظ ہے' وہی عصمتِ نسواں کا نگہبان ہے' وہی نوجوانوں کی صحیح رہبری کر سکتا ہے' وہی والدین کو ان کا حق دلوا سکتا ہے۔ اسی میں غریب کی فلاح مضمر ہے' وہی یتیموں کی ڈھارس بندھا سکتا ہے اور وہی بیواؤں کی دستگیری کر سکتا ہے۔ دنیا والوں کے لئے ہمارا ہر دائرہ کار اور طرزِ زندگی حوالے کی حیثیت رکھتا۔ ہماری عدالتیں عدالت کا' ہماری درسگاہیں سیادت کا' ہمارے دفاتر نظامت کا' ہمارے کارخانے صنعت و تجارت کا' ہمارے لٹریچر صحافت کا اور ہمارا کردار صداقت کا وہ نمونہ پیش کرتے جو نظامِ خلافت کا طرۂ امتیاز ہے۔ ایک عرصہ ہمارے ان شعبہ ہائے کار نے جب دنیا والوں کی رہنمائی کی تو دنیا کی امامت بھی ہمارے ہی ہاتھ میں تھی۔ تہذیب غالب تھی تو ہماری اور تمدن افضل و اعلیٰ تھا تو ہمارا۔ جن اصولوں کو ہم اپناتے تھے واقعات کی دنیا میں وہی حق تھا۔ ہم نے انفرادی طور پر ہی نہیں اجتماعی طور پر ایک اسلامی مملکت قائم کر کے دکھا دیا کہ کس طرح دجلہ کے کنارے ایک بکری کے بچے تک کی نگہداشت کا حق ادا کیا جاتا ہے؟ کس طرح خلیفۂ وقت کا دامن پکڑ کر پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ کے اپنے حصے میں آنے والے کپڑے سے تو آپ کا یہ چوغا نہیں بن سکتا تھا' تو نے اسے بنانے کا کیسے بندوبست کر لیا؟ سپہ سالارِ افواج کو ایک ادنیٰ سپاہی کی ڈیوٹی دے دی جاتی اور ایک ادنیٰ سپاہی کو سپہ سالار بنا دیا جاتا تو کہیں سے کسی تعجب و برگشتگی کا مظاہرہ دیکھنے میں نہ آتا۔ زکوٰۃ کی رقم ہاتھ میں لئے زکوٰۃ دینے والے' لینے والوں کو ڈھونڈتے پھرتے لیکن زکوٰۃ لینے والا کوئی ملتا ہی نہ۔ خلیفۂ وقت اپنے ہی لختِ جگر کو کوڑے لگاتا ہوا دیکھا گیا کیوں کہ اس سے ایک اجتہادی لغزش ہو گئی تھی۔ گناہ کے مرتکب لوگ خود حاضر ہو ہو کر اپنے کئے کی سزا بھگتنے پر آمادہ ہو جاتے مبادا کہ وہ کل کو اللہ کی عدالت میں مجرم گردانے جائیں۔ خلیفۂ وقت اور اس کا ایک ادنیٰ غلام سفر کرتے وقت باری باری گھوڑے پر

Marfat.com

سوار ہوتے‘ حتیٰ کہ جب غیروں کے دیس پہنچے تو استقبال کرنے والے حیران رہ گئے کہ گھوڑے پر سوار تو غلام اور پیدل چلنے والا خلیفہ اور خلیفہ بھی وہ کہ جس کی دھاک مغرب ومشرق میں مان لی جا چکی ہے۔ پھر کس طرح کسریٰ وایران کے فرستادے آکر مخبری کرتے ہوئے پائے گئے کہ جن نفوس قدسیہ سے ان کی افواج کو سامنا ہے وہ دن کے مردِ میدان ہیں تو رات کے سجدہ گذار۔ دن کو دوسروں کی گردنیں جھکانے والے کیسے اپنی گردنوں کو رات بھر اپنے خالق کے حضور جھکائے رکھتے ہیں؟ کس طرح وقت کے داہر کو اس لئے سبق سکھایا گیا کہ جب اسے شر پسندوں کی سرکوبی کے لئے کہا گیا جنہوں نے چند راہ گیر خواتین پر پھبتیاں کسی تھیں تو وہ طاقت کے نشے میں خاطر خواہ جواب نہ دے پایا؟ وہ دعوت الی اللہ کا اثر نہیں تھا تو کیسے چند سالوں میں مسلمانوں کی حکومت مشرق سے مغرب تک ایک وسیع علاقے پر پھیل گئی؟ کیوں بارہا ایسا ہوا کہ جن علاقوں میں عساکرِ اسلامی نے پیش قدمی کی وہاں کے مکینوں نے مسلمانوں کو نجات دہندہ سمجھ کر خود ان کا استقبال کیا؟ شہادتِ حق اور کیا ہے کہ ذمیوں نے بارہا اپنی عدالتوں کی بجائے انصاف حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کی عدالتوں کا رجوع کیا؟ کشتیاں جلا کر آگے بڑھنے والے کیوں کر فاتح نہ ہوتے جبکہ وہ جو سچ لے کر آئے تھے اس پر آخری شہادت دینے پر تُل گئے؟ آخر دشمن بھی تو جنگ لڑتے تھے لیکن جاں بلب ہونے کے باوجود ان کو پانی کا پیالہ اپنے ساتھیوں کی پیاس بجھانے کے لئے کہاں گردش کرتا ہوا نظر آیا؟ عین دورانِ جنگ کس نے بچوں‘ بوڑھوں‘ عورتوں بلکہ درختوں اور فصلوں تک کا خیال رکھا؟ غرض سیرت و کردار کی مثالیں قائم کیں تو کس نے اور ربِ کعبہ کی بڑائی کی شمعیں روشن کیں تو کس نے؟

دورِ حاضر کے مسلمان شہادتِ حق کے علمبردار یا شہادتِ زور کے مرتکب

آیئے ذرا امتِ وسط اور خیر امۃ کے حامل آج کے مسلمانوں کے فریضۂ شہادت کا بھی جائزہ لیں۔ کہیں انہوں نے بھی یہود و نصاریٰ کی طرح جن سے امامت عالم کا منصب چھین کر ان کے سپرد کیا گیا تھا‘ منکر کو معروف اور معروف کو منکر تو نہیں کر لیا؟ اس معاملے میں سب سے پہلے

Marfat.com

سیاسی افق پر نظر دوڑائیں۔ ہماری سیاست کا مرکزی ادارہ خلافت تھا' وہ کہاں ہے؟ کس سرزمین پر اسے ڈھونڈیں؟ ایران میں' عراق میں' مصر میں یا شام میں؟ آخر یہ علیحدہ علیحدہ مملکتیں کہاں سے آ گئیں؟ خلافت اور غلبہٗ اسلام تو لازم وملزوم تھے' اس مرکزیت کو توڑنے والے کون ہیں؟ انتشار و افراتفری کا دور دورہ کیوں ہے؟ علیحدہ علیحدہ ستاون مسلمان حکومتیں کس قرآن کی تعلیمات کے مطابق ہیں؟ محمد رسول اللہ ﷺ پر اترنے والا قرآن تو ''وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' کا درس دیتا ہے۔ پھر یہ بات تو دور بستیوں میں رہنے والا ابدّو بھی جانتا ہے کہ طاقت اتحاد میں ہے اور کمزوری انتشار میں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ جتنی اس وقت مسلمان مملکتیں ہیں' تقریباً اتنے ہی ان کے سیاسی کعبے ہیں۔ کسی ایک کا منہ مشرق کی طرف ہے تو دوسری کا مغرب کی طرف۔ دنیا کے بڑے بڑے سیاسی شعبدہ باز اپنے مفادات کی خاطر ان کو وہ تگنی کا ناچ نچاتے ہیں کہ خدا پناہ! اس وقت دنیا میں جتنے بھی حساس خطے ہیں' جہاں کہیں جنگ ہو رہی ہے یا جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں' وہ سب مسلمانوں کی سرزمینیں ہیں۔ فلسطین ہو یا افغانستان' عراق ہو یا کشمیر' صومالیہ ہو یا لبنان گھر لٹ رہا ہے تو مسلمانوں کا اور گت بن رہی ہے تو اسلام کے نام لیواؤں کی۔ حقیقت میں آج کی بڑی طاقتوں نے مسلمان ممالک کو اپنی تجربہ گاہیں بنا رکھا ہے۔ جہاں وہ اپنے نت نئے تیار کردہ توپ وتفنگ کی کارکردگی کو آزماتے رہتے ہیں۔ ارزانی ہے تو خونِ مسلم کی اور ویرانی ہے تو خانۂ مسلم کی!

سیاسی افق سے ہٹ کر ذرا منبر ومحراب کے وارثین کی طرف دیکھیں تو مایوسی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن وسنت کے ان حاملین پر شہادت علی الناس کی سب سے بھاری ذمہ داری عائد ہوتی تھی' انہوں نے ہی سیاست دانوں کی راہ میں حائل ہو کر ان کے رخ کو سیدھا رکھنا تھا لیکن یہاں کا باوا آدم ہی نرالا نکلا۔ ماسوائے چند ہستیوں کے جنہوں نے کچھ نہ کچھ راست روی کی تلقین کی بیشتر ایک دوسرے کے خلاف محاذ بنا بیٹھے۔ اداروں' مدرسوں اور خود ساختہ نظریات کی بنیاد پر گروہ بندی بلکہ جتھا بندی کے مرتکب ہوئے۔ آخر یہ شیعہ' یہ دیوبندی' یہ بریلوی' یہ اہلحدیث

Marfat.com

وغیرہم کس قرآن سے ماخذ ہیں؟ قرآن کریم جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے وہ تو دوٹوک کہتا ہے ''ولاتفرقوا''۔ کیا یہ ارض وسما کے مالک کا آرڈیننس نہیں؟ کیا اس مالک کے حکم کی خلاف ورزی کفر تو نہیں ہے؟ انہوں نے تو متفق ہو کر ایک پلاننگ کے تحت حکمت اور اچھی نصیحت سے اللہ کے دین کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا تھا لیکن ان کی صرف اتنی پرواز کہ ایک دوسرے کا ہی گریبان چاک کرنے میں لگ گئے؟ محاذ آرائی ہے تو اس مسجد کے خطیب کی محلّہ ہی کی دوسری مسجد کے خطیب کے خلاف اور مورچہ بندی ہے تو نام نہاد ایک مکتبۂ فکر کے مفتی کی دوسرے مکتبۂ فکر کے مفتی کے خلاف۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر اللہ کے کروڑوں انسان چشم براہ ہیں کہ ان تک اللہ کے دین کی بات پہنچے۔ اپنے پڑوسی مسلمان ہی کو راہ راست پر لانے کی دھن میں یہ بھول ہی گئے کہ شہادت علی الناس کیا ہے؟ امتِ وسط کے کیا فرائض ہیں اور خیرامۃ کو کس مقصد کے لیے نکالا گیا ہے؟ آپ چراغ لے کر ڈھونڈتے پھریں آپ کو ایک عالم وزاہد ایسا نہیں نظر آئے گا جس کے حلقہ اثر میں چینی یا جاپانی' فلپائنی یا امریکی وغیرہ بھی شامل ہوں۔ خطیب شعلہ بیاں منبر پر زور آزمائی تو کر رہا ہے لیکن اپنے ہی قرب و جوار کے کسی خطیب کے خلاف۔ عوام کو گروہوں اور فرقوں میں بانٹ کر یوں زہر گھول دیا گیا ہے کہ کوئی ایک کسی دوسرے کی بات تک سننے پر آمادہ نہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یوں گردانتا ہے جیسے کسی دوسرے مذہب کا فرد۔ بین الاقوامی اور آفاقی دین کو اداروں اور مکتبوں کی بنیاد پر تقسیم کرنے والے کیا شہادت علی الناس کا فرض ادا کر رہے ہیں یا شہادتِ زور کا؟ لوگوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر پگڈنڈیوں پر لئے پھرنے والوں کو کیا کل عدالتِ عظمٰی میں پیش نہیں ہونا؟ کیا کروڑوں تشنہ لب انسانوں کے ''حقِ عظیم'' کو اس طرح لوٹایا جاتا ہے؟ معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنانا اگر یہی نہیں تو اور کیا ہے؟ خدائے بزرگ و برتر تو کائنات کی افضل ترین ہستی کو متنبہ فرما رہا ہے کہ اے رسول! اگر تو نے شہادتِ حق کی امانت کو اس کے حقداروں کی طرف نہ لوٹایا تو تو نے حقِ رسالت ہی ادا نہ کیا۔ رسالت کی تیسری کڑی کے حاملین (امتِ وسط) کو کیا یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ بہت بڑے بڑے مفسرینِ قرآن اور مہا

Marfat.com

شیوخ الحدیث تھے؟ اپنوں کو ہی تلقین و وعظ کی صورت میں طعن و تشنیع' آخر دوسروں پر حجت قائم کرنے کے لئے کیا کوئی سماوی مخلوق آئے گی؟

حکمرانوں اور علمائے کرام کے بعد تیسرا طبقہ جو کچھ اثر کا حامل ہوتا ہے وہ ہے اعیانِ حکومت کا' حکومت کے ملازمین کا۔ نوکرشاہی کے حامل ان مسلمانوں کو ہونا تو چاہیے تھا خدمت گار و مددگار لیکن ہیں یہ مخدوم و فرمانروا۔ آپ مغرب سے مشرق کی طرف سفر کر دیکھیں' مغرب میں آپ کسی دفتر میں چلے جائیں آپ کا کام ساعتوں میں بھی ہوگا اور ساتھ ہی آپ کا کام کرنے والے آپ کا شکریہ بھی ادا کریں گے کہ وہ کوئی نہ کوئی آپ کی خدمت کرنے کے قابل ہو سکے۔ جونہی آپ مسلمان ملکوں میں داخل ہوں گے' بس کایا ہی پلٹ جائے گی۔ آپ کو معاً احساس ہوگا کہ کچھ حیوان کرسیوں پر براجمان ہیں۔ جن کا کام تنخواہ وصول کر کے لوگوں کے کاموں میں روڑے ہی اٹکانا ہے۔ اول تو بتا دیا جائے گا کہ متعلقہ کلرک آج چھٹی پر ہے۔ اگر کلرک کہیں سے بھولا بھٹکا آ دھمکا تو فائل فوراً غائب۔ جب تک آپ سے چائے پانی کا عہد و پیمان ہو نہ جائے گا' بس ہر چیز غائب رہے گی۔ دنوں کا کام ہفتوں اور ہفتوں کا کام مہینوں بلکہ سالوں میں ہوگا اور کبھی بھی نہ ہو تو بعید نہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق شہادت کیا مغرب کا کلرک کر رہا ہے یا یہ بزعمِ خویش بخشا بخشایا مسلمان؟ آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ان دونوں میں سے کون شہادتِ زور کا مرتکب ہو رہا ہے؟ خدا کرے کہ آپ کو کسی تھانے تحصیل یا کچہری سے واسطہ نہ پڑے ورنہ چند منٹوں میں آپ کو روشنی ہو جائے گی کہ آپ کا واسطہ مسلمان تو در کنار انسانوں تک سے نہیں' وحشیوں اور درندوں سے ہے جو بھی آپ کی تکا بوٹی کیے دیتے ہیں۔ آہ!

یہ مسلماں ہیں کہ جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

پھر کسی ملک میں با اثر طبقہ ہوتا ہے تاجروں کا' صنعت و حرفت کے مالکوں کا۔ دنیا بھر کی منڈیوں میں چلے جائیں' پہلے تو آپ کو کسی مسلمان کا تیار کردہ سامان ملے گا ہی نہیں اور اگر ملے گا تو

Marfat.com

ہر سابقہ پڑنے والا اس کے معیار کا شاکی ہوگا۔ کوئی پیکنگ جس پر کسی مسلمان ملک کا نام لکھا ہوگا محض اس لئے رد کردی جائے گی کہ کیا پتہ چائے کی بجائے کہیں بورا ہی نہ پیک کر دیا ہو۔ شہد کی بجائے کہیں شیرا ہی سے نہ واسطہ پڑ جائے۔ کیا یہ شہادتِ حق ہے یا شہادت زور؟ کیا یہی ہے وہ امانت و دیانت کا معیار جس کی طرف دنیا والوں کو دعوت دینی ہے؟ کیا خیر امت کو اسی لئے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے؟ کیا یہ حق کو باطل اور باطل کو حق کرنے والے میدانِ محشر میں یہی شہادت قائم کرنے کے لے بلائے جائیں گے؟ دنیا میں تو آپ کا کپڑا فروخت نہیں ہوتا جب تک جاپانی دھاگے کا ساتھ ساتھ ورد نہ ہو۔ آپ کا مطب بلکہ کلینک نہیں چل سکتا جب تک ساتھ ساتھ چینی طریقہ علاج کا اشتہار نہ ہو۔ اے امت وسط! یہ کیسی شہادتِ علی الناس اور کیسی دعوت الی الحق ہے؟

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا

پھر آپ عام مسلمان کا جائزہ لیں۔ مسلمان ہے کیوں کہ کسی نور دین کے گھر پیدا ہو گیا ہے۔ مسلمان ہے کیونکہ نام نعیم اللہ ہے۔ قرآن اس لئے نہیں پڑھتا کیونکہ گمان یہ لئے بیٹھا ہے کہ یہ مولویوں ہی کے بس کی بات ہے یا اسے بتادیا گیا ہے کہ آپ کی عقل کے خانے میں اتنی استطاعت ہی نہیں کہ ایسا اونچا کلام سمجھ سکے۔ حالانکہ قرآن خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں آسان ترین زبان میں آسان ترین ہدایت کا مجموعہ ہوں۔ تقریباً اسی فیصد مسلمان تو قرآن کو ویسے ہی اپنے بس کی چیز نہیں سمجھتے۔ گمان کئے بیٹھے ہیں کہ بس یہ منبر ومحراب والوں کی ہی اجارہ داری ہے۔ باقی میں سے اکثر اگر توجہ کرتے ہیں تو یا تو تعویذ گنڈے کے لئے یا اپنے حریف مکتبہ فکر کو مات کرنے کے لئے اور یا پھر محض دکانداری چمکانے کے لئے یعنی وہ مقاصد حاصل کرنے کے لئے جنہیں قرآن خود ''متاعِ قلیل'' کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

پھر معاشرت کو لے لیجئے' ہماری بیٹھکیں' (بلکہ ڈرائنگ روم) اس وقت تک نہیں سجتیں جب تک ان کی سج دھج مغرب والوں کی سی نہ ہو' ہمارے غسلخانے (بلکہ باتھ روم) تبھی کچھ وقعت کے حامل ہوں گے اگر انہیں وسادر سے درآمدہ مال سے ہی سجایا جائے۔ ہم جب تک اپنی بول

Marfat.com

چال میں انگریزی کو خلط ملط نہ کرلیں' اس وقت تک ہماری شخصیت کی دھاک ہی نہیں بیٹھتی۔ بلکہ مہذب کہلوانے کی دھن تو لہجہ تک سفید چمڑی والے کا اپنانے پر مجبور کرتی ہے۔ چارپائی کو بیڈ کہیں تو بات بنتی ہے۔ قمیض ترقی کر کے شرٹ بن گئی ہے اور تو اور کھانے کے اوقات بریک فاسٹ' لنچ اور ڈنر کا روپ دھار گئے ہیں۔ بچے کے لئے ابو کہنا تو گالی کے مترادف ہوا' کوئی کیا کہے گا کہ کمبخت اتنا غیر مہذب ہے کہ ڈیڈی بھی نہیں کہہ سکتا؟

مجموعی صورتِ حال

یہ ہے وہ صورتِ حال جس سے امتِ مسلمہ آج مجموعی طور پر دوچار ہے۔ اس میں کیا شک رہ گیا ہے کہ جسے ''خیرامت'' بننا تھا وہ 'شرِ امت' بن کر رہ گئی ہے' جسے اللہ کی آخری کتاب ''امتِ وسط'' جیسے عظیم لقب سے نوازتی ہے وہ امت اب افراط وتفریط کا روپ دھار گئی ہے۔ جس نے اللہ کے دین کو دوسروں تک پہنچانا تھا وہ خود اللہ کے دین کو چھوڑ کر باطل ادیان اپنانے کے درپے ہے۔ جس امت کو انبیاء ورسل کا وارث بنایا گیا تا کہ وہ رسالت وابلاغ کی تیسری کڑی کا فریضہ ادا کرے وہ خود بھٹک کر بلکہ ٹھٹک کر رہ گئی ہے۔ جسے دنیا کی قوموں اور امتوں کی رہنمائی کرنا تھی وہ خود چوراہے پر کھڑی سوالیہ نشان بن گئی ہے کہ:

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

کس بل بوتے پر یہ کل اللہ کی عدالت میں شاہد بن کر کھڑی ہوگی۔ کیا ان نام نہاد مسلمانوں کے کھاتے میں ان تمام انسانوں کے گناہوں کا حصہ نہ ہوگا جن تک یہ دعوتِ حق پہنچانے سے قاصر رہے؟ کیا یہ صرف یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم تیرے محبوب کی امت سے ہیں؟ کیا محبوب ﷺ اس دنیا میں ہی ڈنکے کی چوٹ نہیں کہہ گئے تھے کہ جو فلاں کردار رکھتا ہو وہ ہم میں سے نہیں اور جو فلاں خوبیوں کا عادی ہو' ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں؟ انہوں نے تو برملا اپنی چہیتی بیٹی فاطمہؓ کو کہہ دیا تھا کہ اے فاطمہ! اللہ کے ہاں آپ کی رہائی آپ کے عملوں پر ہوگی۔ پھر یہ یہود ونصاریٰ بھی تو اسی بھول میں تھے کہ چونکہ ہم ''فلاں'' ہیں اس لئے ہم بخشے بخشوائے ہیں بلکہ

Marfat.com

دوسروں تک کو دعوت دیتے تھے کہ اگر نجات حاصل کرنی ہے تو ہم میں آملو بس پھر کسی عملِ خیر کی ضرورت نہیں، تمہارا بوجھ اب کوئی اور ہی اٹھائے گا۔ وہ تو یہاں تک زعم رکھتے تھے کہ کوئی دوسرا جو یہود و نصاریٰ میں شمولیت کی سعادت حاصل نہیں کریگا کبھی جنت میں جا ہی نہیں سکتا۔ ملاظہ ہو قرآنِ عظیم: ''ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عیسائی نہ ہو، یہ ان کی تمنائیں ہیں، کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو'' (۲:۱۱۱)

اس کے برعکس قرآن ان سے یوں مخاطب ہوتا ہے:

''دراصل نہ تمہاری کوئی خصوصیت ہے نہ کسی اور کی حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لئے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں'' (۲:۱۱۲)

پھر چونکہ قرآن یہود و نصاریٰ کی جملہ کارستانیوں کے بعد نازل ہوا لہٰذا اللہ پاک نے اس میں ان کی بابت دوٹوک اعلان فرما دیا کہ ان کا اللہ کے چہیتے اور بیٹے ہونا تو درکنار، یہ اس وقت تک کسی اصل کے حامل ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ جو کچھ ان پر نازل کیا گیا ہے اسے قائم نہیں کرتے۔ فرمایا: ''صاف کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تم توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں'' (۵:۶۸)

اس میں شک کی کیا گنجائش ہے کہ ہمارے کتمانِ حق اور شہادت زور کا مرتکب ہونے کی بنا پر آج کوئی وحی لانے والا وحی لاتا تو ضرور اعلان کروا دیا جاتا: ''کہ اے مسلمانو! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ قرآن اور اُن دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں''۔

Marfat.com

شومیِ قسمت، قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

Marfat.com

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

Marfat.com

شومیِ قسمت، قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

......چودھری رحمت علی

میری، آپ کی، ہمارے ہاں کی اکثریت کی خواہش ہے کہ وطنِ عزیز پاکستان میں اسلامی نظام کا دور دورہ ہو۔ بڑی مبارک خواہش کے علی الرغم اہلِ پاکستان ہیں کہ دن بدن گھمبیر مسائل میں دھنستے جا رہے ہیں۔ جب خواہش بھی ہے، کئی افراد اور جماعتوں کی سرتوڑ کوشش بھی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں اسلامی نظام رواں دواں کیوں نہیں ہو رہا؟ معلوم ہوتا ہے، ہماری کوشش ہی میں کوئی سقم ہے۔ تجزیہ کیا جائے تو ملکِ عزیز میں اسلام لانے کی راہ میں تین ایسی محکم دیواریں حائل ہیں جن کو ہمارے ہاں کے کچھ لوگ بلکہ اقامتِ دین کے داعی بھی خود یوں پلستر کر رہے ہیں کہ وہ وقت گزرنے کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہو رہی ہیں۔ جب تک ان دیواروں کو مضبوط کرنے کی بجائے مسمار نہیں کیا جاتا، ملک میں اسلامی نظام لانے کی خواہش ایک خواب ہی رہے گی۔ یہ تین محکم دیواریں درج ذیل ہیں:

1- مغربی طاغوتی طاقتیں

2- رائج الوقت اپنے ہاتھوں سے لکھا آئینی کتابچہ۔ یعنی 73ء کا آئین

3- جمہوریت

ان تین دیواروں میں سے پہلی کا تعلق بیرونِ ملک سے ہے تو باقی دو کا اندرونِ ملک سے۔ اصل میں دوسری دونوں دیواریں بھی پہلی یعنی طاغوتی طاقتوں کی مہیا کردہ سوغاتیں ہیں۔ ہم نے ان کو محکم قرار دیا ہے تو اس لیے کہ ہمارے ہاں کے کچھ طبقات انہیں دیواریں نہیں، ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ بنابریں، وہ صبح و شام ان کو مزید مستحکم کرنے کے درپے ہیں۔ خود فریبی کہیں اسے یا کج فہمی ان طبقات کے نزدیک یہ دیواریں ہیں ہی نہیں۔ یعنی زحمت نہیں رحمت ہیں۔ ہماری سمت

Marfat.com

درست نہیں، جن دیواروں کو ہم نے مسمار کرنا تھا، سوختہ بختی ان کو مضبوط کرنے میں ہم کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کر رہے۔ بنابریں ہر طلوع ہونے والا سورج ہمارے لیے کسی نہ کسی بحران کی نوید لے کر وارد ہوتا ہے۔ مرض اگر بڑھتا ہی جائے تو نسخۂ شفا کا تجزیہ کرنا کیا ضروری نہیں ہو جاتا؟ کوئی تو وجہ ہے کہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دعا کی"۔ کس قدر بھول بلکہ حماقت ہے ہمارے ہاں کے ناخداؤں کی کہ دن بدن مشکلات و مصائب میں دھنستے جا رہے ہیں لیکن اس شعور سے یکسر عاری کہ کیوں نہ اپنائی گئی روش کو بدلیں؟ کیا ہم اپنے رب کو ناراض تو نہیں کیے ہوئے؟ سوختہ بختی، ہم یعنی مسلمانانِ پاکستان سے اللہ ناراض ہے اس لیے کہ ہم یوں جیسے قسم کھائے بیٹھے ہیں کہ اپنے رب کی نافرمانیاں کرنی ہیں اور جی بھر کر۔ آئیں، تجزیہ کریں ہمارے راستے میں حائل ان تین محکم دیواروں کا۔

پہلی دیوار......طاغوتی طاقتیں

شومیِ قسمت، مسلمانانِ عالم بالخصوص مسلمانانِ پاکستان طاغوتی طاقتوں کے نرغے میں ہیں۔ یہ طاغوت کیا ہوتا ہے؟ سب جانتے ہیں کہ کافر تو وہ ہوتا ہے جو اللہ و رسول ﷺ کی نہ مانے یعنی دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہو۔ کافر کا مطلب یہی ہے "نہ ماننے والا"۔ کافر البتہ اس وقت طاغوت قرار پاتا ہے جب وہ دوسروں کو اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کی بجائے اپنی اطاعت میں لائے یا لانے کی کوشش کرے۔ یعنی وہ دوسروں کو مجبور کرے کہ وہ اسی کے مفادات کو مدِ نظر رکھیں، اسی کی تہذیب و تمدن کو اپنائیں اور اس کی ناراضگی کسی قیمت پر مول نہ لیں۔ دریا جب اپنے کناروں سے باہر نکل کر گرد و نواح کو برباد کرے تو کہا جاتا ہے کہ دریا "طغیانی" میں ہے۔ وہ اپنے حق سے بڑھ کر دوسروں کے حقوق کو غصب کرتا ہے۔ نمرود و فرعون اس۔ لیے ہی طاغوت گردانے گئے کہ وہ صرف اللہ اور اپنے اپنے رسولؑ کا انکار ہی تو نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے خود ساختہ قوانین کو دوسروں پر مسلط بھی کرتے تھے۔ آج کی دنیا میں دہشت گردی جو ہمارے سامنے ہو رہی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ کچھ طاقتیں دوسروں پر، جنھیں وہ بزعمِ خویش اپنا دشمن سمجھ

Marfat.com

بیٹھیں، اپنے طور طریقوں، اپنی تہذیب و تمدن اور اپنے خود ساختہ قوانین کو مسلط کر کے اپنی خواہشات و مفادات کی آبیاری کرنے کے درپے ہیں۔ ظاہر ہے ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے صوابدیدی اختیارات ایک وقت تک دے رکھے ہیں کہ وہ چاہے تو مسلم یعنی ماننے والا اور چاہے تو کافر یعنی نہ ماننے والا ہو کر رہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ عطا کردہ صوابدیدی اختیارات کسی سے چھیننے کی جب کوئی کوشش کرتا ہے تو دوسرا مزاحمت اور ردِ عمل (React) کرتا ہے۔ چھیننے والے کے نزدیک یہ مزاحمت دہشت گردی ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صرف اس بات کا پابند نہیں کرتا کہ وہ اللہ کا اقرار کریں بلکہ لازم قرار دیتا ہے کہ وہ متوازاً طاغوت کا انکار کریں۔ یہی مطلب ہے "لا الٰہ الا اللہ" کا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مسلمانی جو اللہ کا اقرار تو کرے لیکن طاغوت کا انکار نہ کرے مسلمانی نہیں، بغاوت ہے۔ قرآنِ مجید میں اسے مختلف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ پر آیا:

"ہم نے ہر امت میں ایک رسولؐ بھیجا اس تعلیم کے ساتھ کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو" (نحل:36)۔

ایک اور جگہ پر آیا:

"دین کے معاملے میں کوئی سختی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا حامی و مددگار اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں اور وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے" (بقرۃ:256-257)۔

یہ تو ہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات و فرمودات لیکن حقیقتِ احوال یہ ہے کہ کم و بیش پوری

Marfat.com

اسلامی دنیا بالخصوص پاکستان نے طاغوتی طاقتوں سے سمجھوتہ کر رکھا ہے تو گویا یوں جیسے وہ طاغوتی طاقتوں کی باجگوار ریاست ہو۔ ہمارے حکمران ادل بدل کر آتے رہتے ہیں لیکن ان کی ایک ہی دوڑ لگی ہوئی ہے کہ کون طاغوت کی خدمت گزاری میں بڑھ چڑھ کر ہے بلکہ وقت کے تھپیڑوں نے وہ صورتِ حال پیدا کر رکھی ہے کہ پاکستان میں برسرِ اقتدار آتا ہی وہ ہے جو طاغوت کی خدمت گزاری میں نمبر 1 ہو۔ حزبِ اقتدار ہو یا حزبِ مخالف ان طوطوں کی جان طاغوتی طاقتوں کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس طرح کہ ان میں بیشتر کے اثاثے طاغوتی خزانوں میں جمع ہیں۔ جب بھی ان میں سے کوئی سر اٹھا کر چلنے کی سوچتا ہے' فوراً ٹھٹھر جاتا ہے کہ اسے اپنے اثاثوں سے محروم ہونا پڑے گا۔ اللہ کی نافرمانی کیے جا رہے ہیں' مطلوب ہے انہیں تو طاغوت کی خوشنودی۔ عوام تک کو ڈراتے رہتے ہیں کہ طاغوت ہمیں مار دے گا بلکہ یہ وعظ و نصیحت بھی کہ جس کا کھائیے اسی کے گن گائیے۔ ایسے لوگ جو طاغوتی طاقتوں کے ساتھی بنیں اللہ تعالیٰ کے ہاں خود طاغوت قرار پائیں گے۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ' یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا ساتھی بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے' یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے'' (مائدہ: 51)۔

یعنی ایسے لوگ خود ہی خود پر ظلم کرتے ہیں اور آپ ہی اپنے دشمن ہیں۔ عوام کا بھی ایک اچھا خاصا بلکہ مؤثر طبقہ ایسا ہے کہ جو طاغوت کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہے' طاغوت کی تہذیب کا ہی دلدادہ ہے اور انہی کے ہاں نوکری کرنے کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتا ہے۔ گرین کارڈ اور امیگریشن کے متلاشی خود کو ہی نہیں اپنی آئندہ نسلوں کو بدیر یا سویر کفر کے شکنجے میں پھنساتے ہیں۔ قرآنِ مجید اس روش کو ''ظالمی انفسھم'' یعنی خود پر ظلم قرار دیتا ہے (نساء: 97)۔ لیکن وہ دوسرے تیسرے درجے کے شہری ہی سہی' طاغوت کی لوریوں کے رسیا ہونے میں اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اللہ ناراض ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''اللہ کا اقرار تو طاغوت کا انکار'' اور ہمارے ہاں مجموعی

Marfat.com

روش یہ ہے کہ طاغوت کا اقرار تو اللہ کا انکار' بتایئے کیسے ہمارے ہاں اسلامی نظام آئے؟ حل اس کا ہے تو بڑا واضح کہ اس دیوار ہی کو مسمار کیا جائے جو اسلامی نظام کا راستہ روکے ہوئے ہے۔

دوسری دیوار...... 73ء کا خود ساختہ آئین

سو بات کی ایک بات' پلے باندھ لیں اسلامی نظام یا اسلامی انقلاب کا مطلب ہے قرآن وسنت کی ہدایات واحکامات پر مبنی نظام حیات۔ دورِ نبوت میں یہی ہوا' جوں جوں قرآن کا نزول ہوتا گیا ساتھ ہی اس کا نفاذ ہوتا گیا۔ نزولِ قرآن کا اختتام ہوا تو اس وقت جب متوازی اسلامی نظام کا نفاذ ہو چکا۔ مزید ہدایات کی ضرورت نہ رہی' اس لیے سلسلۂ وحی اور سلسلۂ نبوت دونوں منقطع کر دیئے گئے۔

نظامِ خلافتِ راشدہ بھی معرضِ وجود میں آیا تو قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنا کر اس کا نفاذ کر کے۔ اگر 73ء کی طرح کا کوئی انسان ساختہ آئین نافذ کیا جاتا تو نظامِ خلافتِ راشدہ خود وجود پذیر نہ ہوتا۔ یاد رہے کسی بھی ملک کا نظامِ زندگی وہاں پر اپنائے گئے آئین کا پروڈکٹ ہوتا ہے یعنی جیسا آئین ویسا نظام۔ آئین اشتراکی تو نظام اشتراکی' آئین جمہوری تو نظام جمہوریت اور اگر آئین قرآن وسنت کا تو نظامِ خلافت۔ فصل بیج کے مطابق ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں پاکستان میں خود ساختہ یعنی اپنے ہاتھوں لکھے گئے کتابچے کی بجائے قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنایا جاتا تو کوئی دوسرا نظام نہیں' اسلامی نظام ہی رواں دواں ہوتا۔

ملکِ عزیز پاکستان میں اسلامی نظام قائم ہونے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ 73ء کا خود ساختہ آئین ہے۔ اس کتابچے کے مصنفوں نے اسے بنایا ہی اس طور کہ بظاہر اسلامی نظر آئے لیکن اس کے نفاذ سے کوئی مغربی جمہوریت کی طرز کا نظام نافذ ہو' اسلامی نظام تا قیامت وجود پذیر نہ ہو سکے۔ کسی بھی انسانی ہاتھوں سے بنے ہوئے آئین میں اگر 99 فیصد اسلامی شقیں ہوں' ایک فیصد شق غیر اسلامی ہو تو وہ طاغوتی دستاویز قرار پاتی ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رٹ کو چیلنج کرتی ہے۔ 73ء کے خود ساختہ آئین میں تو درجنوں شقیں قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔

Marfat.com

یہاں پر ہم طوالت کے خوف سے صرف چند ایک کا ذکر کرتے ہیں:

1- خود ساختہ کتابچہ عرف آئینِ پاکستان صدرِ مملکت کو اجازت دیتا ہے کہ وہ کسی مجرم کی سزا کم، معطل یا معاف کر دے، قرآن وسنت ایسا کرنے والے کو طاغوت قرار دیتے ہیں۔ فرعون و نمرود کا قصور اور کیا تھا؟

2- حکمرانوں کو اس وقت تک قانون سے بالاتر قرار دیتا ہے جب تک کہ وہ حکمرانی میں ہوتے ہیں۔ قرآن وسنت کسی کو ایسی اجازت نہیں دیتے خواہ وہ پیغمبر ﷺ کی بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔

3- آئینِ پاکستان عورت کو پورے ملک کی سربراہ بنانے کی اجازت دیتا ہے، قرآنِ مجید اسے گھر کا سربراہ بھی نہیں بناتا۔

4- خود ساختہ کتابچہ غیر مسلم یعنی ہندو، عیسائی وغیرہ کو اسلامی عدالت کا جج بننے کی اجازت دیتا ہے، قرآن وسنت ایسی اجازت نہیں دیتے۔ یہ کتابچہ تو وفاقی شرعی عدالت کا تصور دے کر خود تسلیم کرتا ہے کہ پاکستان میں باقی سب عدالتیں غیر شرعی ہیں۔ ایں چہ معنی دارد۔ انسان آئین و قانون سازی کریں گے تو تضادات کا مجموعہ ہوگی۔

5- اس کتابچے کے مطابق پاکستان میں کوئی ضابطہ یعنی خواہ وہ قرآن وسنت کا ہی کیوں نہ ہو، اس وقت تک قانونی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا جب تک کہ پارلیمنٹ اسے پاس نہ کرے۔ بندے اور منظوری دیں اللہ ورسول ﷺ کے احکامات کی، ایسی پارلیمنٹ کے طاغوت ہونے میں کیا شک اور اس آئین کے طاغوتی ہونے میں کیا شبہ جو پارلیمنٹ سے ایسی منظوری کا مطالبہ کرے۔

6- پچھلی صدی کا سب سے بڑا جھوٹ جو اس کتابچے میں لکھا گیا یہ کہ آئندہ کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ اور کسی قانون کی تو کیا بات خود اس کتابچے میں آج تک 19 ترامیم ہو چکیں، اکثر نے اسے مزید غیر اسلامی کیا۔

7- قرآن وسنت کے مطابق جس میں ترمیم کی جا سکے وہ مسلمانوں کا آئین ہوتا ہی نہیں، قرآنِ مجید میں تو کوئی ترمیم نہیں کر سکتا تھا "لا مبدل لکلمتہ" عیار لوگوں نے قرآن وسنت کو

Marfat.com

پسِ پشت ڈالکر اپنے ہاتھوں سے ایک آئینی دستاویز بنا کر خوب چور دروازہ نکالا اپنی خواہشات و مفادات کی تکمیل کیلئے۔ موم کی ناک' جب چاہو' جیسے چاہو بدل لو۔

8- دوٹوک فیصلہ' قرآنِ مجید اس کی اجازت دیتا ہی نہیں کہ کوئی اپنے ہاتھوں سے لکھے کو آئین کی حیثیت دے دے۔ فرمایا گیا:

''پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے آئینی کتابچہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا (اسلامی) ہے تا کہ ایسا کرنے سے تھوڑا سا فائدہ حاصل کرلیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کیلئے تباہی کا سامان ہے۔ اور ان کی یہ کمائی بھی ان کیلئے موجبِ ہلاکت'' (بقرۃ:79)۔

نوٹ فرمائیں' ملکِ عزیز پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے کا ایک ہی راستہ ہے' نہ صرف اجلا' سادہ اور آسان بلکہ مسنون بھی کہ قرآن وسنت کو ہی آئین کی حیثیت دی جائے۔

تیسری دیوار......جمہوریت

ملکِ عزیز پاکستان میں بہت سے دانا' سمجھ بوجھ رکھنے والے حضرات موجودہ نظامِ باطل کا حصہ بن کر ''جمہوریت پالی'' کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ان سے درخواست کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس کھلم کھلا نافرمانی کو ترک کر دیں تو بڑی ڈھٹائی سے جواب دیتے ہیں کہ وہ تو ''اسلامی جمہوریت'' کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ محض مفادات وخواہشات کی پوجا پاٹ ورنہ یہ تو ایک معمولی سمجھ بوجھ والا بھی بخوبی جانتا ہے کہ اسلام کا مطلب ہے کہ اللہ کی حاکمیت اور جمہوریت کا مطلب ہے جمہور (عوام) کی حاکمیت یعنی عوام یہ منصب اختیار کرلیں کہ جسے چاہے حلال قرار دے دیں اور جسے چاہے حرام۔ بھول گئے یہ حضرات کہ حلال وحرام کا فیصلہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا اعزاز ہے' کسی نبی کو بھی ایسا فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں۔ قرآنِ مجید کا ایک بڑا موضوع ہے ہی یہی کہ قانون سازی صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ ''ان الحکم الا اللہ''۔

طاغوتی طاقتوں کے ہاں تو یہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینا معمول کی بات

Marfat.com

ہے۔ہم جنس شادیاں' غیر محرم عورت و مرد کا ہم سکونت (Cohabitation) رہنا' جنسی بدنظمی (Sexual Anarchy)' رہبانیت' طلاق (Divorce)' آخرِ ہفتہ آوارہ گردیوں (Week end wandring)' ساحلی بے ہودگیوں کی نت نئی اقسام کا من مرضی کے مطابق کبھی حرام تو کبھی حلال قرار دینا تو ان معاشروں کا عام معمول ہے۔ہم مسلمانوں نے بھی اگر جمہوریت اور جمہوری اداروں کو مستحکم کرنا ہے تو ان معاشروں میں رہائش جا اختیار کریں۔ بلکہ ہندوستان سے ظلم و جور اور خون کے دریا عبور کر کے پاکستان آئے ہی کیوں تھے؟ وہاں پر تو یہ جنس فراواں میسر تھی۔ ہمارا معاملہ تو قومِ موسیٰ کی طرح کا ہے۔وہ کھلے کھلے معجزات اور دست بدست انعامات حاصل کرنے کے علی الرغم بالآخر لپکی تو بت پرستی کی طرف' ہم مسلمانوں نے یہ ملک تو اسلامی نظام نافذ کرنے کے وعدے پر لیا تھا لیکن جمہوریت ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے تو اس قدر کہ اس سے جدا ہونے کو تیار نہیں۔اسلامی نظام تو وہاں آسکتا ہے جہاں جگہ خالی ہو' جہاں پہلے ہی جمہوریت کی نوک پلک سنواری جارہی ہو اور اسے مستحکم کرنے کے اقدام کیے جارہے ہوں' وہاں اسلامی نظام آئے تو کیسے؟ صد حیف' صرف جمہوریت ہی اس ملک میں اسلامی نظام لانے کی راہ میں رکاوٹ نہیں' نامراد جمہوریت کو مستحکم کرنے والے بھی اللہ کے ہاں دیوار قرار پائیں گے۔ جمہوریت کو اگر اس ملک میں پرورش نہ کیا گیا ہوتا تو اسلامی نظام کبھی کا اس دھرتی کا مقدر بن گیا ہوتا۔اللہ کے ہاں لوٹنے سے پہلے انہیں تائب ہونا چاہئے جو شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلامی نظام کے راستے کی دیوار بنے رہے۔فرسودہ عمارت کو گرانے سے ہی گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ نئی عالی شان بلڈنگ بنے۔ جمہوریت تو دنیا کے کسی بھی ملک میں ہو' ہے ہی سرمائے کا کھیل۔غریب' خواہ کتنا ہی صاحبِ فکر و دانش ہو' انتخابی مہم سر نہیں کرسکتا۔بنا بریں' سرمایہ دار' جاگیردار' بیوروکریٹ' خاندانی اجارہ دار ہی برسرِ اقتدار رہتے ہیں۔ان کٹھ پتلیوں نے چونکہ اپنی جابرانہ حیثیت طاغوتی زینوں کے طفیل حاصل کی ہوتی ہے لہٰذا یہ گن گاتے ہیں تو اپنے آقاؤں کے اور حقِ نمک ادا کرتے ہیں تو ان ہی کا۔ ان کی آڑ میں حکومت' دراصل طاغوتی طاقتوں کی ہوتی ہے۔ بیرونی ڈکٹیشن سے ہی کاروبارِ مملکت

Marfat.com

رواں دواں رہتا ہے۔نوٹ فرمائیں جب تک جمہوریت کی ریل پیل ہے ایسا ہی ہوگا۔

اسلامی جمہوریت کی رٹ لگانے والوں نے کبھی نماز کو اسلامی نماز اور روزے کو اسلامی روزے کا کبھی نام دیا؟ نہیں دیا تو اس لیے کہ جو اسلامی ہو اس کے ساتھ اسلامی کا دم چھلا لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہوتی ہے تو اس کے ساتھ جو ہو تو غیر اسلامی لیکن اسے اسلامی ثابت کرنے کی دھن ہو۔ ہمارے کچھ دین دار نما لوگوں کے نزدیک خود ساختہ آئین بھی اسلامی ہے اور جمہوریت بھی اسلامی۔ آئین اور اس کے پروڈکٹ یعنی لائے گئے نظام کی نوعیت ہی تو فیصلہ کرتی ہے کہ کوئی نظامِ زندگی اسلامی ہے یا غیر اسلامی۔ اگر ہمارے ہاں کا آئین اور جمہوریت دونوں اسلامی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارے ہاں اسلامی نظام پہلے سے رواں دواں ہے' پھر کئی طبقات کی طرف سے اسلامی نظام لانے کی جدوجہد چہ معنی دار؟ اسلامی نظام تو ان کے حساب سے پہلے ہی موجود ہے' اب وہ کوئی اور کام کریں۔

مختلف حلقوں کی طرف سے جمہوریت کے متعلق کیے جانے والے دو اہم سوالات کو زیرِ بحث لانا بہت ضروری ہے۔ پہلا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام ایک شورائی نظام ہے اور یہ مشورہ جمہور یعنی عوام ہی نے دینا ہوتا ہے۔ عوام کا امورِ مملکت میں شامل ہونا ہی تو جمہوریت ہے' لہٰذا اس سے نفرت کیوں؟ ووٹ بھی کیا ایک مشورہ ہی نہیں؟ کوئی گھپلا بازی کرنا چاہے تو وہ جانے اور اس کا اللہ' ورنہ ووٹ اور مشورہ' پارلیمنٹ اور شوریٰ' جمہوریت اور اسلامی نظام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مثال کے طور پر جمہوریت میں قانون سازی ہے' اسلامی نظام میں مقننہ نام کا کوئی ادارہ ہی نہیں۔ شوریٰ کا ادارہ ہے اور ارکانِ شوریٰ نے قرآن و سنت کی روشنی میں اس معاملے کے بارے میں مشورہ دینا ہوتا ہے جس کیلئے قرآن و سنت سے براہِ راست کوئی نص نہ ملے۔ پھر ارکانِ پارلیمنٹ کا پڑھا ہوا ہونا بھی لازمی نہیں جب کہ لازمی ہے کہ ارکانِ شوریٰ کا قرآن و سنت پر بھی عبور ہو اور حالاتِ حاضرہ پر بھی۔ ارکانِ پارلیمنٹ کا چناؤ ہر بالغ و عاقل فرد ایک ووٹ کی بنا پر ہوتا ہے جبکہ ارکانِ شوریٰ کا انتخاب صرف ایسے اولوالامر نے کرنا ہوتا ہے جو قرآنی معیارِ اہلیت کے

Marfat.com

پانچ اوصاف یعنی ایمان، تقویٰ، صلاح، علم اور جسم کے حامل ہونے کی بنا پر پہلے ہی مخصوص مناصب پر فائز ہوتے ہیں۔ جمہوریت میں لازم ہے کہ حزبِ اقتدار اور حزبِ مخالف کا وجود ہو، اسلامی نظام میں صاحبِ امر افراد تو بطور حزبِ اقتدار ہوتے ہیں، باقی ساری امت حزبِ احتساب ہوتی ہے۔ ایک ادنیٰ شہری بھی سربراہِ مملکت کا دامن پکڑ کر حساب لے سکتا ہے۔ ووٹ نظامِ باطل کا آلہ ہونے کی بنا پر گناہِ جاریہ ہے جبکہ قرآن وسنت کی رو سے دیا گیا مشورہ صدقۂ جاریہ ہوتا ہے۔ غرضیکہ قرآن وسنت کی روشنی میں کی گئی مشاورت اللہ کی خوشنودی کا باعث بنتی ہے تو انسانی قانون سازی اللہ کے غضب کو بھڑکاتی ہے۔ خاک راچہ نسبت بہ عالمِ پاک۔

دوسرا سوال جو کیا جاتا ہے تو یہ کہ جن ممالک میں جمہوریت رواں دواں ہے، وہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں جبکہ مسلم ممالک دوسری اور تیسری دنیا کے ممالک میں شامل ہیں۔ بظاہر ان کے مؤقف میں وزن ہے۔ دو بڑی وجوہات ہیں اس نشیب وفراز کی یا جمہوری ممالک میں خوشحالی اور مسلم ممالک (اسلامی ممالک نہیں کیونکہ ان کے ہاں اسلام نہیں) میں مفلوک الحالی کی۔ پہلی بڑی وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم جمہوری ممالک میں ایک آئین ہے جب کہ ہر مسلم ممالک میں دو آئین ہیں، ایک ازلی وابدی یعنی قرآنِ مجید اور دوسرا خود ساختہ۔ غلط ہے یا سہی جہاں پر ایک آئین ہے وہاں پر یکسانیت ویکجہتی ہے جب کہ جہاں پر دو آئین ہیں وہاں پر خلفشار ہے، انتشار ہے، بے سمتی ہے۔ دو آئین یا دوسرے لفظوں میں کچھ اسلام اور کچھ غیر اسلام کے ملغوبے کا ہونا قرآن مجید کی رو سے ایسے عذاب کی شکل ہے جس کی عین زد میں دورِ حاضر کے مسلمان ہیں۔ فرمایا گیا:

"تو کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصوں کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے، جو تم کر رہے ہو؟

دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم ممالک میں نظام کی یکسوئی کی وجہ سے خالص کفر ہے تو

Marfat.com

مسلم جمہوری ممالک میں کچھ اسلام اور کچھ غیر اسلام ہونے کی وجہ سے خالص منافقت۔ اللہ تعالیٰ کے پیمانوں کے مطابق منافقت زیادہ قابلِ گرفت ہے بہ نسبت کفر کے۔ لہٰذا کفر کا آج دنیا میں غلبہ ہے تو اس کے منافقت میں قدرے کم ہونے کی وجہ سے۔

اسلامی نظام لانے کی راہ میں حائل تین محکم دیواروں کا ذکر ہو چکا۔ ان تینوں کا مسمار کرنا لازمی ہے اسلامی نظام کو لانے کیلئے۔ کوئی ہے جو نیند سے بیدار ہو؟

Marfat.com

اسلامی طرزِ انتخاب

Marfat.com

رہے گا وادیٔ نیل و فرات میں کب تک
تیرا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لیے

Marfat.com

اسلامی طرزِ انتخاب

اسلامی طرزِ انتخاب' قرآن وسنت کا بطور آئینِ مملکت ہونے کا ہی حصہ ہے' اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے دوسرا کام قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں اس کی جزویات:

موجودہ صورتِ حال: آج کی دنیا میں جسقدر استحصال' شر' فساد' بدامنی' بے انصافی' رشوت' سفارش' اقرباء پروری' لاقانونیت' تعصب وغیرہ ہے اس کا بنیادی سبب ایک فرد کا دوسرے افراد کے ووٹوں کا محتاج ہونا ہے۔ بڑی بڑی آفتیں' سیلاب' زلزلے' ایٹم بم کی ہولناکیاں وغیرہ انسانیت کے لئے اسقدر مہلک ثابت نہیں ہوئیں جس قدر کہ ایک فرد کا دوسرے فرد کے ووٹ کا محتاج ہو جانا۔ ووٹ لینے والے نے ووٹ دینے والے کو بہر قیمت اس لئے خوش رکھنا ہوتا ہے کہ ووٹ "پکا" رہے۔ اسلام عوامی نمائندوں کو ووٹ کا محتاج بناتا ہی نہیں۔ جمہوریت بغاوت ہے' اللہ تعالیٰ کی بجائے جمہور یعنی عوام کو حقِ حاکمیت دیتی ہے کہ وہ جسے چاہیں حلال قرار دیں' جسے چاہے حرام۔ یہ سازشی طریقہ ہے غرباء کو حقِ اقتدار سے محروم کر کے امراء کی من مانیاں کرنے کا۔

اسلامی طرزِ انتخاب: اسلامی طرزِ انتخابات اور ہمارے ہاں کے مروجہ طرزِ انتخابات میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ یہاں اسلامی طریقِ انتخاب کو ہم ذرا وضاحت سے بیان کرتے ہیں:۔

یاد رہے چاروں خلفاءِ راشدین کا انتخاب تو ہوا لیکن قدرے مختلف طریقوں سے۔ تاہم چاروں طریقہ ہائے انتخاب میں قرآن وسنت پر مبنی چند مشترکہ اصولی قواعد وضوابط اختیار کئے گئے جو یوں ہیں:

1- کوشش کی گئی کہ قیادت اہلِ قیادت کو سونپی جائے اور اس قرآنی ضابطے کی حرف بہ حرف پیروی ہو جو یوں ہے کہ "مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو......" (النساء:58)

2- ولی عہد بنانے کی قطعی ممانعت

3- امیدوار کھڑا ہو کر کسی کو بذریعہ کنونسنگ اپنے حق میں کرنے کی دوٹوک نفی۔ ہادیٔ برحق کا ارشادِ گرامی ہے "ہم نہیں دیتے عہدہ اس شخص کو جو اس کی درخواست کرے اور جو اس کی حرص کرے" (مسلم)۔

Marfat.com

4- خلیفہ کا انتخاب محض اولوالامر کی رائے سے ہوا' امت کے ہر فرد نے ان انتخابات میں حصہ نہ لیا۔ اصل میں قرآن کے مطابق دنیا میں وقت کے ہر موڑ پر اکثریت ہمیشہ جاہلوں کی ہوتی ہے (اکثر الناس لایعلمون) لہٰذا جس نظام کی اٹھان لوگوں کی اکثریت پر ہو اس میں ہمیشہ جاہل ہی آگے آئیں گے۔ ''الناس'' یعنی مسلموں اور غیر مسلموں دونوں کا انتخابات میں حصہ لینا تو درکنار اسلام تو اس سے بھی ایک قدم آگے جاتا ہے اور وہ پوری مسلم آبادی کو بھی اس بکھیڑے میں نہیں ڈالتا کہ وہ انتخابات میں حصہ لے' چناؤ کا بوجھ وہ صرف اولوالامر (اہل الرائے یعنی اہلِ استنباط) پر ڈالتا ہے۔ یاد رہے اسلام میں خلیفہ کی جگہ خالی ہونے کے تین دن کے اندر اندر اسے پر کرنا ہوتا ہے اور ایسا تبھی ممکن ہے کہ صرف اولوالامر' جو حقیقت میں عوام کے خود معتمد ہوتے ہیں' اس مرحلہ کو سر کریں۔

5- اہل اور قابل ترین قیادت کو آگے لانے کے لئے قرآنی معیارِ اہلیت' جو پانچ اوصاف' ایمان (النور:55) تقویٰ (الحجرات:13)' صلاح (النور:55)' علم اور جسم (البقرۃ:247) پر مشتمل ہے' کی پابندی کی گئی۔

6- ایک دفعہ منتخب ہو جانے والی قیادت کو ہٹانا درج ذیل صرف تین صورتوں میں جائز ٹھہرا ورنہ تاحیات قائم و دائم۔

☆ وفات پا جانے کی صورت میں

☆ از خود معذرت کر لینے کی صورت میں اور

☆ قرآنی معیارِ اہلیت میں سے کسی ایک یا کئی اہلیتوں میں کمی آنے کی صورت میں۔

دورِ خلافتِ راشدہ میں مؤخر الذکر دونوں صورتوں کی نوبت نہ آئی لہٰذا پہلی ہی صورت کو اختیار کیا گیا۔

7- اہلِ اقتدار تو بہرحال حزبِ اقتدار باقی پوری امت حزبِ اختلاف تھی۔ کوئی بھی امتی کسی بھی وقت قیادت کا احتساب کر سکتا تھا۔ آج کی طرح کی متحارب حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف کا کوئی وجود نہ تھا۔

8- منتخب ہونے کی صورت میں خلیفۂ وقت پر درج ذیل دو مزید قدغنوں کی پابندی لازمی تھی۔

☆ اوسط سطح کے شہری کی بود و باش اختیار کرنا۔

☆ دارالخلافت کی مرکزی مسجد کا خطیب و امام ہونا۔

Marfat.com

زمانی ومکانی ضروریات کے پیشِ نظر نوعیت کے اعتبار سے طریقِ انتخاب قدرے مختلف تو ہو سکتا ہے لیکن شرعاً وہی طرزِ انتخاب جائز ہوگا جو مندرجہ بالا شرعی حدود کا پابند ہو ورنہ ناجائز' خواہ ایک ہی شرط کی خلاف ورزی کیوں نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کو اسی لئے دورِ خلافتِ راشدہ کا حصہ سمجھا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ انحراف کے بعد ان کے دور میں ایک دفعہ پھر ان شرائط کی پابندی کی گئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کیا کوئی ایسا طرزِ انتخاب وضع کر لینا ممکن نہیں کہ جس کے ذریعہ قرآن وسنت پر پورا اترنے والی قیادت ہی آگے آئے۔ ایسا کرنا سو فیصد ممکن ہے۔ ذیل میں ہم پاکستان کو بطور مثال لے کر ایک ایسے ہی طرزِ انتخاب کا ذکر کرتے ہیں۔ پوری اسلامی دنیا جب ایک ہی خلیفہ کی سرکردگی میں آجائے تو اسی یا ایسے ہی طریقے کو بآسانی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

مجوزہ طرزِ انتخاب: جب معیاری لوگ آگے لانے ہوں تو ضروری ہے کہ وہ ادارہ یا معیار جو اہل لوگوں کی نشاندہی کرے' ایک ہی ہو۔ پورے ملک کی سطح پر ایسا واحد ادارہ الیکشن کمیشن ہی ہو سکتا ہے۔ الیکشن کمیشن کے حسب ضرورت یا مثال کے طور پر اکیاون پینل بنا لئے جائیں جن میں سے ایک انچارج پینل (الیکشن کمشنر خود) ہو یعنی وہ تمام دوسرے پینلوں کے کام کی نگرانی کرے۔ ہر پینل ایسے تین افراد پر مشتمل ہو کہ جن کی شرافت اور دیانتدارانہ شہرت مسلمہ ہو۔ یاد رہے اسلامی تعلیمات کے مطابق ایسے نیک سرشت انسان وقت کے ہر موڑ پر موجود ہوتے ہیں۔ دوسری طرف پورے ملک کو مناسب سائز کے حلقوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ ہر حلقہ میں الیکشن کمیشن کا ایک پینل سات دن مختلف ریسٹ ہاؤسوں' یونین کونسل کے دفتروں یا دوسری مناسب جگہوں پر قیام کرے اور ان اوقاتِ قیام کا اعلان پہلے سے اخبارات واشتہارات کے ذریعے عام کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ متعلقہ پینل حلقے کے لوگوں سے اس قدر قریب تر رابطہ قائم کرے کہ گویا ان کا ہی حصہ بن جائے۔ اس قیام کے دوران متعلقہ آبادی میں سے بہ مشورہ عوام ایسے لوگوں کی فہرست تیار کرے جو قرآنی معیارِ اہلیت پر زیادہ سے زیادہ پورا اترتے ہوں۔ فہرست تو پہلے ایسے تقریباً 150 افراد کی تیار کی جائے لیکن کانٹ چھانٹ اور کراس چیکنگ کے بعد اسے 100 افراد تک محدود کر دیا جائے۔ بے حد ضروری ہے کہ فہرست میں شامل کردہ افراد کے ناموں کو خفیہ رکھا جائے۔ اس طرح سات دنوں میں پچاس پینل پچاس حلقوں کا سروے مکمل کر لیں گے۔ اسی حساب سے کم وبیش 200 حلقوں کا سروے تقریباً 4 ہفتوں یا زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں مکمل

Marfat.com

ہو جائے گا۔ سروے مکمل ہونے کے تقریباً 7 دن کے اندر اندر الیکشن کمیشن ہر حلقہ کی فہرست میں شامل کردہ افراد کو متعلقہ حلقہ میں ہی کسی ایک جگہ پر برائے مشورہ طلب کرے۔ ضروری نہیں کہ ایسے تمام اجتماعات پورے ملک میں ایک ہی دن منعقد ہوں لیکن اگر ہوں بھی تو کوئی حرج نہیں۔

مشورے کے اغراض و مقاصد بتانے کے بعد آنے والے افراد میں سے ہر ایک کو 100 افراد والی تیار کردہ فہرست کی ایک کاپی مہیا کی جائے اور اسے فہرست میں دیئے گئے افراد میں سے زیادہ سے زیادہ دس افراد کو' جن کو کہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ قرآنی معیارِ اہلیت پر بدرجۂ اتم پورے اترتے ہیں خفیہ طور پر ٹک کرنے کو کہا جائے۔ جو فرد اپنے نام کو بھی ٹک کرے اس کے مشورے کو نہ صرف مسترد کیا جائے بلکہ اسے کسی بھی عہدے کے لئے نااہل قرار دیا جائے۔ اس طرح سے جو شخصیت سب سے زیادہ ٹک ہوا سے مرکزی شوریٰ کا رکن ہونے کی سعادت ہو۔ دوسرے اور تیسرے نمبر پر ٹک ہونے والے افراد صوبائی شوریٰ کے ارکان گردانے جائیں۔ اگر یوں منتخب کوئی رکن معذرت کرلے تو پھر چوتھے' پانچویں وغیرہ نمبر پر ٹک شدہ افراد میں سے مطلوبہ رکن لیا جائے۔

سربراہِ حکومت کا چناؤ مرکزی شوریٰ کے ارکان آپس میں اسی طرح بغیر کسی رکن شوریٰ کے امیدوار کھڑا ہونے کے خفیہ رائے دہی سے کریں۔ صوبائی سربراہانِ حکومت کا چناؤ صوبائی شورائیں کریں۔ وفاقی وزراء کا چناؤ سربراہِ حکومت اور صوبائی وزراء کا انتخاب متعلقہ صوبائی سربراہِ حکومت کی صوابدید پر ہو۔ ملکی سطح پر ایسے انتخابات پوری تاریخ میں صرف ایک ہی دفعہ ہوں۔ کسی رکن شوریٰ کی سیٹ خالی ہونے کی صورت میں صرف متعلقہ حلقہ میں دوبارہ سروے کر کے مطلوبہ رکن کا انتخاب کیا جائے۔

ہمارا تجویز کردہ یہ طرزِ انتخاب گو جملہ اسلامی تقاضوں کو پورا کرتا ہے' حرفِ آخر نہیں۔ عمل کی دنیا میں کہیں ردوبدل ناگزیر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ طرزِ انتخاب نہ صرف سستا' مختصر وقت میں اور معمولی عملہ سے مکمل ہونے والا ہے بلکہ گروہی و جماعتی محاذ آرائیوں اور برادریوں کی مخاصمتوں سے بھی قطعی پاک ہے۔ پھر اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ملکی سطح پر صرف ایک ہی دفعہ درکار ہے' پھر کبھی نہیں۔ اس کا یہ بھی طرۂ امتیاز ہے کہ ووٹر کی محتاجی کا کوئی سوال نہیں' دور دراز کا ایک غریب دیہاتی محض ذاتی اہلیت کی بناء پر عوامی نمائندہ اور حکمران منتخب ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

نظامِ خلافت ہی کیوں؟

Marfat.com

نشانِ راہ جو دکھاتے تھے ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے

Marfat.com

نظامِ خلافت ہی کیوں؟

نظامِ خلافت اس لیے کہ:

ا۔ نظامِ خلافت قائم کئے بغیر مقصدِ تخلیقِ آدم پورا نہیں ہوتا

قانون کی نوعیت فیصلہ کن امر ہے کہ قائم ہونے والی حکومت' اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے یا طاغوت کی۔ اگر نظامِ زندگی فردِ واحد کے تیار کردہ قانون پر مبنی ہو تو مروجہ اصطلاح میں اسے آمریت کہتے ہیں۔ اگر کسی طبقے یا جماعت کے تیار کردہ قانون پر مبنی ہو تو اسے اشتراکیت کا نام دیا جاتا ہے اور اگر عوام یعنی جمہور کے تیار کردہ قانون پر مبنی ہو تو اسے جمہوریت کہتے ہیں۔ یہ تمام طاغوتی نظام ہیں اس لئے کہ وہ بندوں کی خواہشات پر مبنی نظام ہیں اور ضروری نہیں کہ بندوں کی خواہشات وہی ہوں جو اللہ تعالیٰ کی۔ ان طاغوتی نظاموں کے برعکس اگر نظام اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قانون پر مبنی ہو تو اسلام کی اصطلاح میں یہی "خلافت" ہے۔ پوری کائنات پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے لیکن کرۂ ارض پر اللہ تعالیٰ کی حکومت کو اس لئے "خلافت" کا نام دیا گیا ہے کہ یہ ہوتی تو باقی کائنات کی طرح اللہ تعالیٰ کے قانون ہی کی حکومت لیکن اللہ ہی کے فیصلے کے مطابق یہ قائم انسانوں کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ انسانوں کے پاس اللہ پاک کے ہی عطا کردہ صوابدیدی اختیارات (Discretional Powers) ہونے کی بنا پر البتہ یہ منحصر انسانوں پر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین نافذ کر کے خلافت قائم کرتے ہیں یا خود ساختہ قوانین نافذ کر کے جمہوریت و اشتراکیت جیسے باغیانہ نظام قائم کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آج کی دنیا میں نظامِ خلافت کہیں قائم نہیں' مسلم دنیا ہو کہ غیر مسلم ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کو پسِ پشت ڈال کر انسان ساختہ قوانین کی حکومتیں قائم ہیں۔ زمین پر حقِ حکمرانی صرف اس خلیفۃ المسلمین کو حاصل ہے بیعت لیتے وقت جس کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ دنیا میں اس وقت کوئی 200 حکمران موجود ہیں جنہوں نے اصل میں

Marfat.com

خلیفۃ المسلمین کے حق حکمرانی کو چھینا ہوا ہے۔ بتانا یہ کس نے تھا؟ ظاہر ہے علماءِ کرام نے۔

۲۔ اسوۂ رسول ﷺ قیامِ خلافت ہے

رسول اللہ ﷺ جب دنیا میں تشریف لائے تو جزیرۂ عرب میں دورِ جہالت تھا اور جب دنیا سے تشریف لے گئے تو وہاں پر دورِ خلافت تھا۔ دورِ نبوت کے ایک طرف دورِ جہالت تو دوسری طرف دورِ خلافت، دورِ نبوت میں جو کام کیا گیا، ظاہر ہے اس کا ہدف یہی تھا کہ دورِ جہالت کو دورِ خلافت میں بدل دیا۔ آج ہمارے ہاں نظامِ خلافت کا نہ ہونا اسوۂ رسول ﷺ کی نفی ہے۔ آج ہمیں دینِ حق کی وہ برکات حاصل نہیں ہو رہیں جو دورِ خلافتِ راشدہ کے مسلمانوں کو حاصل تھیں تو اس لئے کہ انسانیت پھر دورِ جہالت میں ہے۔ فطری امر ہے دورِ خلافت نہ ہو تو دورِ جہالت کا ہونا لازمی ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی اسی میں ہے کہ دورِ جہالت کو پھر دورِ خلافت میں بدل دیا جائے۔ حرا وثور کی ریاضتیں، نماز و روزہ کی عبادتیں، بدر و حنین کی کاوشیں اور حبشہ و مدینہ کی ہجرتیں سب ذرائع تھے، منزل تھی تو قیامِ خلافت۔ یہ بتانا کس کا فرضِ منصبی ہے؟ ظاہر ہے ورثاءِ انبیاءؑ کا۔

۳۔ نفاذِ خلافت کا نہ ہونا نفاذِ شریعت کا نہ ہونا ہے

قرآن وسنت کے احکامات اگر قرآنِ مجید اور کتبِ احادیث میں لکھے رہ جائیں تو محض ایک نظریہ یا تھیوری قرار پاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ انہیں اسلامی نظریے سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ یہی احکامات البتہ جب کسی خطۂ زمین میں نافذ کر دیئے جائیں تو یہی خلافت ہے۔ بالفاظِ دیگر نفاذِ شریعت کا دوسرا نام نظامِ خلافت ہے۔ اسلامی نظریے کا نظامِ خلافت کے ساتھ وہی تعلق ہے جیسا ایمان کا اعمالِ صالحہ کے ساتھ۔ قرآن وسنت ایمان اور اعمالِ صالحہ کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایمان ناقابلِ قبول ہے جس کے ساتھ اعمالِ صالحہ نہ ہوں۔ اسی طرح اعمالِ صالحہ، اعمالِ صالحہ قرار ہی نہیں پاتے اگر ایمان کے بغیر ہوں۔ خلافت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ زندگی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی قرآن وسنت پر مبنی ہو۔ نیز انفرادی زندگی خواہ کتنی ہی صالح ہو نظامِ خلافت کے بغیر محض مجبوریوں کا گورکھ دھندا بن کر رہ جاتی ہے۔ یعنی اجتماعی نظام میں

Marfat.com

اگر سود ہو، فحاشی و بے حیائی ہو، رشوت و بدعنوانی ہو، اغیار سے دب کر رہنا وغیرہ ہو تو لاکھ کوشش کرے مسلمان پورے کا پورا اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ شریعت کا کلی نفاذ صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ نظامِ خلافت کا دور دورہ ہو۔ نظامِ خلافت کے بغیر محض نماز روزے وغیرہ کا اہتمام کر کے کوئی یہ سمجھے کہ وہ اسلامی زندگی گزار رہا ہے تو زیرِ آسماں اس سے بڑی بھول بلکہ بڑی گمراہی اور کوئی نہیں۔ بتانا یہ کس نے تھا؟ ظاہر ہے علماءِ کرام نے جو 'سوختہ بختی' کما حقہ وہ نہ کر پائے۔

۴۔ نظامِ خلافت کے بغیر رہنے والے مسلمان' مومن تو کیا کافر' ظالم اور فاسق قرار پاتے ہیں

مومن ہونے کے لئے ایک بڑی شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تنازعات کے فیصلے وہ رسول ﷺ کے لائے ہوئے قانون یعنی قرآن و سنت کے مطابق کریں۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''نہیں' اے محمد ﷺ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں' پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں' بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں'' (نساء: 65)۔

ہمارے ہاں نظامِ خلافت ہوتا تو لازماً صورتِ حال وہی ہوتی کہ جس کا اس آیتِ مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے۔ عدم نظامِ خلافت کی وجہ سے صورتِ حال بالکل برعکس ہوگئی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ہماری عدالتوں میں زیادہ تر فیصلے قرآن و سنت کو پسِ پشت ڈال کر ان قوانین کے مطابق ہوتے ہیں کہ جو انگریز جاتے ہوئے ہمارے لئے پیچھے چھوڑ گیا تھا بلکہ ہم نے پاکستان میں اور اسی طرح دوسرے اسلامی ممالک میں ایسے خود ساختہ آئین اختیار کر رکھے ہیں جو قرآن و سنت کی ضد ہیں۔ مومن تو کیا' قرآن و سنت سے منہ موڑ کر ہم آج کے مسلمان کافر' ظالم اور فاسق قرار پاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو قرآن:

۱۔ ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں' وہی کافر ہیں'' (مائدہ: 44)

۲۔ ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں'' (مائدہ: 45)

۳۔ ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں'' (مائدہ: 47)

Marfat.com

ہمارے بحیثیت مجموعی مومن نہ ہونے کا ثبوت بھی ہمارے سامنے ہے۔ مومن ہوتے تو دنیا میں غالب بھی ہم مسلمان ہوتے۔ آج مغلوب ہیں تو اس لئے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی طے کردہ مومن ہونے کی شرط کو پورا نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو قرآن:

"دل شکستہ نہ کرو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہوئے" (آلِ عمران: 139)

یہ بتانا کس کا فرضِ منصبی تھا؟ ظاہر ہے ورثاءِ انبیاءؑ کا جو 'شومیٔ قسمت' کماحقہ وہ نہ کر پائے۔

۵۔ نظامِ خلافت کے بغیر قیامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ اور فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی کماحقہ ادائیگی ناممکن

قرآنِ کریم میں آیا:

"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجامِ کار اللہ کے ہاتھ میں ہے" (حج: 41)۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صریحاً مشروط کر دیا ادائیگی نماز و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اقتدار کے ساتھ اور پھر اقتدار کو مشروط کر دیا ایک اور جگہ پر قیامِ خلافت کے ساتھ۔ (نور: 55)

یاد رہے اسلام کا مطالبہ نماز پڑھنے کا نہیں، نماز قائم کرنے کا ہے۔ قیامِ صلوٰۃ کیلئے ایک شرط، جیسے کہ خلافتِ راشدہ میں پوری کی گئی، خلیفۂ وقت کا دارالخلافہ کی مرکزی مسجد، گورنر کا صوبے کی مرکزی مسجد اور اس طرح ہر انتظامی یونٹ کی مرکزی مسجد میں وہاں کے اعلیٰ ترین عہدے دار کا امامت و خلافت کے فرائض ادا کرنا ہے۔ اسلام سائلوں کو حکمرانوں کے دروازے کھٹکھٹانے کی زحمت نہیں دیتا، حکمرانوں کو کم از کم پانچ دفعہ عوام میں لاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں قیامِ صلوٰۃ کا فرض تبھی پورا ہوتا ہے کہ نظامِ خلافت کا دور دورہ ہو اور خلیفۃ المسلمین کا وجود ہو۔ نظامِ زکوٰۃ کیلئے بھی نظامِ بیت المال کا ہونا ضروری ہے اور نظامِ بیت المال تبھی موجود ہو سکتا ہے کہ نظامِ خلافت موجود

Marfat.com

ہو۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی جیسے کے ''امر'' اور ''نہی'' کے الفاظ سے ظاہر ہے' کما حقہ' تبھی ادا ہو سکتا ہے کہ امتِ مسلمہ دنیا میں بطور غالب قوت موجود ہو لیکن نظامِ خلافت کے بغیر جیسے کہ اوپر ذکر ہوا مسلمانوں کے غلبے کا کوئی سوال نہیں۔علماءِ کرام ہی نے تو یہ بتانا تھا۔

۶۔نظامِ خلافت کے بغیر نہ غلبہ' دینِ حق' نہ امن' نہ عبادت' نہ شرک سے بچاؤ

قرآنِ مجید میں آیا:

''اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلافت سے نوازے گا جس طرح کہ ان سے پہلے لوگوں کو نواز چکا ہے۔ان کے لئے اس دین کو غالب کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے۔ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا' بس وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں''(نور:55)۔

اس آیہ کریمہ میں جسے نام ہی ''آیہ استخلاف'' کا دیا گیا ہے نظامِ معاملات کی ترتیب یہ بیان کی گئی ہے کہ پہلے خلافت' پھر غلبہ' دین' پھر امن' پھر عبادت اور آخر میں شرک سے بچاؤ۔ جس طرح نماز کیلئے پہلے وضو کا ہونا ضروری ہے اسی طرح مسلمانوں کے دنیا میں بطور قوت غالب ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ ان کے ہاں نظامِ خلافت ہو۔پھر وہ صورتِ حال کہ مسلمانوں کے ہاں امن کا دور دورہ ہو تبھی معرضِ وجود میں آسکتی ہے کہ دنیا میں ان کے پائے کی کوئی دوسری طاقت نہ ہو یعنی غلبہ انہی کا ہو۔غلبہ' دین ہوگا تو وہ صورتِ حال ہوگی کہ مسلمانوں کے قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے میں کوئی طاغوت حائل نہیں ہو سکے گا یا دوسرے لفظوں میں مسلمان اپنے رب کے احکامات یا اس کی عبادت کا حق کما حقہ ادا کر سکیں گے۔بغیر کسی طاغوت کی مخالفت ومزاحمت کے عبادت کا حق ادا ہوگا تو ظاہر ہے شرک کا پھر کیا سوال۔روزِ روشن کی طرح عیاں کہ نظامِ خلافت نہ ہو تو نہ غلبہ' دینِ حق' نہ صورتِ امن' نہ بغیر شرک اللہ تعالیٰ کی عبادت۔یہ بتانا کس کا فرضِ منصبی ہے؟ ظاہر ہے ورثاءِ انبیاءؑ کا جو' سوختہ بختی' کما حقہ وہ نہ کر پائے۔

Marfat.com

۷۔ نظامِ خلافت کے بغیر نظامِ اطاعت درہم برہم

قرآنی دستورِ حیات کی اولیں شق یوں ہے:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو صاحبِ امر ہوں' پھر تمہارے درمیان اگر کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ و رسول ﷺ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی یہی بہتر ہے" (نساء: 59)۔

اس آیۂ کریمہ میں جسے مفسرین نے آیتِ اولوالامر کا نام دیا ہے' اسلام کے نظامِ اطاعت کو بیان کیا گیا ہے۔ اطاعت کے اس نظام میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو ظاہر ہے مقصود بذات ہے۔ اسلامی طرزِ زندگی میں اصل مطاع اللہ تعالیٰ ہے۔ دوسری اطاعتیں صرف اسی صورت میں قابلِ قبول ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مدمقابل نہ ہوں۔ ہر اس حلقۂ اطاعت کا انکار لازمی ہے جو اس اصلی اور بنیادی اطاعت کی حریف ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا واحد ذریعہ چونکہ رسول ﷺ کی اطاعت ہے اس لئے اللہ پاک کو کوئی ایسی اطاعت قابلِ قبول نہیں جو رسول ﷺ کی اطاعت کے ذریعہ سے نہ ہو۔ قرآنِ مجید میں آیا:

"اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ "اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے"۔ ان سے کہو "اطاعت کرو اللہ اور رسولؐ کی"۔ اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو اللہ تعالیٰ ایسے نافرماؤں سے محبت کرنے والا نہیں" (آلِ عمران: 31-32)۔

پھر وقت کے کسی بھی موڑ پر چونکہ نظام کو چلانا تو وقت کے صاحبِ امر لوگوں (اولوالامر) نے ہوتا ہے لہٰذا اولوالامر کی اطاعت کو' مشروط سہی' لازم قرار دیا گیا ہے۔ اولوالامر میں ہوتے تو گورنر' وزراء' ارکانِ شوریٰ' ارکانِ عدلیہ' اداروں کے سربراہان وغیرہ سب ہیں لیکن وہ شرعی اولوالامر قرار پاتے ہیں تو اس وقت کہ جب خلیفۂ وقت کو ان میں مرکزی حیثیت حاصل ہو یا

Marfat.com

دوسرے لفظوں میں نظامِ خلافت موجود ہو۔ شومیٔ قسمت ہمارے ہاں صدیوں سے خلیفہ و خلافت کا وجود نہ ہونے کی وجہ سے قرآن کا بیان کردہ نظامِ اطاعت درہم برہم ہے۔ جب وہ ادارہ جس نے کتاب و سنت کا قانون نافذ کرنا ہے' خود موجود نہیں تو اسلامی نظام ہمارے ہاں آٹپکے تو کیسے؟ بتانا یہ کس نے تھا؟ ظاہر ہے ورثاءِ انبیاءؑ نے جو 'شومیٔ قسمت' کما حقہ وہ نہ کر پائے۔

۸۔ نظامِ خلافت کے بغیر اتحادِ مسلم ناممکن

نظامِ خلافت' اتحاد اور اتحاد کے ذریعہ طاقت کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ ظاہر ہے پوری اسلامی دنیا کے ذرائع و وسائل کا اس خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ میں مجتمع ہونا کہ جس کی اطاعت اللہ و رسولؐ کی اطاعت کے بعد اور تحت لازمی' اتحاد کی اس سے اعلیٰ ترین صورت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی یہ خصوصی عطا کہ نظامِ خلافت کی شکل میں جو نظامِ زندگی انہیں دیا گیا وہ ہے ہی فطری اتحاد کی اعلیٰ ترین صورت۔ نظامِ خلافت کے بغیر دوسرا کوئی ایسا بندوبست و طریق کار (Mechanism) نہیں کہ جو دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل احکامات پر صرف ایک ہی شکل میں کما حقہ عمل ہو سکتا ہے کہ دنیا میں نظامِ خلافت موجود ہو!

ا۔ "(اے لوگو جو ایمان لائے ہو) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ میں نہ پڑو" (آلِ عمران:103)۔

۲۔ "جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر تم (اے مسلمانو) ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو گا" (انفال:73) (بحر و بر میں آج یہ فتنہ و بڑا فساد پیدا ہو چکا ہے)۔

۳۔ "مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو (ایسا کرو گے تو) اللہ متقیوں ہی کے ساتھ ہے" (توبہ:36)۔ بتانا یہ کس نے تھا؟ ظاہر ہے علماءِ کرام نے جو 'سوختہ بختی' کما حقہ وہ نہ کر پائے۔

Marfat.com

۹۔ نظامِ خلافت نہ ہو تو اجتہاد کے دروازے بند

دورِ نبوت یا دورِ نزولِ وحی کا اختتام ہوا ہی تو اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے ذیلی قوانین سازی کا ایک متبادل نظام عطا فرما دیا۔ قانون سازی تو ظاہر ہے صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے' ان الحکم الا للہ' البتہ قیامت تک پیدا ہونے والی کسی بھی نئی صورتِ حال کے لئے ذیلی قانون سازی' جسے اجتہاد کا نام دیا گیا کی اجازت دی گئی۔ قرآنِ مجید کی شکل میں اصولی' حتمی اور آخری قانون کی تنزیل کا اختتام کرتے ہوئے اعلان فرمایا:

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے شرفِ قبولیت بخشا ہے......'' (مائدہ:3)۔

قانون کی تنزیل کے اختتام کا یوں اعلان کرنے سے پہلے ہی ایک وقت پر ذیلی اور وقتی قانون سازی کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ''امرھم شوریٰ بینھم'' یعنی شوریٰ کے ادارے کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم دیا۔ شوریٰ (اسلامی پارلیمنٹ) کا اسلام میں صرف ایک ہی کام ہے کہ وہ ہر نئی پیدا ہونے والی صورتِ حال یعنی ایسی صورتِ حال کہ جس کے متعلق قرآن وسنت میں کوئی نص نہ ملے قرآن وسنت کی روشنی میں ذیلی قانون سازی کر کے خلیفۂ وقت کو مشورہ دے۔ مثال کے طور پر اصولی قانون تو قرآن میں بیان کر دیا گیا کہ اولوالامر مسلمانوں میں سے ہی ہوں لیکن وقت کے کسی بھی موڑ پر انتظامی مصلحتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہ کتنے گورنر ہوں شوریٰ کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا۔ یہی ذیلی قانون سازی اجتہاد ہے۔ بالفاظِ دیگر ارکانِ شوریٰ مجتہدین کی وہ خصوصی جماعت ہے کہ جس کا ایک طرف قرآن وسنت پر اور دوسری طرف حالاتِ حاضرہ پر پورا عبور ہونا ضروری ہے۔ شوریٰ نے چونکہ خلیفۂ وقت کو مشورہ دینا ہوتا ہے بلکہ خلیفۂ وقت شوریٰ کا ہی حصہ ہوتا ہے' اس لئے شوریٰ کا ادارہ معرضِ وجود میں اس وقت تک آ ہی نہیں سکتا جب تک کہ خلیفۃ المسلمین یا بالفاظِ دیگر نظامِ خلافت موجود نہ ہو۔ ہمارے ہاں صدیوں سے اجتہاد کے دروازے بند ہیں اس لئے کہ نظامِ خلافت نہ ہونے کی بنا پر خود شوریٰ کا وجود ناپید ہے۔ بتانا یہ کس کا فرضِ منصبی ہے؟ ظاہر ہے ورثاءِ انبیاء کا۔

Marfat.com

۱۰۔ نظامِ خلافت کے بغیر جہاد بالسیف ناممکن

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''امام ڈھال ہے جس کے پیچھے لڑتے ہیں مسلمان اور بچتے ہیں مسائل و مشکلات سے......'' (مسلم۔ کتاب الامارت)

بنا بریں دورِ خلافتِ راشدہ میں کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ مسلمانوں نے خلیفۃ المسلمین کی اجازت و ایماء کے بغیر جہاد بالسیف کیا ہو۔ ''ڈھال'' کا لفظ اس وقت استعمال کیا گیا کہ جب مجاہد کے ایک ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی تو دوسرے میں ڈھال۔ جب بھی اس پر تلواروں کی بارش ہوتی تو ڈھال اس کے دفاع کا کام کرتی۔ خلیفۃ المسلمین کے وجود کو نبی کائنات ﷺ نے ڈھال قرار دیا تو اس لئے کہ نہ صرف جہاد بالسیف صرف اسی کے ایماء و اجازت سے ہو بلکہ اس لئے بھی کہ ایسا جہاد ریاست سے ریاست کی سطح پر ہو نہ کہ بکھرے اوراق کی طرح اَن گنت جتھوں اور لشکروں کی شکل میں۔ خلیفۃ المسلمین کی کمی اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ مبارک سے انحراف کی شدت کو حال ہی میں اس وقت محسوس کیا گیا جب افغانستان میں روس کو شکست فاش تو ہوگئی لیکن بعد میں جہادی گروہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے حتیٰ کہ ایک دوسری سپر پاور نے انہیں آ دبوچا۔ صرف ایک دو سپر پاورز کی یلغار تو کیا دنیا بھر کے کفار و مشرکین آج امتِ مسلمہ پر ٹوٹ پڑے ہیں تو یہ جانتے ہوئے کہ مسلمانوں کے پاس خلیفۃ المسلمین بطور ڈھال موجود نہیں۔ کسی گھر کا سربراہ چل بسے تو نزدیک و دور کے رشتہ دار اور پڑوسی جو کبھی سربراہ کی موجودگی میں اس کے خانہ اور اہلِ خانہ سے بڑی محبت کا دم بھرتے تھے نہ صرف آنکھیں پھیر لیتے ہیں بلکہ کوئی ان پسماندگان کی گائے کو لے اڑتا ہے' کوئی ان کے پلاٹ پر قبضہ کرنے کے درپے ہو جاتا ہے تو کوئی ان کو مکان ہی سے محروم کرنے میں لگ جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اس لئے کہ ہر غاصب جانتا ہوتا ہے کہ ایسے گھر والے اپنی ڈھال سے تہی دست ہیں۔ آج دنیا بھر کے کفار و مشرکین اسلامی دنیا میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں تو اسی لئے کہ جانتے ہیں کہ امتِ مسلمہ اپنی ڈھال یعنی خلیفۃ المسلمین کے

Marfat.com

وجود سے محروم ہیں۔ بتانا یہ کس نے تھا؟ ظاہر ہے علماءِ کرام نے جو ’سوختہ بختی‘ کما حقہ وہ نہ کر پائے۔

نظامِ خلافت کے یہ چند موٹے موٹے جواز پیش کیے گئے ورنہ اصل بات یہ ہے کہ نظامِ خلافت کے بغیر دین نہ اسلام‘ عزت نہ آبرو‘ نجات نہ مغفرت۔ ہم اتنے بودے ہو گئے کہ یہ تک نہیں سمجھ رہے کہ رسول اللہ ﷺ جو دینِ حق امت کے سپرد کر کے گئے تھے اس میں خلیفۃ المسلمین کا وجود تھا‘ اولوالامر تھے‘ شوریٰ تھے جب کہ آج ہمارے اختیار کردہ دین میں ان بنیادی دینی اجزاء میں سے کوئی بھی نہیں۔ بطور ورثاءِ انبیاءؑ ان حقائق سے امتِ مسلمہ کو آگاہ رکھنا علماءِ کرام کا فرضِ منصبی تھا لیکن وہ خود بھٹک گئے تو اس حد تک کہ منبر و محراب یوں جیسے اقامتِ دین کے کام سے لاتعلق ہو گئے۔ مسلمان آج کی دنیا میں ذلت و رسوائی اور زوال و پستی سے دوچار ہیں تو اسی وجہ سے لیکن علماءِ کرام کی بلا کو‘ بھول گئے یہ محترم بھائی کہ مالکِ کون و مکان کی گرفت بڑی شدید ہے۔

مزید برآں

منبر و محراب سے اکثر تعبیر و تفسیر کی جانے والی وہ آیۂ کریمہ ہے جس میں فرمایا گیا کہ ”درحقیقت تم لوگوں کیلئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے......“ اسوۂ رسول ﷺ سے ادھر ادھر ہونا انسانی خواہشات کی پیروی اور انتہائی خسارے کا سودا ہے۔ اسی وجہ سے علماء کرام کا زوردار مؤقف ہوتا ہے کہ کسی بھی عمل کو اسی طرح کیا جائے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ رفع یدین‘ آمین بالجہر وغیرہ پر لمبی چوڑی بحثیں اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ البتہ ان فروعی مسائل نے ہمیں اس قدر الجھا رکھا ہے کہ ہم یہ تک ادراک نہیں کر پائے کہ جس دین کو اسلام سمجھ کر ہم آج اختیار کیے ہوئے ہیں یہ وہ اسلام ہی نہیں جو رسول اللہ ﷺ امت کے سپرد کر گئے تھے۔ سپرد کیے جانے والے دین میں خلیفۃ المسلمین کا وجود تھا‘ آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں۔ اور اس وقت سے نہیں جب سے خلافتِ راشدہ کی جگہ ملوکیت نے ڈیرے آجمائے۔ اسی طرح سپرد کردہ دین میں اولوالامر کا وجود تھا‘ آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں اس لئے کہ شرعی اولوالامر میں خلیفۂ وقت کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے لیکن آج خلیفہ خود نہیں۔ سپرد کردہ دین میں شوریٰ کا وجود تھا ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں اس لئے کہ جس

Marfat.com

خلیفۃ المسلمین کو ارکانِ شوریٰ نے مشورہ دینا ہوتا ہے وہ خود کہیں نہیں۔ زیرِ آسماں تو آج امتِ مسلمہ تک کا وجود بھی نہیں۔ مرکزیت خلیفۃ المسلمین کی وجہ سے ہی تو تھی۔ جب خلیفۃ المسلمین نہ رہا امت، مسلم اقوام کا روپ دھار گئی جو اکثر و بیشتر باہم متصادم رہتی ہیں۔ جسدِ واحد کی مانند کا ادارہ آج دنیا میں کہیں نہیں۔

دینِ اسلام میں خلیفۃ المسلمین، اولوالامر، شوریٰ اور امتِ مسلمہ کی حیثیت و اہمیت ایسے ہی ہے جیسے انسانی جسم میں دل، دماغ، معدہ اور جگر کی۔ انسانی جسم کے ان چار اعضائے رئیسہ میں سے کوئی ایک بھی جواب دے جائے تو موت لازمی ہے۔ اسی طرح دین سے خلیفۃ المسلمین، اولوالامر، شوریٰ اور امتِ مسلمہ میں سے کوئی ایک جزو نکال دیا جائے تو دین، دینِ حق رہتا ہی نہیں۔ شومئی قسمت ایک جزو کی کیا بات جس دین کو آج ہم اپنائے ہوئے ہیں اس میں مذکورہ چاروں اجزاء نہیں۔ امتِ مسلمہ آج جن گھمبیر مسائل سے دوچار ہے، وہ اصل میں مسائل نہیں، نتائج ہیں۔ مسئلہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہمارا اختیار کردہ اسلام اس دین سے میچ ہی نہیں کرتا جو رسول اللہ ﷺ امت کے حوالے کر گئے تھے۔ یہ بھی ایک حقیقت کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا کوئی اسلام قبول نہیں جو رسول اللہ ﷺ کے اسلام سے میچ نہ کرے۔ بالفاظِ دیگر جس دینِ اسلام کو بزعمِ خویش اسلام سمجھ کر آج ہم اختیار کئے ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو نا قابلِ قبول اور بے دینی کی ایک شکل ہے۔ حل اس کا وہی ہے جو ایک وقت پر بھٹکی بسری انسانیت کے جملہ مسائل کو حل کرنے کے لئے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی راہنمائی میں کیا...... نظامِ خلافت کو اس دھرتی پر پھر رواں دواں کیا جائے۔

نظامِ خلافت کو پھر اس دھرتی کا مقدر بنانے کیلئے انہی راہوں سے گزرنا ہوگا جن راہوں سے نبی کائنات ﷺ اور ان کے ساتھیؓ گزرے۔ ایک لیڈر کی قیادت میں تحریک برپا کرنا ہوگی۔ غیر اللہ کے قوانین پر مبنی نظام ہائے جمہوریت، اشتراکیت، آمریت وغیرہ کو اللہ و رسول ﷺ کے عطا کردہ قوانین پر مبنی نظامِ خلافت میں بدلنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگانا ہوگی۔ یہی راستہ ہے نصرتِ ایزدی کمانے کا۔ نصرتِ ایزدی شاملِ حال ہوگی تو پھر ہی نوید فتح و کامیابی۔

بے خبر تو جوہرِ آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

Marfat.com

فرائضِ منصبی جو مسلمانوں سے ادا نہیں ہو رہے

Marfat.com

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہیں زیرِ دام آیا

Marfat.com

فرائضِ منصبی جو مسلمانوں سے ادا نہیں ہو رہے

دورِ نبوت میں تشکیل پانے والی اور دورِ خلافتِ راشدہ میں مستحکم ہونے والی امتِ مسلمہ آج دنیا میں مغلوبیت اور بنا بریں ذلت و رسوائی سے دوچار ہے۔ یہ وہی امت ہے جو مکہ و مدینہ کی وادیوں سے نکلی تو معلوم دنیا کے ایک وافر حصے پر چھا گئی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ جسے قرآن مجید میں خیرِ امت اور امتِ وسط کے عظیم القابات سے نوازا گیا ہے آج اقوامِ عالم میں ایسی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہے جیسے کسی گھر میں نچلے ملازم کی حیثیت ہوتی ہے تو کیوں؟ آخر کونسی بھیانک خطا ہوئی اس سے کہ آسماں نے اسے زمیں پر دے مارا اور آج یہ امت بسرعت بلندیوں سے پستیوں کی طرف لڑھکتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بڑا غفور و رحیم ہے، چھوٹی موٹی خطاؤں کو معاف کرنے والا ہے۔ آج مسلمانوں سے ناراض ہے تو بنا بریں دنیا میں ارزانی ہے تو خونِ مسلم کی اور ویرانی ہے تو عصمتِ مسلم کی۔

خطا ہوئی ہے اور یقیناً بڑی بھیانک خطا ہوئی ہے۔ دورِ خلافتِ راشدہ بڑی آن شان سے رواں دواں تھا کہ ایک وقت پر ملوک آ دھمکے۔ یہ ایک ہمالہ قد تبدیلی اور قرآن و سنت سے صریحاً انحراف تھا۔ اس انحراف کی ابتدا ہوئی تو اس طرح کہ پہلے بیعت کے ذریعے حکومت کا انعقاد ہوتا تھا پھر حکومت کے بل بوتے پر بیعت ہونے لگی۔ بڑی شدید مزاحمت ہوئی اس تبدیلی کی اس لیے کہ بہت سے صحابہؓ بھی با حیات تھے۔ سانحہ کربلا بھی اسی سلسلے کی کڑی تھا۔ جتنی بڑی تبدیلی تھی اتنی ہی بڑی قربانی دینی پڑی۔ طاقت پھر طاقت ہوتی ہے آہستہ آہستہ اس مزاحمت کو سر کر لیا گیا۔ قرآن و سنت سے انحراف در انحراف ہوتا گیا تو اس قدر کہ پہلے تو ملوکیت معرضِ وجود میں آئی، پھر ملوکیتیں، پھر طوائف الملوکی، پھر دورِ غلامی! اور آج غیر مسلموں کی ریت کرتے ہوئے انسان ساختہ نظام...... نظامِ جمہوریت مسلمانوں کا مقدر ہے۔ یعنی وہ نظامِ زندگی جو غیر مسلم ممالک میں جاری و

Marfat.com

ساری ہے' مسلمانوں کے ہاں بھی رواں دواں ہے۔ انسان ساختہ نظام سب برائیوں کی جڑ ہوتا ہے اور اسلام ایسے ہی نظاموں کا قلع قمع کرنے کیلئے وارد ہوا تھا۔ مسلمانوں کی زوال و پستی کو اگر چند الفاظ میں بیان کیا جائے تو بس یہی کہ ''قرآن و سنت سے دوری''۔ اس دوری کی وجہ سے مسلمان بھول ہی گئے کہ بطور امتِ مسلمہ ان کے فرائضِ منصبی کیا ہیں اور کیا وہ ادا ہو بھی رہے ہیں یا نہیں؟ ہم ذیل میں ایسے چند فرائضِ منصبی کا ذکر کرتے ہیں کہ جو نہ صُرف مسلمانوں سے ادا نہیں ہو رہے بلکہ واقعات کی دنیا میں ایسا کہ جیسے ذہنوں سے ان کی فرضیت ہی نکل گئی' منبر و محراب تک اس بارے میں یوں جیسے بے تعلق۔ ملاحظہ ہوں:

1- قرآن و سنت کا کما حقہ نفاذ

2- فریضۂ شہادت علی الناس

3- فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

قدرے تفصیل سے بات کرتے ہیں۔

1- قرآن و سنت کا نفاذ

امن' عدل' خوشحالی و فارغ البالی' اتحاد' دنیا میں بطور غالب قوت ہونا وہ ہدف ہے جو ہر پیغمبرؑ نے ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کی۔ دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر وہ درس و تدریس' ہر وہ وعظ و نصیحت' ہر وہ تبلیغ و دعوت' ہر وہ اصلاحی کوشش اور ہر وہ عہدہ وغیرہ جس کا ہدف مقتدر ہو کر اللہ کے دین کی سربلندی نہ ہو غیر مسنون ہے۔ کلی طور پر اس ہدف کو حاصل کرنے میں اگر کوئی پیغمبرؑ نہ بھی کامیاب ہو بلکہ الٹا خود جان کی بازی ہار گیا تو وہ اور اس کے ساتھی کامیاب قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبرؑ کو ناکام قرار نہیں دیا۔ حقیقت میں اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے جو اسے اس لیے حاصل ہوئی کہ اس نے تن من دھن لگا کر ''جاھدو فی اللہ حق'' کا حق ادا کر دیا۔ لاریب' پیغمبر آخر الزماں ﷺ اور ان کی امت کی کامیابی کے ڈنکے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی بج گئے یعنی جزیرۃ العرب کی حد تک دو ادیان کا وجود نہ رہا اور مشرکین اور مشرکانہ

Marfat.com

نظام کو ملیامیٹ کر دیا گیا۔ اہلِ دنیا جوق در جوق دین اللہ میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے خود مسلمانوں کی نصرت وفتح کا اعلان فرما دیا (سورۃ النصر)۔

یہ فتح کی نوید ونوبت کیسے آئی؟ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ان مصائب ومشکلات اور اذیتوں کا ثمر تھا جو مسلمانوں نے راہِ خدا میں انگیز اور برداشت کیں۔ کچھ اور لوگوں نے اس فتح کو جہاد' ہجرت' غزوات وسرایا وغیرہ سے منسوب کیا ہے۔ یہ دونوں آراء درست ہیں لیکن ایک بڑی شرط کے ساتھ۔ شرط یہ ہے کہ اصل کام جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے ہاتھوں ہوا وہ یک نکاتی تھا اور وہ یہ کہ قرآنِ مجید جوں جوں اترتا گیا بغیر کسی لحہ کی تاخیر کے یعنی فی الفور نافذ ہوتا گیا۔ یوں قرآنِ مجید کے نافذ ہونے سے ایک تو قرآن وسنت کا نظام یعنی نظامِ خلافت قائم ہوتا گیا اور دوسرے یعنی متوازا پہلے سے موجود پراگندہ وفرسودہ نظام کا قلع قمع ہوتا گیا۔ اس وقت کے غیر مسلم خواہ وہ مشرکین تھے' اہلِ کتاب تھے یا کسی بھی دوسرے دین کے پیروکار کو شاید اتنا تکلیف دہ نئے نظام کا وارد ہونا نہ ہوتا جتنا کہ اپنے آباؤ اجداد کے نظام کا درہم برہم ہونا۔ لہٰذا وہ ڈٹ گئے خواہ کتنا بھی مقابلہ کرنا پڑے اور خواہ کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے وہ ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے اپنی مخالفت کی ابتدا تو اس سے کی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بار بار یہ مطالبہ لے کر آئے کہ یا تو اس قرآن کی جگہ کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسی میں کچھ ترمیم کردو (یونس:15)۔ جب وہ یہ منوا نہ پائے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ قرآن کو سنو ہی نہیں۔ یعنی مسلمانوں کو مصائب ومشکلات سے دوچار کیا تو اس کوشش میں کہ کسی طرح قرآنِ مجید نافذ نہ ہونے پائے اور ہجرت' غزوات وسرایا کا سہارا لیا تو اسی دھن میں کسی طور قرآنِ کریم سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ مخالفین کی اس ہمہ وقت' ہمہ جہت اور ہمہ قدر مخالفت کے علی الرغم رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ مجید کا نفاذ یا دوسرے لفظوں میں نظامِ خلافت کے قیام کو جاری رکھا۔ ایک وقت آیا کہ نہ صرف پورا قرآنِ مجید نافذ ہو گیا بلکہ نظامِ خلافت اپنی پوری آن شان اور وسعت کے ساتھ استوار ہو گیا۔ بنا بریں وحی کی مزید ضرورت نہ رہی' سلسلۂ نبوت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔

Marfat.com

شومیِ قسمت، کس قدر بھول اور کس قدر باغیانہ روش کہ قرآن وسنت کا عظیم خزانہ تو آج ہمارے ہاں من وعن موجود لیکن نافذ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو قرآنِ مجید موجود ہو اور اس کے نفاذ میں لمحہ بھر تاخیر گوارا نہیں۔ لیکن ہمارے ہاں صدیاں گزر گئیں قرآنِ مجید موجود ہے اور کماحقہ نافذ نہیں۔ یعنی یہ تاخیر اور لاپرواہی اس وقت سے ہے جب سے دورِ خلافتِ راشدہ کو منقطع کر کے دورِ ملوکیت آوارد ہوا اور قرآن وسنت کے نفاذ میں پہلی دراڑ پڑی، پھر دراڑ پر دراڑ پڑتی چلی گئی اور آج امت کی پستی وزوال کو اگر ایک جملے میں بیان کیا جائے تو قرآن سے اعراض۔ آج اگر کسی جگہ پر چند قرآنی احکامات انسانی احکامات کے ساتھ شامل ہیں تو یہ کچھ اسلام اور کچھ غیر اسلام کے ملغوبے کو اپنانا قرآن وسنت کے مطابق دنیا و آخرت میں عذاب کی شکل ہے (بقرۃ:85)۔ قرآن موجود ہو اور نافذ نہ ہو تو مسلمانوں سے یہ ایسے فرضِ منصبی سے اعراض ہے کہ جس کی شکایت روزِ محشر رسول اللہ ﷺ کریں گے تو یہ کہہ کر:

"اے میرے رب میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو (ایک وقت پر) متروک کیے رکھا" (فرقان:30)۔

2- فریضۂ شہادت علی الناس

روزِ محشر ہر انسان نے خواہ وہ مسلم گھرانے میں پیدا ہوا ہو یا غیر مسلم گھرانے میں، اپنی زندگی میں کیے گئے اعمال کی جوابدہی کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔ جوابدہ ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ہر فرد اس سے کلی طور پر آگاہ ہو کہ اللہ کون ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ اس نے یہ کائنات کیوں پیدا کر رکھی ہے؟ زمین کا باقی کائنات سے کیا تعلق ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پیمانے میں کس طرح کا عمل نیکی اور کس طرح کا عمل برائی ہے؟ نیکوکار کو نیکیوں کا صلہ ملے گا تو کب اور صلہ ہو گا کیا؟ بدکاروں کو برائیوں کا عذاب ملے گا تو کب اور عذاب کی نوعیت کیا ہو گی؟ ثواب یا عذاب مستقل ہو گا یا عارضی؟ انسان اگر گناہ کا مرتکب ہو جائے تو توبہ کا امکان بھی ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے ایسا نظم تبھی چل سکتا ہے کہ ہر انسان کے اعمال کو نہ صرف ریکارڈ کیا جائے بلکہ اس ریکارڈ کو بخوبی

Marfat.com

محفوظ کیا جائے۔ ریکارڈ کر رہا ہے تو کون اور اسے رکھا جا رہا ہے تو کہاں؟ دنیا و آخرت کی آپس کی حیثیت کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے جوابدہی کا نظام تبھی معنی خیز ہو سکتا ہے کہ ہر انسان کو مرنے کے بعد کسی وقت پھر زندہ کیا جائے یعنی موت کی ہچکی پر وہ ہمیشہ کیلئے فنا نہ ہو جائے۔ جوابدہی اور جزا و سزا کا ہونا اس لیے لازمی ہے کہ ایک تو جب کوئی فرد نیکی یا بدی کا کام کرتا ہے تو اس نیکی یا برائی کے اثرات اس کے مرنے کے بعد بھی مرتب ہوتے رہتے ہیں اور دوسرے اس لئے کہ کئی جرائم کی سزا کما حقہ دینے کے لیے اس دنیا میں ذرائع و وسائل ہی نہیں۔ مثال کے طور پر ایک آدمی دوسرے آدمی کو چاقو، بندوق وغیرہ سے قتل کر دیتا ہے لیکن ایک دوسرا آدمی ایٹم بم کے ذریعے لاکھوں انسانوں کو مار دیتا ہے۔ ظاہر ہے ایک قتل کرنے والے آدمی کو تو چلو پھانسی دے دی جائے تو انصاف ہو جاتا ہے لیکن وہ جس نے لاکھوں جانیں لے لیں، لاکھوں بار قتل کیا جائے ورنہ انصاف تو نہ ہو سکے گا۔ آخرت میں کیا گیا حساب کتاب کما حقہ انصاف پر پورا اترے گا لہٰذا آخرت اور آخرت کے عذاب بلکہ ثواب کا ہونا بھی ضروری ٹھہرا۔ یہی جوابدہی کا دن روزِ محشر ہے اور پھر اس کے بعد ایک نہ ختم ہونے والے زمانے کو آخرت سے موسوم کیا گیا ہے۔ جوابدہی کے لیے ضروری ہے کہ ہر انسان مذکورہ جزا و سزا کے نظام سے پوری طرح آگاہ ہوتا کہ وہ اس دنیا کی زندگی کی مہلت اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے گزارے۔

اس آگاہی کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک بہت وسیع و دقیق پروگرام شروع کر رکھا ہے۔ انبیاءؑ و رسلؑ کی بعثت اور آسمانی کتابوں کا نزول اسی سلسلے کا حصہ ہے۔ ایک پیغمبرؑ آتا، اپنے حلقۂ ذمہ داری کے لوگوں تک اللہ کے دین کو پہنچاتا۔ اس کے جانے کے بعد دینِ حق میں پھر باطل سرائیت کرتا تو اس قدر کہ وقت کے ساتھ انسانیت راستہ گم کر بیٹھتی یا گم کرنے کو ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایک اور پیغمبرؑ بھیج دیتا۔ ایک وقت پر زمین و آسمان کے مالک نے اپنے ازلی فیصلے کے مطابق قیامت کے واقع ہونے سے پہلے آخری کتاب یعنی قرآنِ مجید اور آخری رسول یعنی محمد ﷺ کو بھیج کر وحی کی

Marfat.com

تنزیل کا سلسلہ بھی بند کر دیا اور بنا بریں پیغمبروں کی بعثت کا بھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ وقت کے ساتھ حق سے روگردانی کا فطری سلسلہ تو جاری رہنا تھا لہٰذا مداوے کے طور پر اہلِ دنیا کو قرآن وسنت کے احکامات پہنچانے کا کام امتِ محمدیہ ﷺ کے سپرد کر دیا۔ اسی کو فریضۂ شہادت علی الناس کا نام دیا گیا۔ اسی فریضہ کا کام بنی اسرائیل کو دیا گیا۔ اور وہ اس کا حق ادا نہ کر پائے۔ بعد میں بنی اسرائیل کو اس کے جرائم کی جو چارج شیٹ دی گئی کتمانِ حق کے جرم کو سرِ فہرست رکھا گیا۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے؟ تمہاری حرکات سے اللہ غافل نہیں ہے'' (بقرۃ:140)۔

اس جرم کی پاداش میں بنی اسرائیل سے دنیا کی امامت چھین کر امتِ محمدیہ ﷺ کے سپرد کی گئی۔ اب تا قیامت یہ فریضہ امتِ محمدیہ ﷺ کے سپرد کرتے ہوئے اسے ''امتِ وسط'' کے عظیم لقب سے بھی نوازا گیا۔ فرمایا گیا:

''اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک امتِ وسط بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو'' (بقرۃ:143)۔

فرد مسلم ہو یا غیر مسلم روزِ محشر اللہ کے حضور جوابدہی ہونی ہے تو ایک ہی پلیٹ فارم پر۔ گو کہ غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہونے والے کو ابلاغِ دین کی سہولت اس طرح میسر نہیں ہوتی جیسے کہ مسلم گھرانے میں پیدا ہونے والے فرد کو۔ بظاہر اس لحاظ سے مسلم گھرانے میں پیدا ہونے والا فائدے میں ہوتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں، مسلم گھرانے میں پیدا ہونے والے پر دہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک تو خود قرآن وسنت کے احکامات سے پر چلنے کی اور دوسرے غیر مسلم گھرانوں میں پیدا ہونے والوں تک قرآن وسنت کے احکامات پہنچانے کی۔ گیند اب مسلمانوں کی کورٹ میں ہے لیکن سوختہ بختی یہ فریضہ مسلمانوں سے کماحقہ ادا نہیں ہو رہا۔ اس لیے کہ پہنچانے کا کام قول سے بھی کرنا ہے اور فعل سے بھی۔ پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور دوسرے کئی ذرائع سے پہنچانے کا کام قول سے تو کسی حد تک ادا ہو رہا ہے لیکن فعل سے تو تب ہو جب دنیا میں مسلمانوں نے قرآن و

Marfat.com

سنت پر مبنی نظام یا نظامِ خلافت قائم کر رکھا ہو۔ دنیا میں ایسا نظام کہیں قائم نہیں۔ پھر یہ بھی کہ یہ پہنچانے کا کام تبھی بطریقِ احسن ہو سکتا ہے کہ مسلمان دنیا میں بطورِ غالب قوت موجود ہوں جو کہ اس وقت نہیں' مسلمان تو مغلوبیت و پستی سے دوچار ہیں' غیر مسلم ان کی سنیں تو کیسے؟ دوسرے لفظوں میں فریضۂ شہادت علی الناس اسی طرح ادا نہیں ہو رہا جیسے کہ ان سے پہلی امت سے نہیں ہوا تھا تو ان سے دنیا کی امامت چھن گئی تھی۔ اب یہ ہوا ہے کہ جیسے یہ لکھنے والا قلم کام نہ کرے تو اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے' مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حقِ امامت سے محروم کر کے کفار و مشرکین کے دم چھلا کی حیثیت دے دی ہے۔ کاش کوئی سوچے ایسا کیوں ہے؟

3- فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

قرآنِ مجید میں آیا:

''مسلمانو! اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اہلِ کتاب ایمان لاتے تو انہی کے حق میں بہتر تھا۔ اگرچہ ان میں کچھ لوگ ایمان دار بھی ہیں مگر ان کے بیشتر افراد نافرمان ہیں'' (آلِ عمران:110)۔

اگر نظامِ خلافت قائم ہوتا تو ایک گروہ یعنی وزارت کی ہمہ وقت ذمہ داری یہی یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہوتی۔ چنانچہ فرمایا گیا:

''تم میں سے کچھ لوگ تو ضرور ہی ایسے رہنے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں' بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں''۔

اس آیۂ کریمہ میں بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے علاوہ دعوتِ دین یعنی **یدعون الی الخیر** کو علیحدہ بیان فرمایا گیا۔ دعوتِ دین کا کام وہی ہے جسے ہم اوپر شہادت علی الناس کے عنوان کے تحت قدرے تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ بالعموم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ترجمہ نیکی کے فروغ اور بدی سے روکنے سے کرتے ہیں اور

Marfat.com

یہ معنی غلط بھی نہیں ہیں' البتہ جو وسعت اور عظمت اس تکنیکی جملے میں پنہاں ہے اس کا اظہار نہیں ہوتا۔ نیکی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی' جب بھی کی جاتی ہے دنیا اور اہلِ دنیا کو تھوڑا سہی' بہت بہت تھوڑا سہی' سنوارنے کا عمل واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح جب بھی کوئی چھوٹی یا بڑی برائی ہوتی ہے تو دنیا اور اہلِ دنیا کیلئے بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ مسلمانو! تم وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے یہ معنی رکھتا ہے کہ اس دنیا اور اہلِ دنیا کو سنوار کر رکھنے اور بگاڑ سے بچانے کی ذمہ داری تا قیامت امتِ مسلمہ کی ہے۔ اس کام کی اہمیت وعظمت اس سے لگائیں کہ اگر کسی چھوٹے سے چھوٹے باغیچے کو سنوار کر رکھنے یا بگاڑ سے بچانے کیلئے کوئی مالی نہ ہو تو باغیچہ چند دنوں میں اجاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی فیکٹری کا کوئی منتظم نہ ہو تو وہ فیکٹری خسارے میں جانا شروع ہو جاتی ہے اور جلد یا بدیر ویران ہو جاتی ہے۔

اس وقت زمینی صورتِ حال یہ ہے کہ جس امت نے دنیا اور اہلِ دنیا کو سنوار کر رکھنا اور بگاڑ سے بچانا تھا' آج خود بگاڑ کا شکار ہے۔ اقوامِ عالم میں اس کی حیثیت ایسی ہے' جیسے پہلے ذکر ہوا' کسی گھر میں گھریلو ملازم کی' جس کی آواز بے وزن اور حیثیت بے قدر ہوتی ہے۔ دنیا اور اہلِ دنیا کو سنوار کر رکھنے کا کام تبھی بطریقِ احسن ہو سکتا ہے کہ امتِ مسلمہ دنیا میں مغلوب نہیں غالب حیثیت میں ہو اور یہی اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ مسلمان دنیا میں اس پوزیشن میں ہوں کہ کوئی دوسری طاقت ان کے پائے کی نہ ہو۔ تینوں فرائضِ منصبی جن کا ذکر اوپر ہوا مسلمانوں سے نہیں ہو رہے تو اس کی بنیادی وجہ مسلمانوں کا دنیا میں مغلوب ہونا اور مغلوبیت سے سمجھوتہ کیے ہوئے ہونا ہے۔ کرۂ ارض جو اس وقت آگ بگولہ بنا ہوا ہے تو اسی لیے۔ بحر و برائٹ گئے فتنہ و فساد سے اگر تو اسی وجہ سے۔ خوف' دہشت گردی' بے سکونی' ظلم و جور' لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہے تو اسی لیے کہ جس گروہ نے دنیا اور اہلِ دنیا کو سنوار کر رکھنا اور بگاڑ سے بچانا تھا' موجود نہیں۔ اسکا سب سے بڑا نقصان خود امتِ مسلمہ کو ہوا ہے۔ جس طرح قلم لکھنا چھوڑ دے تو اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو پٹوا رہا ہے تو مردود اقوام سے۔ تمام مسلمان ممالک اگر کوئی قرارداد متفقہ

Marfat.com

بھی منظور کرلیں تو ویٹو بہادر کی ایک جنبش اس کی دھجیاں بکھیر دیتی ہے۔ اسکا مطلب ہوا کہ امتِ مسلمہ کے جو اوپر فرائضِ منصبی بیان ہوئے ہیں ان کی ادائیگی کیلئے اسی طرح مسلمانوں کا دنیا میں بطور غالب حیثیت ہونا ہے جس طرح کہ نماز سے پہلے وضو کا ہونا۔ دوسرے لفظوں میں مذکورہ تین فرائضِ منصبی کے علاوہ چوتھا اور ان تینوں سے زیادہ اہم فرضِ منصبی امتِ مسلمہ کا دنیا میں، جیسے کہ قرآن وسنت کا مطالبہ ہے، بطور غالب حیثیت میں ہونا ہے۔ اس کی اہمیت اس سے بھی عیاں ہے کہ قرآنِ مجید میں تین دفعہ خود رسول ﷺ کے اسی فرضِ منصبی کو اجاگر کیا گیا ہے (توبہ:33)، (فتح:28) اور (صف:9)۔ سورۂ صف میں نازل شدہ آیۂ مبارکہ کا مضمون درج ذیل ہے:

"وہی (اللہ) جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کردے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو"۔

بعدِ رسول ﷺ مذکورہ جملہ فرائضِ منصبی جب امتِ مسلمہ کو تفویض کیے گئے تو ساتھ ہی غلبۂ دینِ حق کی ذمہ داری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کیلئے ہوجائے" (انفال:39)۔

امتِ مسلمہ جب یہ فرائضِ منصبی ادا نہ کرسکی تو دوسروں کی اصلاح تو دور کی بات وہ دنیا میں اپنا وجود تک قائم نہ رکھ سکی۔ زیرِ آسماں امتِ مسلمہ کی سی شے دنیا میں آج کہیں نہیں۔ امتِ مسلمہ جو کبھی تھی آج درجنوں مسلم اقوام...... شامی، مصری، ایرانی، پاکستانی وغیرہ میں بٹ چکی۔ بقول اقبالؒ:

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بیگانۂ مضراب

وقت کی آواز ہے مسلمانو! اٹھو، جاگو، دنیا و آخرت کی بھلائی مطلوب ہے تو نظامِ خلافت بحال کرو، انشاء اللہ سب دلدر دور ہوجائیں گے۔

Marfat.com

سنگین مسئلہ مسلمانوں کا نا مسلمان ہو جانا ہے

Marfat.com

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ قرآن
گرہ کشا ہے نہ رازی ہے نہ صاحبِ کشاف

Marfat.com

سنگین مسئلہ مسلمانوں کا نامسلمان ہو جانا ہے

(ہم آج کے مسلمان محض نام کے مسلمان ہیں اس لیے کہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہو گئے اور مردم شماری کے مسلمان خانہ میں ہمارا نام درج ہو چکا۔ اپنے اعمال کی بنیاد پر قرآنِ مجید ہمیں مسلمان نہیں مانتا اور قیامت کے دن مشکل ہو گا ہمارا خود کو مسلمان ثابت کرنا۔ مختلف آیاتِ قرآنِ مجید سے یہی اخذ ہوتا ہے' ہم ذیل میں چند ایک کا ذکر کرتے ہیں)

﴿مضمون ہذا میں دورِ جاہلیت' نظامِ جہالت' نظامِ باطل اور ان کے مقابلہ میں خلافت نظامِ خلافت' دورِ خلافتِ راشدہ وغیرہ جیسی متعدد اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ اس سلسلے میں یہ پیشگی عرض کر دینا ضروری ہے کہ نظامِ باطل اس نظام کو کہتے ہیں جو انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے قوانین بلکہ مفادات و خواہشات پر مبنی ہو اور اس کے برعکس نظامِ خلافت اس نظام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مہیا کردہ قوانین و ہدایات' جو وہ پوری انسانی تاریخ پر فراہم کرتا رہا ہے' پر مبنی ہو۔ مزید یہ بھی کہ نظامِ خلافت اس وقت دنیا میں کہیں بھی رواں دواں نہیں' ہر خطۂ زمین پر' خواہ وہ مسلم ہو کہ غیر مسلم' نظامِ باطل کی ہی ریل پیل ہے۔ یعنی نظامِ باطل کی اس وقت زیرِ آسماں ہماری زمین پر دو اقسام رواں دواں ہیں۔ ایک قسم تو وہ جو قرآن و سنت کے انکار یا اللہ و رسول ﷺ سے بغاوت پر مبنی ہے۔ باطل نظام کی یہ قسم اس وقت پوری دنیائے کفر میں رواں دواں ہے۔ دوسری قسم وہ جو کچھ اسلام اور کچھ غیر اسلام کے ملغوبے پر مشتمل ہے اور اس وقت پوری دنیائے اسلام میں جاری و ساری ہے۔ نظامِ خلافت یعنی ایسا نظام جو اللہ و رسول ﷺ کے سو فیصد احکامات پر مبنی ہو' دنیا میں کہیں نہیں۔

Marfat.com

وہ باطل نظام جو اس وقت دنیائے اسلام میں رواں دواں ہے اس باطل نظام سے کہ جو دنیائے کفر میں موجود ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی طرح زیادہ ناپسندیدہ ہے جس طرح کہ کافر کے مقابلے میں منافق۔ ان وجوہات میں سے کہ جن کی وجہ سے دنیا میں کافر غالب اور مسلمان مغلوب ہیں ایک وجہ یہی ہے۔ مسلمان جس ذلت و پستی سے آج دوچار ہیں اسی وجہ سے تو ہیں۔ قرآن مجید میں آیا:

"تو کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں' اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو" (بقرة:85) اب ہم اصل مضمون کی طرف آتے ہیں۔

"ہمارا مسلمان ہونا کیا مشکوک تو نہیں" بڑا غور طلب اور سنجیدہ معاملہ ہے۔ قرآنِ مجید کی متعدد آیاتِ مبارکہ اور نبی کائنات ﷺ کی کئی احادیثِ مبارکہ' جن کا ذکر ابھی آئے گا' واضح اور دوٹوک انداز میں آج کے مسلمانوں کے بحیثیت مجموعی مسلمانوں ہونے کو چیلنج کرتی ہیں۔ ہم اس پوزیشن میں نہیں کہ اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ صادر کر سکیں۔ ایک بات' البتہ بڑی واضح ہے کہ وقت کے اس موڑ پر مسلمانانِ عالم جس ذلت و رسوائی اور ہزیمت و پستی سے دوچار ہیں اس کی کوئی وجہ تو ہے۔ مومن اور دنیا میں مغلوب ہونا ایک تضاد ہے (آل عمران:139)۔ ہم علماءِ وقت اور دانشورانِ ملت کی خدمت میں درخواست گزار ہیں کہ وہ اس بارے میں ہم مسلمانوں کی راہنمائی فرمائیں۔

ملاحظہ ہوں قرآنِ مجید کی متعلقہ آیات مبارکہ اور نبی کائنات ﷺ کی احادیثِ مبارکہ:

☆ ہمارے ہاں یعنی پوری دنیائے اسلام میں کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں کہ جہاں کا نظامِ زندگی قرآن و سنت کے سو فیصد احکامات پر مبنی ہو۔ قرآنِ مجید ایسی صورتِ حال کی اس قدر شدت سے نفرت کرتا ہے کہ ایسے ماحول میں زندگی گزارنے والوں کو کافر بھی قرار دیتا ہے' ظالم بھی اور فاسق بھی۔ فرمایا گیا:

Marfat.com

"اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی کافر ہیں"

(مائدہ:44)

"اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی ظالم ہیں"

(مائدہ:45)

"اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی فاسق ہیں"

(مائدہ:47)

☆ پوری اسلامی دنیا میں کوئی ایک عدالت بھی ایسی نہیں کہ جہاں صرف قرآن و سنّت کے احکامات کے مطابق فیصلے ہوتے ہوں۔ ہر عدالت میں کچھ الٰہی اور کچھ انسان ساختہ قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملکِ عزیز پاکستان میں عائلی اور وراثتی قوانین، جو کل قوانین کا تقریباً 20 فیصد بنتے ہیں، قرآن و سنّت کے مطابق ہیں، باقی 80 فیصد قوانین وہی ہیں جو سفید چمڑی والا جاتے ہوئے ہمارے سپرد کر گیا۔ پاکستان میں انہیں تعزیراتِ پاکستان کا نام دیا گیا ہے تو بھارت میں تعزیراتِ ہند کا۔ اس کے برعکس قرآن مجید کا مئوقف ہے کہ وہ مسلمان جو رسول ﷺ کے لائے ہوئے قوانین کے مطابق فیصلہ نہ کریں اور جو قرآن و سنّت کے مطابق فیصلہ ہونے کے بعد اپنے دل میں تنگی محسوس کریں اور سر بسر تسلیم نہ کریں وہ دولتِ ایمان سے عاری ہیں۔ قرآن مجید میں آیا:

"اے محمد ﷺ! تمہارے ربّ کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں" (نساء:65)۔

آپ خود فیصلہ کریں کہ ایمان نہ ہونے والے کون ہوتے ہیں؟

☆ قرآن مجید بڑے واشگاف انداز میں اعلان کرتا ہے کہ کافروں کی دعائیں رائیگاں جاتی ہیں۔ فرمایا گیا:

Marfat.com

"کافروں کی دعائیں سوائے رائیگاں ہونے کے کچھ نہیں" (رعد:14)

اس آیہ مبارکہ کو بار بار پڑھیں، جانچیں اور پرکھیں کہ رائیگاں دعائیں کن کی ہوتی ہیں؟

یہ تو ہوا کافروں کا معاملہ لیکن دوسری طرف صورتِ حال یہ کہ کروڑوں مسلمان دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں اربوں کھربوں دفعہ دعا مانگتے ہیں کہ "ہمیں سیدھے راستے پر چلا"۔ خود فیصلہ کریں آج کے مسلمان کیا سیدھے راستے پر ہیں؟ باقی تفصیلات کو چھوڑیں مسلمانوں کا وقت کے اس موڑ پر مغلوب و معتوب ہو جانا کافی ثبوت ہے اس کا کہ مسلمان صراطِ مستقیم پر نہیں۔ کیوں ان کی دعائیں سنی نہیں جا رہیں؟ لاریب جن کی دعائیں نہ سنی جائیں وہ تو کافر ہوتے ہیں۔

☆ سامنے کی بات ہے مسلمانانِ عالم یہود و نصاریٰ کو اس قدر دوست بنائے ہوئے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی کھلم کھلا دشمنی کے علی الرغم بھی۔ زمین و آسمان کا خالق و مالک یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے والوں کو "ان ہی جیسا" قرار دیتا ہے۔ فرمایا گیا:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار پھر انہی میں ہے یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی راہنمائی سے محروم کر دیتا ہے" (مائدہ:51)۔

بنابریں یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے والے مسلمانوں کا شمار کن میں قرار پاتا ہے؟ ظاہر ہے یہود و نصاریٰ یعنی "کافروں" میں۔

لاریب، مسلمان سربراہوں کا ہی صرف وطیرہ نہیں کہ وہ یہود و نصاریٰ سے پینگیں بڑھاتے ہیں، عوام بھی اکثر و بیشتر خواہش رکھتے ہیں کہ انہیں کسی طور مغربی دنیا میں ٹھکانا مل جائے۔ گرین کارڈ اور وہاں کی شہریت کی جستجو میں ہلکان ہونے والے جان لیں کہ اللہ ایسے باپوں اور بھائیوں کی دوستی سے بھی منع کرتا ہے جو ایمان پر کسی درجے کفر کو ترجیح دیں۔ قرآن مجید میں آیا:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ تم میں سے جو ان کو رفیق بنائیں گے، وہی ظالم ہوں گے" (توبہ:23)۔

Marfat.com

☆ کوئی پیاسا ہوتو اسے پانی کی تلاش ہوتی ہے۔ پانی مل جائے تو پیاس بجھ جاتی ہے۔ لیکن اگر کسی کو پانی میسر نہ ہو اور وہ یہ سمجھ کر کہ تیل بھی ایک محلول ہے' تیل پینا شروع کر دے تو پیاس تو کیا بجھے گی' اس کی صحت گرتی چلی جائے گی۔ یہی کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہوا ہے۔ دین جسے وہ آج دینِ حق سمجھ کر اختیار کئے ہوئے ہیں دینِ حق نہیں' دینِ ملوک ہے اور بنا بریں قرآن وسنت سے مطابقت نہیں کھاتا۔ قرآنِ مجید میں دینِ حق کے جو بڑے بڑے ادارے یا اجزاء بیان ہوئے ہیں وہ آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں ہیں۔ کہاں چلے گئے؟ دورِ ملوکیت میں انہیں ایک ایک کر کے دین حق سے خارج کر دیا گیا۔ قرآن مجید میں خلیفہ کا ذکر آیا ہے (بقرۃ:30)' اولوالامر کا ذکر آیا ہے (نساء:59)' شوریٰ کا ذکر آیا ہے (شوریٰ:38)' امتِ مسلمہ کا ذکر آیا ہے (بقرۃ:128) لیکن شومئی قسمت یہ چاروں قرآنی ادارے' جنکی اہمیت جیسے کسی کمرے کی چار دیواریں' آج ہمارے اختیار کردہ دین میں نہیں اور کم وبیش اس وقت سے نہیں جب دورِ خلافت کو منقطع کر کے ملوک آدھمکے۔ ملوک نے ان چاروں قرآنی اداروں کو اپنے مفادات وخواہشات کی تکمیل میں دینِ حق سے نکال باہر کیا' باقی جو بچا' وہی دینِ ملوک ہے جسے آج کے مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ ایسا ہونے سے وہ فیوض و برکات جو دورِ خلافت راشدہ یعنی جب دینِ حق اپنی اصل حالت میں موجود تھا' آج کے مسلمانوں کو حاصل نہیں بلکہ وہ برکات 180 درجے برعکس ہوگئی ہیں۔ اس وقت عدل تھا' امن تھا' خوشحالی تھی' غلبہء دینِ حق تھا' اتحاد تھا جبکہ آج ظلم' بدامنی' بدحالی' مغلوبیت اور انتشار مسلمانوں کا مقدر رہے۔ بات جو ہمارے موضوع کے متعلق ہے یہ ہے کہ دینِ حق کو اختیار کرنے والا تو مسلمان ہوتا ہے' دینِ ملوک یعنی انسانی سان پر ڈھلنے والے دین کے پیروکاروں کو آپ کیا نام دیں گے؟ دینِ حق کو نہ اختیار کرنے والا ہی تو کافر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آیا:

"اے نبی' ان سے کہو اللہ اور رسول کی اطاعت کرو' پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً اللہ ایسے کافروں سے محبت نہیں کرتا" (آل عمران:32)۔

بڑا ضروری ہے پہلے یہ جاننا کہ اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کا معنی و مطلب کیا ہے؟ اللہ

Marfat.com

کے رسول ﷺ کیا دنیا میں انفرادی زندگی گزار کر اور اپنا ہی تزکیۂ نفس کر کے دنیا سے چلے گئے؟ نہیں ایسا نہیں ہوا بلکہ انہوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر صحابہؓ کو ساتھ ملا کر ایک جماعت بنائی اور بقدر استطاعت ان کا تزکیۂ نفس کیا۔ پھر کیا وہ نماز' روزے' حج' زکوٰۃ وغیرہ کا ہی اہتمام کر کے دنیا سے چلے گئے؟ نہیں ایسا نہیں ہوا' وہ تو جہالت کو خلافت یعنی پورے نظامِ زندگی کو سرتاپا بدل کر گئے۔ دنیا میں آئے تھے تو دورِ جاہلیت تھا' دنیا سے گئے تو دورِ خلافت کو قائم کر کے۔ یاد رہے جو نظامِ زندگی انسان ساختہ قوانین پر مبنی ہو جہالت کا مظہر ہوتا ہے اور جو نظامِ زندگی اللہ ورسول کی ہدایات وقوانین کے مطابق ہو نظامِ خلافت کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لائے۔ اندازہ لگائیں' آج کے دور میں کتنے مسلمان ہیں جو نظامِ جہالت کو دورِ خلافت میں بدلنے کی جدوجہد کر رہے ہیں؟ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ باقی یعنی مسلمانوں کی اکثریت یا تو انفرادی اور من مرضی کی زندگی گزار رہی ہے یا پھر اس کی جولانگاہ محض نماز' روزے کی ادائیگی ہے۔ یہ ہر دو طرح کی زندگی اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت سے اعراض ہے لہٰذا اس زد میں آتی ہے جس کے متعلق کہا گیا کہ ''اللہ یقیناً کافروں سے محبت نہیں کرتا۔'' اللہ کی محبت کیلئے لازمی شرط ''فاتبعونی'' یعنی اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی ہے اور پیروی میں دیگر مراسمِ عبودیت کے علاوہ نظامِ باطل کو نظامِ حق میں بدلنا شامل ہے۔ جو ایسا نہیں کرتا اتباعِ رسول ﷺ کا حق ادا نہیں کرتا اور جو اتباعِ رسول ﷺ کا حق ادا نہ کرے' اسے قرآن مجید کافر قرار دیتا ہے۔

☆ قرآن مجید دو ٹوک بتا دیتا ہے کہ دنیا میں مغلوب مسلمان اور کچھ ہو تو ہو' مومن نہیں ہوتا۔ یعنی کلمہ گو ہونے کی نسبت سے اس دنیا کی حد تک تو اسے مسلمان شمار کیا جائیگا لیکن حقیقی ایمان سے محروم ہوگا اور آخرت میں اس کا شمار مومنوں میں نہیں ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید میں آیا:

''دل شکستہ نہ ہو' غم نہ کرو۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہوئے'' (آلِ عمران:139)۔

اسی لئے مغلوب مسلمان اللہ کی نصرت سے بھی محروم ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مومن نہیں

Marfat.com

ہوتا۔ چنانچہ فرمایا گیا

"اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو" (آلِ عمران: 160)۔

خود فیصلہ کریں، یہ چھوڑے جانے والے کون ہوتے ہیں؟

یہ چند آیاتِ مبارکہ اس موضوع پر نازل ہونے والی متعدد آیات سے ہم نے بیان کی ہیں، اسی سلسلہ کی دو احادیث کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ محض دو کا اس لئے کہ اختصار مطلوب ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

"جو شخص مر جاوے اور کسی سے اس نے بیعت نہ کی ہو تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہو گی" (مسلم)

بیعت کے متعلق اتنا جاننا ضروری ہے کہ یہ ایک سودا ہے جو بظاہر دو بندوں کے درمیان ہو رہا ہوتا ہے لیکن اصل میں بندے اور اللہ کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ سودا انوکھی نوعیت کا ہے۔ بیعت کرنے والا بندہ تو عام مسلمان ہوتا ہے جبکہ بیعت لینے کا حق نبی کو ہوتا ہے یا خلیفہ المسلمین کو۔ ان دو ہستیوں ہی کو کیوں بیعت لینے کا حق ہے؟ اس لئے کہ بیعت لیتے وقت ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے (فتح: 10)۔ اس سودے کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ بیعت لینا عام آدمی، خواہ وہ کتنا ہی زاہد و پارسا ہو، کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے کہ اس سودے میں بندہ اپنی جان اور اپنا مال پیش کرتا ہے جب کہ اللہ اس جان اور مال کے بدلے میں متعلقہ بندے کو جنت عطا کرتا ہے۔ عام آدمی کسی کو جنت کیا عطا کرے گا اس کو تو خود یقین نہیں کہ آخرت میں اس کا کیا انجام ہونے والا ہے؟

نبوت کا سلسلہ تو ختم ہو چکا، لیکن کہاں ہے آج ہمارے ہاں خلیفۃ المسلمین کہ جس کی بیعت کی جائے؟ شرعی بیعت کا خلیفۃ المسلمین کی عدم موجودگی میں امکان تک نہیں۔ اس کا ایک بدل ضرور ہے اور وہ یہ کہ اس ہستی یعنی خلیفۃ المسلمین کو لانے یا دوسروں لفظوں میں نظامِ خلافت بحال کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایسے لوگوں کو بیعت کئے بغیر اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی خوشنودی

Marfat.com

سے نوازے گا جس طرح مکی دورِ نبوت میں مسلمان ہوتے ہوئے سود کھانے والوں کو اس لئے کہ وہ اس نظام کو لانے کی جدوجہد کر رہے تھے جسمیں سود کو حرام کیا جانا تھا۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو وقت کے اس موڑ پر نظامِ خلافت کو بحال کرنے کی تگ و دو کر رہے ہیں؟ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ بالفاظ دیگر مسلمانوں کی اکثریت ایسی ہے، جیسے وہ مسلمان ہوئے ہی نہیں، حالتِ جہالت میں زندگی گزار کر چل بسے۔

ایک اور حدیث میں نبی کائنات ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اطاعت سے باہر ہو جائے اور جماعت میں نہ رہے پھر وہ مرے تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی" (کتاب الامارات، صحیح مسلم)۔ اوپر بیان کردہ حدیث کی طرح یہ حدیث بھی ایک لمبی حدیث کا حصہ ہے۔ جیسے کہ اوپر بیان ہوا مسلمانوں کی اکثریت تو ویسے ہی اطاعتِ رسول ﷺ سے محروم ہے۔ مزید برآں قرآن مجید صرف اللہ اور رسول ﷺ کی ہی نہیں، مشروط سہی، اولوالامر کی اطاعت کو لازم قرار دیتا ہے (نساء: 59)۔ لیکن اس کا کیا جائے، عرصہ ہوا ہمارے ہاں ویسے ہی شرعی اولوالامر کا وجود نہیں اس لئے کے اولوالامر میں خلیفۃ المسلمین کو مرکزی حیثیت ہوتی ہے جو ہمارے ہاں خود موجود نہیں۔ وہ لوگ جو خلیفۃ المسلمین کو لانے کی کوشش نہیں کرتے، ناقص اور ادھوری اطاعت کے مرتکب ہیں اور آدھی پونی اطاعت، اطاعت نہ ہونے کے مترادف ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم "پورے کے پورے اسلام میں داخل ہونے" کا ہے۔

اسی طرح ہمارے ہاں الجماعت یا اُمتِ مسلمہ کا وجود ہی نہیں اس لئے کہ اُمتِ مسلمہ اقوام میں تحلیل ہو چکی۔ بنا بریں مسلمانوں کی اکثریت جماعت سے خارج ہے۔ یہ اخراج بھی صرف ان معدودے چند مسلمانوں پر لاگو نہیں ہوتا جو نظامِ خلافت کو بحال کرنے کے درپے ہیں۔

مسلمانوں کی اکثریت موجودہ صورت میں اطاعت سے بھی نکلی ہوئی ہے تو جماعت سے بھی لہٰذا ایسے جیسے اسلام میں آئی ہی نہیں، جہالت کی موت مرگئی یعنی کافر تھی، کافر ہی۔

حرفِ آخر

Marfat.com

ان جملہ آیات و احادیث سے کیا اخذ ہوتا ہے؟ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے' ہم اس پوزیشن میں نہیں کہ کوئی فتویٰ جاری کر سکیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا مجموعی طور پر مسلمان ہونا مشکوک ہے۔ علماء کرام کا ورثاء انبیاؑ ہونے کی حیثیت سے فرض بنتا ہے کہ وہ اس گمبھیر' ناگوار اور انتہائی تکلیف دہ صورتِ حال کا جائزہ لیں۔ اس سے زیادہ اہم اور کونسا معاملہ ہوسکتا ہے؟ ہماری اس دنیا کی نشوونما اور آخرت کی نجات کا دارومدار موجودہ صورتِ حال کو سدھارنے سے وابستہ ہے۔ ایک وقت پر اگر امام مالکؒ' امام ابو خلیفہؒ' امام شافعیؒ' امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے ضرورت پڑنے پر فکر وعمل کی مجالس قائم کیں تو امت کی اصلاح وفلاح کے دروازے کیا آج بند ہو چکے؟ علماءِ امت اور دانشورانِ ملت کو ایسی ہی سوچ و بچار اور فکر و تدبر کی ایک مجلس بنا کر مسلمانوں کی راہنمائی کرنی چاہیے ورنہ اس میں کیا شک کہ اللہ تعالیٰ ایک دن خصوصاً ان حضرات سے پوچھے گا کہ جب وقت کے ایک موڑ پر مسلمان راستہ گم کر بیٹھے تھے تو تم کہاں مر گئے تھے؟ گیند ظاہر ہے علماء کرام کی کورٹ میں ہے۔ اس دنیا میں اپنا احتساب کر لینا اس سے بہتر ہے کہ کل قیامت کو کسی غیر متوقع صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑے۔

> قرآنِ مجید اس کی اجازت نہیں دیتا کہ عورت چھوٹے سے چھوٹے انتظامی یونٹ یعنی گھر کی سربراہ ہو۔ آئینِ پاکستان اس کے برعکس' اسے یعنی عورت کو پورے ملک کی سربراہ بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ بتائیے کس کی مانیں' قرآن پاک کی یا آئینِ پاکستان کی؟ ساتھ یہ بھی بتائیے کہ یہ الفاظ کس مبارک ہستی کے ہیں کہ وہ قوم تباہ ہوگئی جس نے اپنی باگ ڈور ایک عورت کے ہاتھ تھما دی۔ رحمت اللعالمین کے مبارک منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اصل میں رب العالمین کی طرف سے ہوتا ہے۔ (ایڈیٹر)

Marfat.com

تحریک اور امیرِ تحریک کا تعارف

Marfat.com

کس طرح کند ہوا ترا جوہرِ ادراک
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

Marfat.com

تحریک اور امیرِ تحریک کا تعارف

تحریکِ عظمتِ اسلام کے موجودہ امیر چودھری رحمت علی ہیں جو 1935ء میں پنجاب کے دیہی علاقے موضع شمشیر پور نزد نارووال میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے سکول واقع کنجروڑ میں حاصل کی۔ 1952ء میں ایشیا بھر کے منفرد زرعی کالج لائل پور میں داخلہ لیا اور ایگریکلچر میں ایم ایس سی کی۔ پنجاب یونیورسٹی میں اسلامیات میں ڈپلومہ اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے ایف اے عربی کیا۔ دورانِ ملازمت آپ نے دین کا گیرائی اور گہرائی سے مطالعہ کیا اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا کام کرنے لگے۔ 1991ء میں ماہانہ رسالے بعنوان ''سبق پھر پڑھ'' کا اجراء کیا جس کی اشاعت بفضل اللہ تا تاریخ جاری ہے۔ آپ متعدد کتب و رسالہ جات کے مصنف ہیں۔ جن میں چند کی فہرست شمارہ ھذا میں موجود ہے۔ 1987ء میں آپ کی ایک انگریزی میں لکھی گئی کتاب "Woman's Plight" کو قومی سطح پر صدارتی انعام سے نوازا گیا۔

آپ کارِ خلافت کی طرف کیسے آئے؟ خود آپ کے کہنے کے مطابق زمیندار گھرانے کا چشم و چراغ ہونے کے ناطہ سے مجھے 1952ء میں زرعی کالج لائل پور میں داخل کرایا گیا۔ پہلے ہی سال گرمیوں کی تعطیلات میں گھر جانے کیلئے سامان باندھ رہا تھا کہ ایک طالب علم ساتھی نے ایک کتابچہ مجھے پکڑاتے ہوئے نصیحت کی کہ میں اسے گاؤں پہنچ کر فارغ وقت میں پڑھوں۔ یہ کتابچہ جو سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا تحریر کردہ تھا میں نے ایک نہیں وقفے وقفے سے تین دفعہ پڑھا۔ اسے پڑھنے سے پہلی دفعہ مجھ پر انکشاف ہوا کہ مسلمان دنیا میں ''مغلوب'' ہیں اور دنیا کی قیادت کفر کے ہاتھ میں ہے۔ اس خبر نے مجھے متفکر و مغموم کیا تو اس حد تک کہ اس نے میری سوچ بلکہ میری زندگی کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا۔ کالج واپسی پر اور اس کے بعد سالہا سال تک میں اس

Marfat.com

ٹوہ اور کھوج میں لگ گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ مسلمان اور دنیا میں مغلوب ہو میرے نزدیک ایک بہت بڑا تضاد تھا۔ اسی سوال کا جواب ڈھونڈنے کیلئے کہ مسلمان دنیا میں مغلوب ہیں تو کیوں، میں اس وقت کے بعد ایک عرصہ تک اَن گنت علماء کرام سے ملا۔ دینی جلسوں اور اجتماعات میں حاضری میرا معمول بن گیا تو اسقدر کہ اس سے میری تعلیم پر کچھ منفی اثرات مرتب ہوئے۔ بایں ہمہ مجھے کسی بھی حلقے سے میرے سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔

کالج مذکور سے ایم ایس سی کرنے کے بعد مجھے پہلے محکمہ انہار، پنجاب اور پھر واپڈا میں ملازمت کرنے کا موقع ملا۔ اسی دوران کچھ عرصہ شعبۂ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی میں بطور متعلم منسلک رہا اور وہاں پر بھی محترم علامہ علاؤالدین صدیقی صاحب اور دوسرے اساتذہ سے بار بار تبادلۂ خیال کیا لیکن میری ذہنی الجھن کو کوئی حل نہ کر پایا۔ البتہ اس دوران میری تشویش میں مزید اضافہ ہوا تو اس لیے کہ مزید پتہ چلا کہ مسلمان دنیا میں مغلوب ہوتے ہیں تو اس وقت جب وہ نصرتِ الٰہی سے محروم ہوں اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمانا کہ "(مسلمانو) غلبہ تمہارا ہی ہوگا بشرطیکہ تم مومن ہوئے"۔ یعنی مسلمانوں کا دنیا میں مغلوب ہونا ایک ہی شکل میں ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہوں اور یہ بھی کہ وہ مومن نہ رہیں۔ واقعات کی دنیا میں جب مسلمان دنیا میں آج مغلوب ہیں تو ایک تو اس لیے کہ وہ نصرتِ ایزدی سے محروم ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کا ایمان اس معیار و سطح کا نہیں رہا کہ جو انہیں دنیا میں بطور غالب قوت رکھے۔

1982ء کی ایک رات پچھلے پہر حسبِ معمول قرآنِ مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ پڑھتے پڑھتے ایک جگہ پر تمکین فی الارض یعنی غلبے کا ذکر آیا۔ میرا اسے میں پیدائشی کہوں گا، مسئلہ تو تھا ہی "غلبہ" کے متعلق، میں نے اس آیۂ مبارکہ کو بار بار پڑھا۔ سیاق و سباق کو بھی پڑھا۔ کوئی دس بارہ منٹ میں شرح صدر ہوا تو اس قدر کہ میرے ذہن میں تقریباً ربع صدی سے بسیرا کیے سوال کا بھر پور جواب مل گیا اور میں نے خود کو ایک بدلا ہوا انسان محسوس کیا۔ یہ آیۂ مبارکہ سورۂ نور کی آیت نمبر 55 تھی جس کے متعلق بعد میں میرے علم میں لایا گیا کہ مفسرین نے اسے آیۂ استخلاف کا نام

Marfat.com

دے رکھا ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نظامِ خلافت کے تین نمایاں (Distinct) مراحل کا ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ کہ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ اور ان کیلئے ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔ بس وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں"۔

بڑا دوٹوک الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ مبارکہ میں پہلے خلافت کے مرحلے کا ذکر کیا ہے پھر غلبۂ دین کے مرحلے اور آخر میں اسلام کی برکات کے مرحلے کا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی پھل دار درخت کو پھل تو شاخوں پر لگتا ہے لیکن شاخیں معرضِ وجود میں نہیں آتیں جب تک کہ اس سے پہلے تنا نہ ہو اور تنا بھی ایک ہی صورت میں وجود پذیر ہوتا ہے کہ پہلے جڑ کا وجود ہو۔ یعنی جڑ ہو تو تنا اور تنا ہو تو شاخیں، پھول اور پھل۔ مذکورہ آیت بصراحت بیان کر رہی ہے کہ اسلام کی برکات و ثمرات حاصل ہوتے ہیں تو اس وقت جب دنیا میں کہیں نظامِ خلافت قائم ہو۔ یعنی نظامِ خلافت ہونے کا لازمی نتیجہ غلبۂ دین ہے اور غلبۂ دین ہونے کا لازمی نتیجہ اسلام کے فیوض و فوائد کا حاصل ہونا ہے۔

جب میں نے اس آیۂ کریمہ کے بیان کردہ مراحل کی روشنی میں سیرتِ رسول ﷺ کا تجزیہ کیا تو مراحل کی یہی ترتیب وہاں ملی۔ مکہ میں کی گئی محنتوں اور قربانیوں کے نتیجہ میں مدینہ میں پہلے نظامِ خلافت قائم ہوا، پھر یہ نظام جہاں کہیں پہنچا وہیں غلبۂ دینِ حق لازماً وجود پذیر ہوا اور جہاں کہیں غلبۂ دینِ حق ہوا وہیں علاقوں کے علاقوں اور خطوں کے خطوں نے اسلام کی برکات کو جانا، چکھا اور استفادہ کیا۔ سیرتِ رسول ﷺ کو مزید کھنگالنے سے مجھے یہ بصیرت بھی حاصل ہوئی کہ جب مکی دورِ نبوت میں کی گئی جدوجہد کے نتیجہ کے طور پر مدینہ میں دنیا بھر کی بڑی بڑی سلطنتوں کے مقابلے میں چار مربع میل پر مشتمل ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست قائم ہو کر نظامِ خلافت معرضِ وجود میں آیا تو

Marfat.com

قیامت تک جب بھی کسی نے نظامِ خلافت کو پھر قائم کرنا ہو تو وہ وہی کچھ کرے جو نبی کائنات ﷺ نے مکہ میں کیا۔ اس کی تفصیلات تو بعد میں آئیں گی لیکن ایک بات جس نے مجھے واپڈا کی پراجیکٹ ڈائریکٹری چھوڑنے پر آمادہ کیا' وہ رسول ﷺ کا اجتناب تھا اس نظام سے کہ جس کو وہ بدلنا چاہتے تھے۔ باطل نظام کو نظامِ خلافت میں بدلنے کا مصمم ارادہ تو کر چکا تھا لہٰذا یہ کسی طور جچتا نہ تھا کہ ایک طرف تو اس نظام کا کل پرزہ بنا رہوں کہ جس کو بدلنا ہے اور دوسری طرف اسے بدلنے کی سعی کروں۔ 1982ء اور 1990ء کے دوران کئی دفعہ استعفاء دینے کی ٹھانی لیکن ہر دفعہ محکمانہ ساتھیوں کا اصرار اور گھریلو ضروریات اس میں آڑے آتی رہیں اس لیے کہ میرے تمام بچے اس وقت زیرِ تعلیم تھے اور برسرِ روزگار صرف میں تھا۔ بالآخر ملازمت کے ابھی کئی سال باقی تھے کہ میں نے مارچ 1991ء میں ملازمت کو خیرباد کہہ دیا۔ ملازمت چھوڑتے وقت اپنے استعفاء میں لکھا:

"Humbly I may request that till this date I have spent most of my time in pursuit of worldy gains. Now the remaining time, if any, I intend to invest exclusively in the service of Islam."

یہ بھی ذکر کرتا چلوں کہ ملازمت چھوڑتے وقت کبھی یہ وسوسہ بھی دل میں آتا تھا کہ گھریلو اخراجات کیسے پورے ہونگے۔ ہمت بندھتی تھی تو درج ذیل آیہ مبارکہ سے جسے میں اکثر گنگناتا رہتا تھا:

''جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کیلئے بہت جگہ اور بسر اوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا......'' (نساء:100)۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ایسا ہی ہوا جیسے کہ مذکورہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ جو دن بھی اس کے بعد چڑھا پہلے دن سے بہتر چڑھا اور ہر لحاظ سے یعنی

Marfat.com

جسمانی، روحانی، سماجی، معاشی اور بالخصوص حکمت و شرحِ صدری کے اعتبار سے۔

1991ء میں جب ملازمت چھوڑی تو ایک دھن اور ایک ہی لگن ذہن پر سوار تھی کہ اسی تحریک کو مقدور بھر آگے بڑھایا جائے جس کی ابتداء جدِ امجد حضرت آدمؑ سے ہوئی تھی۔ اس وقت خلافت کے حوالہ سے قابلِ ذکر کام پاکستان میں کہیں نہیں ہو رہا تھا۔ حزب التحریر کی صدا کبھی کبھی کانوں میں پڑتی تھی یا پھر بھائی خورشید احمد گنگوہی صاحب نے اپنی نشست گاہ کی دیوار پر ''خلافت اکیڈمی'' (جسے ان کے کہنے کے مطابق ایک وقت پر ان کے ایک دوست نے مذاقاً ''خلافت ایک آدمی'' پڑھا تھا' یعنی اس وقت تھا ہی ایک گنگوہی جو خلافت کے حوالے سے کام کر رہا تھا) کا بورڈ چسپاں کر رکھا تھا۔ اب تو ''مرے رازداں اور بھی ہیں'' کے مصداق متعدد حلقے منزلِ خلافت کی طرف گامزن ہیں لیکن اس وقت مجھے کسی نے یہ تک کہہ ڈالا کہ ''خلافت کسی دوائی کا جنرک نام معلوم ہوتا ہے''۔

جیسے کہ اوپر ذکر ہوا ملازمت تیاگ کر کوئی نئی جماعت بنانے کا ارادہ نہ تھا' البتہ خواہش تھی کہ جو دینی جماعتیں اور افراد دینِ حق کی سربلندی کیلئے کوشاں ہیں انہیں ''کارِ قیامِ خلافت'' کی طرف لایا جائے۔ ایسی تنظیموں میں سے کئی نے میرے گھر پہنچ کر کوشش کی کہ میں ان کی جماعت میں شامل ہو جاؤں۔ ہر ایک کا خیال تھا کہ جو شخص اچھے بھلے عہدے کو دین کی خاطر چھوڑ کر گھر آ بیٹھا ہے' کام کا آدمی ہے۔ میں نے ان کی اس خواہش کو ایک اور طریقہ سے کیش کیا۔ میں نے بمشورہ مولانا خورشید احمد گنگوہی اور قاری عابد محمود قریشی اس وقت کی ایک معزز ہستی...... سید وصی مظہر ندوی کی معاونت سے مختلف تنظیموں کے سربراہان کو ترغیب دی کہ ایک تحریکی ادارہ بعنوان ''مجلسِ خلافت'' بنایا جائے جس میں ہر تنظیم کے دو افراد کو شامل کیا جائے۔ یہ مجلس بنی۔ اس کا متفقہ دستور بھی بنا۔ دستور میں ان جماعتوں' تنظیموں اور اداروں کی لسٹ بھی دی گئی جو ریکارڈ کیلئے ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔ کچھ افراد کو یعنی جن کی کوئی جماعت وغیرہ نہ تھی' انفرادی طور پر شامل کیا گیا:۔

Marfat.com

نمبر شمار	تنظیم	نامزد کردہ افراد
1	تحریکِ احیائے خلافت	مفتی غلام سرور قادری (سیکرٹری)
2	تحریکِ انقلاب اسلامی	ڈاکٹر محمود الرحمٰن فیصل
3	تحریکِ خلافت	چودھری رحمت علی
		مولانا خورشید احمد گنگوہی
		عابد محمود قریشی
4	تنظیمِ اسلامی پاکستان (بطور مبصر)	ڈاکٹر عبدالخالق
		عبدالرزاق
5	جمعیت اہلحدیث پاکستان	حافظ زبیر احمد ظہیر
6	نظامِ اسلام پارٹی	مولانا وصی مظہر ندوی (کنوینر)
		معین الدین شاہ
		ڈاکٹر جہانگیر شجاع
7	نقشبندیہ اویسیہ (تنظیم الاخوان)	مولانا محمد اکرم اعوان' تاج رحیم
8	متحدہ علماء کونسل	مولانا ملک عبدالرؤف
9	مجلسِ تحقیق اسلامی	مولانا عبدالرحمٰن مدنی (خزانچی)
10	انفرادی طور پر	جاوید احمد غامدی
11	" "	ڈاکٹر مرتضٰی حسن
12	" "	ریاض الحسن نوری
13	" "	سید خورشید احمد گیلانی
14	" "	مولانا سیف اللہ خالد

Marfat.com

مجلسِ خلافت کی متعدد نشستیں ہوئیں۔کوئی سال سوا سال کے بعد ٹاؤن ہال میں اس مجلس کا مشترکہ عوامی اجلاس ہوا۔اجلاس منعقد ہونے کے بعد مجلسِ خلافت بوجوہ آگے نہ چل سکی۔میں نے تو چونکہ کارِ قیامِ خلافت کو آخری سانس تک کرنے کا عزم کر رکھا تھا لہٰذا اس کو پہلے ''تحریکِ خلافت'' اور پھر ''عالمی تحریکِ خلافت'' کے عنوان سے ایک عرصہ تک جاری رکھا۔عالمی تحریکِ خلافت اپنی منزل کی طرف بھرپور انداز سے رواں دواں تھی کہ ایک موقع پر ''سبق پھر پڑھ'' کا کوئی شمارہ جیل میں جنرل (ر) ظہیر الاسلام عباسی صاحب کے ہاتھ لگا۔ان کے کہنے کے مطابق انہوں نے فیصلہ کیا کہ جیل سے رہائی کے بعد اس رسالے کے مدیر کو ملوں گا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ہم دونوں میں متعدد نشستیں ہوئیں جن کے نتیجہ میں ہم دونوں نے اکٹھے ہو کر ''تحریکِ عظمتِ اسلام'' کے عنوان سے کارِ قیامِ خلافت کو آگے بڑھانے کا عزم کیا۔اللہ کا شکر ہے کہ یہ کام بفضل اللہ تا دمِ تحریر پورے خلوص سے آگے بڑھ رہا ہے۔

چودھری صاحب کے فکر و تدبر اور اسلامی مطالعے نے آپ کو اس نتیجے تک پہنچایا کہ اس وقت امتِ مسلمہ کا زوال اس وجہ سے ہے کہ امت منتشر اور پراگندہ قومیات میں بٹ گئی ہے اور بحیثیت امت اپنا وجود کھو چکی ہے۔امت مرحوم کا شیرازہ ابتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امت نے اللہ کا نازل کردہ دین نافذ کرنے کی بجائے اپنے خود ساختہ ادیان' دساتیر و قوانین کی شکل میں نافذ کر رکھے ہیں۔جب تک ان بنیادی خامیوں کی اصلاح نہیں ہوتی امت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔اسی سوچ کے تحت آپ حضرات نے عالمی تحریکِ خلافت کی بنیاد رکھی اور اپنی خامیوں کی اصلاح کیلئے اپنی کوششوں اور کاوشوں کو وقف کر دیا۔

تحریک بنیادی طور پر اپنی مساعی کو اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی میں دو جہتوں پر مرکوز کیے ہوئے ہے۔

1- عالمی سطح پر امت کے افتراق و انتشار کو ختم کرنا۔اس کیلئے تجاویز و

Marfat.com

سفارشات مرتب کرنا۔ افتراق وانتشار کے اسباب تلاش کرنا اوران کے ازالے کیلئے کوشش و کاوش کرنا۔ الغرض دورِ خلافتِ راشدہ کی طرح کے دور کو بحال کر کے دینِ اسلام کی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنا۔

2- ملکی سطح پر سارے فساد کی جڑ غیر اسلامی دستور و قانون کا نفاذ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب بھی کسی برائی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو جواب میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ کام دستور کے مطابق کیا جارہا ہے۔ تحریک کی کوشش ہے کہ ملک میں رائج و نافذ قانون کو قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی قانون سے بدل دیا جائے۔ اور یہاں ہم نہایت خوشی اور مسرت سے مطلع کرتے ہیں کہ جناب راجہ ارشاد صاحب نے جو کہ سابق ڈپٹی اٹارنی جنرل ہیں' اس سلسلے میں تحریک کے ساتھ دامے' درمے' قدمے' سخنے تعاون وتناصر کی پرخلوص اور فراخدلانہ پیشکش کی ہے اور شخصی تعاون کے ساتھ ساتھ 60 کنال نہایت قیمتی اراضی اس مقصد کی خاطر وقف کر دی ہے۔ تحریک اپنی مالی تنگ دستی کی وجہ سے اس زمین پر فوری طور پر کوئی منصوبہ شروع نہیں کر رہی' لیکن اس کیلئے سوچ بچار کر رہی ہے اور مالی وسائل کی دستیابی کیلئے کوشاں ہے۔ خود راجہ صاحب جو کہ قرآن و سنت پر وسیع نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ملکی اور بین الاقوامی قوانین کے ماہر ہیں' کی زیرِ نگرانی ایک کمیٹی قائم کر دی گئی ہے' جس نے اپنے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ لہٰذا ایک بڑا کام جو تحریک اس وقت سرانجام دے رہی ہے وہ ہے ملکی قانون کا اسلامی سانچے میں ڈھالنا۔ اس کے علاوہ پانچویں جماعت سے یونیورسٹی کی سطح تک کا نصاب مرتب کرنے کیلئے بھی کام ہو رہا ہے۔

آیئے ہمارے ہاتھ سے ہاتھ ملایئے

تحریک عالمِ اسلام میں موجود تمام دردمند اور اصحاب فکر و نظر سے اپیل کرتی ہے کہ تحریک کی ان دینی اور اسلامی سرگرمیوں میں تحریک کا ہاتھ بٹائیں۔ ''تعاونوا علی البر والتقویٰ'' کا حکم اس کا تقاضا کر رہا ہے۔

Marfat.com

مدیرانِ جامعات ومدارسِ دینیہ کے نام کھلا خط

Marfat.com

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں، نظر میں، آذانِ سحر میں

Marfat.com

مدیرانِ جامعات و مدارسِ دینیہ کے نام کھلا خط

محترم مدیر صاحب، وطن عزیز میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی بھی باخبر آدمی سے مخفی و مستور نہیں۔ چند خاندان ہیں جنہوں نے جمہوریت جیسے لادینی' طاغوتی' شیطانی اور استحصالی نظام کے نام پر پورے ملک کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ آپ جیسے اہلِ علم و فضل اور اصحابِ فکر و نظر کو یہ بتانا کہ جمہوریت ایک سرتاسر حرام، لادینی اور باطل نظام ہے، سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ سب سے بڑھ کر ماتم اور سینہ کوبی کے قابل یہ المیہ ہے کہ جمہوریت کو ایک ایسا مقدس و محترم نظام سمجھ لیا گیا ہے کہ اب اس کے خلاف بڑے بڑوں کو یارائے سخن نہیں رہا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ دینی حلقے بھی نہ جانے کیا سوچ کر مادر زاد ننگے ہو کر اس بہتی گنگا میں نہانے کے لیے اتر پڑے ہیں۔ یونانی کھنڈرات سے برآمد کردہ یہ نظام اپنی اصل و اساس ہی سے ایک کافرانہ اور مبنی بر باطل نظام ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جمہوریت کے نزدیک حق و باطل کا معیار صرف ایک ہے' اور وہ ہے اکثریت اور صرف اکثریت۔ اگر اکثریت کسی بات پر متفق و متحد ہو جاتی ہے تو اس کے بعد نہ احکامات قرآن کی کوئی وقعت رہ جاتی اور نہ فرامینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حیثیت۔ برطانیہ کی پارلیمنٹ میں جب اکثریت اس بات پر متفق ہوگئی کہ ایک مرد دوسرے مرد سے اپنی جنسی تسکین و آسودگی حاصل کرسکتا ہے تو تالیوں کی گونج میں یہ قانون منظور کرلیا جاتا ہے۔

ہم بڑی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ آپ سے استدعا کرتے ہیں کہ خدارا سوچیے کہ اس غلط روی کی اصلاح کس کی ذمہ داری ہے؟ کیا ہم اس نظامِ باطل کا حصہ بن کر اس نظام کے علمبرداروں کے گناہوں میں شریک و شامل نہیں ہو رہے؟ کبھی آپ نے سوچا

Marfat.com

کہ ان ظالموں کے ظلم میں، ان خیانت کاروں کی خیانت کاری میں، بدکاروں کی بدکاری میں ہمارا تعاون وتناصر بھی شامل رہا، اور اب بھی ہے؟ کیا یہ اثم وعدوان میں تعاون نہیں؟

اور پھر ذرا سوچیے کہ کیا آج حکومتِ الٰہیہ کا قیام فرض وواجب نہیں رہا؟ اگر فرض وواجب ہے، اور یقیناً ہے، تو کیا آپ اِن لوگوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس فریضے کو سرانجام دیں گے؟ کیا ان لوگوں سے جو اسلام کی مبادیات تک سے واقف وآگاہ نہیں؟ خدا کی قسم ان کی عقلوں سے بہت بہتر عقلوں والے، علم والے، دین والے، تقویٰ وطہارت والے، بصیرت وادراک اور فہم وشعور والے حضرات گوشوں اور مساجد میں پڑے انکی چیرہ دستیوں اور دست درازیوں پر کڑھتے رہتے ہیں۔

آپ یقین کیجیے یہ ساری موجودہ صورتِ حال ہماری ماضی کی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔ اگر ہمارے اسلاف نے سیاستِ شرعیہ کے میدان میں خُم ٹھونک کر کام کیا ہوتا تو اسلامی تعلیمات اور احکامات نافذ ہو چکے ہوتے! ۔سیاسی، معاشی اور سماجی سطح پر برتری وبالادستی احکاماتِ اسلامیہ کو ہو چکی ہوتی۔ ہمارے سارے ملکی اور بین الاقوامی مسائل حل ہو چکے ہوتے کہ افراط وتفریط سے پاک نظامِ اسلام ہر عہد کے مسائل ومشکلات کے حل کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس وقت صورتِ حال ایسی ابتر ہو چکی ہے کہ اب اس کے سدھار کے لیے بہت بڑے پیمانے پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

محترمی، آپ نے کبھی غور کیا کہ یہی چند خاندان ہیں جو باریاں بدل بدل کر آتے ہیں اور ملک کے قیمتی وسائل کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے کھسوٹتے ہیں۔ اس لوٹ کھسوٹ میں مصروف کچھ تو اتنے بدنام اور قابلِ گرفت ہو جاتے ہیں کہ اُن کے لیے ملک میں رہنا ہی ممکن نہیں رہتا۔ لہٰذا وہ بیرونی ممالک کی طرف بھاگ جاتے ہیں جہاں وہ اور انکی آئندہ نسلیں عیش وعشرت اور فراغت وفراوانی کی زندگی گزارتی ہیں، اور کچھ دوسرے حضرات ملک

Marfat.com

ہی میں رہ کر دوبارہ اپنی باری کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔ اس کفر و باطل پر مبنی نظام کے تحت برسرِ اقتدار آئے لوگ آئی ایم ایف (انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ) ورلڈ بینک اور دوسرے عالمی مالیاتی اداروں سے اپنے ملک اور عوام کی ضرورتیں پوری کرنے کے نام پر قرض لیتے ہیں اور پھر کبھی یہ بتانے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ یہ قرض خرچ کہاں پر ہوا؟ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ قرض سود پر حاصل کیا جاتا ہے۔ ذرا سوچیے کہ کیا اس طرح برسرِ اقتدار لوگ پورے ملک کے عوام کو سود کی لعنت میں مبتلا کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کی جرأت و جسارت نہیں کرتے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ساری صورتِ حال کو بدلنا بہت مشکل اور کٹھن کام ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے اور معرکہ آراء کام آسان کب ہوا کرتے ہیں؟ کیا ہم اس صورتِ حال کے آگے ہتھیار ڈال دیں؟ یہی تو ابلیس اور ابلیسی نظام کے پرچم دار چاہتے ہیں کہ مومن جانباز سویا ہی رہے۔ یہ سویا رہے اور ہم ابلیسانہ ناچ ناچتے رہیں۔ اس نظام کو اور دنیا کے ہر باطل نظام کو اگر خطرہ ہے تو ہم جیسے درویشوں اور اسلام کے علمبرداروں ہی سے ہے۔ ایک سچا مومن زندگی کی غلط قدروں کے ساتھ کبھی مصالحت نہیں کرتا۔ یہ عذر تو وہ لوگ پیش کرتے ہیں جو ضعیف الایمان اور کمزور عزم و ارادے کے مالک ہیں۔ مسلمان کبھی ہوا کے رخ پر نہیں چلتا، وہ تو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ بہتے ہوئے دھارے کا رخ پھیر دے۔

حدیثِ کم نظراں ہے تو بازمانہ بساز\
زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ ستیز

آخر کوئی تو اٹھے جو نظامِ باطل کی شب تاریک کے اس سناٹے میں اذان دے! کوئی ایسا موذن اٹھے جس کے اندر روحِ بلالی موجود ہو! جس کی اذان سے پورا شبستانِ وجود لرزا اٹھے۔

Marfat.com

یہ سحر جو کبھی فردا ہے، کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندہ مؤمن کی اذاں سے پیدا

ہم جو اہلِ دین کہلاتے ہیں' اپنے مدرسوں میں اپنی آئندہ نسلوں کی تیاری و آبیاری کرتے ہیں' اگر آج سے اپنے زیرِ تعلیم بچوں اور اپنے زیرِ اثر احباب و متعلقین کی ذہن سازی شروع کر دیں تو صحیح تصور و تخیل پر مبنی نظام کی حقیقت فاش ہونے اور صحیح نظام کا تصور ذہنوں میں اجاگر و بیدار کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ آپ اور ہم بچوں کو علم تو دیتے ہیں لیکن آپ خوب جانتے ہیں کہ اُس علم کی کوئی قیمت نہیں جس کو معاشرے میں نافذ نہ کیا جا سکے۔

ذرا سوچیے کہ پورے ملک میں پھیلا ہوا دینی جامعات و مدارس کا یہ عظیم الشان اور پُر جلال و پُر شکوہ نیٹ ورک، اِن جامعات سے وابستہ و پیوستہ طلبہ و اساتذہ، اُن کے مریدین و متوسلین و متعلقین کا یہ عظیم الشان انبوہ اگر اٹھ کھڑا ہو تو اس سیلِ بے کراں کے سامنے کون بند باندھ سکتا ہے؟ ان کے عزم و استقلال کے سامنے یہ کافرانہ نظامِ حیات نقش بر آب ثابت ہو گا۔

کیا آپ اس بشارت و پیشین گوئی کو بھول گئے کہ اسلام کو پورے کرۂ ارضی پر پھیلنا ہے؟ ہر کچے پکے گھر میں داخل ہو کر رہنا ہے؟ ہم اس سے مایوس ہیں کہ کراچی' قاہرہ اور دمشق و مراکش میں اسلام کیونکر نافذ ہو گا' لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ مستقبل میں اسلام ماسکو' لندن' نیویارک' سڈنی اور ٹوکیو کا بھی مذہب بننے والا ہے؟ یہ تو ہونا ہی ہے' ہر حال میں ہو کر رہنا ہے کہ مخبرِ صادق ﷺ نے اس کی خبر دے دی ہے۔ پھر ذرا سوچیے کہ کیا ہی خوش قسمت اور لائق صدر شخص ہیں وہ لوگ جو اس کے لیے راہ کو ہموار و تیار کر رہے ہیں' اور اگر

Marfat.com

ہم آگے بڑھ کر اس میں اپنا حصہ نہیں ڈالیں گے تو قرآن نے بتادیا ہے کہ ﴿وان تتولوا یستبدل قوما غیر کم ثم لا یکونوا امثالکم﴾ اس آیتِ مبارکہ کی بہترین واقعاتی تفسیر جاننا اور سمجھنا ہو تو یہ دیکھ لیجیے کہ جب تک عربوں میں جذبہ جہد و جہاد زندہ رہا، وہ دنیا پر چھائے رہے۔ جب انہوں نے رُوکشی کی تو اللہ نے عربوں کو منظر سے ہٹا دیا اور ان کی جگہ ترکوں کو لے آیا۔ قرآن کے بیان کردہ اصول ابدی، حتمی اور قطعی ہیں۔ قدرت وفطرت کے مخفی ہاتھ آج بھی ان اصولوں کو نافذ و جاری کر رہے ہیں۔

محترمی، یہ یاس وقنوطیت کی موجودہ صورتِ حال جس سے ہم آج دوچار ہیں، یہ بھی تو خود ہمارے دشمنوں ہی کی پیدا کردہ ہے۔ مغرب کے ساحرانِ سیاست وثقافت نے ہمیں مسحور ومخمور ومبہوت کر دیا ہے۔ خدا کے لیے اس صورتِ حال سے اپنے آپ کو بچایئے۔

ذرا سوچیے کہ کیا ہم اُس نبی ﷺ کی امت نہیں ہیں جس نے تاریخ انسانی میں وہ عظیم انقلاب برپا کر دیا کہ تاریخِ انسانی ہی نہیں، تقدیرِ انسانی بھی بدل کر رکھ دی؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بدولت تھوڑے ہی عرصہ میں پورے جزیرۂ عرب کے اندر لوگوں نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ نہیں کر لی تھی؟ مشہور فرانسیسی جنرل نپولین بوناپارٹ کے بقول مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی ہی میں ملا دی گئیں تھیں۔ کیا اُنہی لوگوں نے جو نسل در نسل اپنے بت خانوں میں رکھی ہوئی مورتیوں کو پوجتے چلے آرہے تھے، خود اپنے ہاتھوں سے چن چن کر ایک ایک مورتی کو پاش پاش نہیں کر دیا تھا؟

کیا آج جمہوریت کا بتِ طناز اور نظامِ کفر و باطل کی دیویاں اتنی آہنی اور ناقابلِ شکست وریخت ہوگئی ہیں کہ ہم اپنے ایمانی بازوؤں کی پوری تاب وتوانائی سے بھی انہیں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتے؟

ذرا سوچیے !! خدارا سوچیے !!

Marfat.com

غلام قوم کے غلام سربراہ کی امریکی یاترا

Marfat.com

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

Marfat.com

غلام قوم کے غلام سربراہ کی امریکی یاترا

(اس دورے کی شرعی حیثیت)

میثاقِ مدینہ (دستورِ مدینہ) دنیا کی پہلی دستاویز ہے جو مختلف مذاہب کے درمیان طے پائی۔ یہ دستاویز کوئی 52 دفعات پر مشتمل ہے اور حدودِ مدینہ میں بسنے والے تمام گروہوں اور اہل الرائے کی مرضی اور منظوری سے تیار ہی نہیں باقاعدہ نافذ کی گئی۔ اس دستور کی دفعہ 44 جو ہمارے موضوع کے متعلق ہے درج ذیل ہے:

"اس دستورالعمل کے ماننے والوں میں اگر کوئی (آپس میں) ایسا تنازعہ یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس سے نقصان اور فساد کا اندیشہ ہو تو اس متنازع امر میں فیصلے کیلئے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنا ہوگا"۔

انسانی تاریخ میں یہ پہلی دفعہ ہے کہ جس میں عالمی سطح پر طے پایا کہ اسلام اور اسلام والے اعلیٰ تر ہیں صرف اس موقع کیلئے نہیں ہمیشہ کیلئے۔ غیرِ اسلام والوں کو پورا پورا حق ہے اپنے دین میں رہنے کا اور اپنی غیر اسلامی روش پر کاربند رہنے کا لیکن اللہ اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنے سے مراد ہے کہ وہ اسلام والوں کے تحت اور نسبتاً چھوٹے بن کر رہیں گے۔ قرآنِ مجید نے بھی اس کی تائید و تاکید کی ہے۔ فرمایا گیا:

"جنگ کرو اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں" (توبہ:29)۔

Marfat.com

یعنی جنگ کی یہ غایت نہیں کہ وہ دائرۂ اسلام میں آجائیں بلکہ غایت یہ ہے کہ ان کی خودمختاری اور بالادستی ختم ہوجائے اور ان کی وہ سکت چھین لی جائے جو کل کو اہلِ اسلام کو دین پر نہ چلنے دے جیسے کہ آج کی دنیا میں ہو رہا ہے۔ دنیا بھر میں خون بہہ رہا ہے تو مسلمان کا اور عصمت لٹ رہی ہے تو مسلمان کی۔ قصور ان کا یہ ہے کہ ''اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں''۔ اللہ و رسول ﷺ کے فرمودات کی رو سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ غیر اسلامی ملک کا سربراہ اسلامی ملک کے سربراہ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اس کے برعکس ہوا اور ایسا ہونا اللہ و رسول ﷺ کے احکامات کی صریحاً خلاف ورزی اور بنابریں سورۂ مائدہ کی آیات نمبران 45,44 اور 47 کے مطابق یہ کافرانہ، ظالمانہ اور فاسقانہ فعل ہے۔ ایسا کیوں ہوا کہ غیر مسلم بالا اور مسلمان پست' ذیل میں ہم ایسا ہونے کی وجوہات پر مختصراً روشنی ڈالتے ہیں۔

قرآنِ مجید کی اکثر آیات میں آیا کہ زمین و آسمان میں عطا کرنے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکت ہے۔ باقی سب اس کی مخلوق اور بنابریں اس کی محتاج ہے۔ قرآنِ مجید کی مذکورہ آیات کے مطابق دنیا میں فطری مقام تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ غیر مسلم اپنی عافیت و محافظت کے لیے اسلام والوں کو جزیہ ادا کرتے لیکن ہو رہا ہے تو یہ کہ مسلمان اپنے اوقات غیر مسلموں سے قرض لیکر پورے کر رہے ہیں اور بزبانِ حال اپنے نان و نوش کا یہ مستقل ذریعہ بنائے اسلام کی توہین کا نہ صرف باعث بنے ہوئے ہیں بلکہ خود کو ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈبوئے ہوئے ہیں۔ اللہ کا محتاج ہونے کی بجائے اس کے دشمنوں کا محتاج ہونا اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ یہ بھکاری نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی زد میں ہیں بلکہ شرک یعنی ایسے گناہ کے مرتکب ہیں کہ جو ناقابلِ معافی جرم ہے۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے' اس کے سوا سب کچھ معاف ہو سکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے شرک کا ارتکاب کیا تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا''

(النساء:116)۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی بجائے دنیا بھر میں کشکول اٹھائے پھرنا شرک کی بدترین صورت ہے۔اس میں کیا شک کہ ایک مسلمان ملک کے سربراہ کا مراعات ومفادات حاصل کرنے کی خاطر ایک غیر مسلم سربراہ کی خدمت میں جانے والا ہر قدم گناہ کا قدم ہے۔اللہ کا عرش تھرتھراتا ہے جب اسلام والے غیر اللہ کے دروازے پر گدایانہ دستک دیتے ہیں۔علامہ اقبالؒ نے اسی کو تو آزری قرار دیا ہے۔فرمایا:

بتوں سے تم کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور آزری کیا ہے

یہ اغیار کے دروازے پر جا دستک دینے والے بظاہر شاہی کے دعوے دار حقیقت میں اس بھکاری سے بدتر ہوتے ہیں جو ہر ایرے غیرے سے اللہ کا واسطہ دے کر یا اللہ رب العزت کی بجائے غیر اللہ کے آگے دست درازی کرنے والا اللہ کے غضب کو دعوت دے رہا ہوتا ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے اور یہ ایک بڑا سوال ہے کہ اہلِ پاکستان کو ہی نہیں دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ گدائی اور گداگری کرنی پڑ رہی ہے تو کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے زیرِ آسماں ذرائع و وسائل اور نعمتیں اور عطائیں جو مسلمانوں پر نچھاور کر رکھی ہیں دوسری کسی قوم کو اس کا عشر عشیر بھی نہیں دیا۔مسلم دنیا کا محلِ وقوع ایسا کہ دنیا بھر کی بری' بحری اور فضائی شاہرائیں اسلامی دنیا سے ہو کر گزرتی ہیں۔دنیا بھر کی بیشتر گزرگاہیں مسلم دنیا میں واقع ہیں' گو ان کی نالائقی کی وجہ سے ان گزرگاہوں پر قبضہ غیر مسلموں کا ہے۔پھر اسلامی دنیا کی آب و ہوا ایسی کہ سورج سارا سال کہیں نہ کہیں اس پر چمک رہا ہوتا ہے۔نتیجہ اس کا یہ کہ ہر طرح کی جنس اور پھل اور سبزی مسلم دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں پیدا ہو رہی ہوتی ہے۔بالفاظِ دیگر مسلم دنیا ان میں خود کفیل ہے۔آج کی دنیا کا سب سے بڑا ہتھیار یعنی معدنی تیل ٹھاٹھیں مارتا ہوا مسلمان سرزمینوں میں ہے۔ہموار اور زرخیز زمینیں مسلمانوں کے پاس ہیں۔سب سے بڑھ کر قرآن وسنت کے ابدی خزانے مسلمانوں کے پاس ہیں۔

Marfat.com

لمحۂ فکریہ اور اصل معاملہ جس کی ٹوہ لگائی جانی چاہیے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان عطاؤں اور عنایتوں کے علی الرغم امتِ مسلمہ ذلت و مسکنت کی گہرائیوں میں لڑھکتی پھر رہی ہے تو کیوں؟ ایسا نشیب وفراز واقع ہوا ہے تو کیوں؟ مسلمان جو ہماری اس دھرتی پر ایک وقت میں ''الاعلون'' رہے ہیں آج تھرڈ ورلڈ میں شمار ہوتے ہیں تو کیوں؟ تمام مسلم ممالک اگر کوئی متفقہ قرارداد بھی پاس کرلیں تو ''ویٹو نامراد'' کی ایک جنبش اس کی دھجیاں بکھیر دیتی ہے تو کیوں؟ بالفاظِ دیگر خطا ہوئی ہے مسلمانوں سے تو کونسی؟

اس ''کیوں'' اور ''کونسی'' کا جواب اس راز میں مضمر ہے کہ نبی کائنات ﷺ نے وہ کونسا فارمولا اور راستہ اختیار کیا کہ مسلمان 23 سال کے مختصر عرصہ میں دنیا بھر کے امام بن گئے تو ایسے کہ دنیا بھر میں زیرِ آسماں ان کے پائے کی کوئی دوسری طاقت نہ تھی۔ جزیرۂ عرب جس میں رسول اللہ ﷺ کو کام کرنے کا موقع ملا میں تین کثرتوں کی ریل پیل تھی۔ آپ ﷺ نے ان تین کثرتوں کو تین وحدتوں میں بدلا تو وہ ہمالہ قد تبدیلی واقع ہوگئی کہ وہ سرزمین جو صدیوں سے ہدایت سے محروم تھی رشد و ہدایت کا سرچشمہ بن گئی۔ وہ عرب جو گنوار اور اجڈ تھے اس عمرؓ جیسے راز داں اور قانون داں بن گئے کہ آج بھی مغربی دنیا کے کئی ممالک ''عمرلاء'' کے نام سے اس کی قانون دانی اور راز دانی سے استفادہ کر رہے ہیں۔ وہ فرقوں میں بٹے چھوٹی چھوٹی رسومات اور فروعات پر لڑتے تھے تو کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے دنیا والوں کیلئے سکون و راحت اور عزت و عظمت کے محافظ بن گئے۔

پہلی کثرت جو ریگزار عرب میں تھی بتوں کی تھی۔ بت افواج کی شکل میں تھے۔ ہر گھر میں بت تھے۔ ہر قصبے اور شہر کے مخصوص بت تھے۔ علاقوں اور خطوں کے بت تھے۔ اور تو اور 360 بت تو انہوں نے خانہ کعبہ میں سجا رکھے تھے۔ غرضیکہ رسول اللہ ﷺ جس خطۂ زمین میں مبعوث ہوئے وہاں لاتعداد مصنوعی خداؤں کے ڈنکے بج رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام جعلی بتوں کو مسمار کیا یہ اعلان کرتے ہوئے کہ اللہ صرف ایک ہے'

Marfat.com

وحدہٗ لاشریک ہے۔

دوسری کثرت سرزمینِ عرب پر رسومات وخرافات کی تھی۔ وہاں کی آبادی اَن گنت قبائل میں بٹی ہوئی تھی اور ہر قبیلے کی اپنی اپنی رسومات تھیں جو بسا اوقات ان میں نزاع کا باعث بن جاتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام رسومات کا قلع قمع کیا یہ اعلان فرماتے ہوئے کہ لوگو تم غلط جار ہے ہو' رسومات تو کیا قوانین کی بھی گنجائش نہیں' سرچشمۂ قانون صرف ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ واحد قانون یعنی قرآن ان کے ہاتھ میں تھمایا اور وہ اس طرح کہ جوں جوں قرآنِ مجید نازل ہوتا گیا' بغیر کسی ادنیٰ تاخیر کے نافذ کیا گیا۔ نتیجہ کے طور پر دو اٹل تبدیلیاں اس نزول ونفاذ سے ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ نیا نظام ...... نظامِ خلافت استوار ہوتا گیا اور دوسرے یہ کہ پہلے سے رائج فرسودہ و پراگندہ نظام چلتا بنا۔ ایک وقت آیا کہ وحی کی مزید ضرورت نہ رہی' سلسلۂ نبوت اختتام پذیر ہوا۔

تیسری کثرت قرآنِ کریم کے الفاظ میں ساداتوں اور وڈیروں (احزاب: 67) کی تھی۔ سینکڑوں مذہبی پیشوا اور قبائلی سردار تھے۔ یہ سردار اپنے اپنے قبیلے کے خدا بنے بیٹھے تھے۔ اعلانِ نبوت ہوا تو یہ کہ لوگو تم غلط جا رہے ہو۔ ان تمام وڈیروں سے اقتدار چھین کر ایک خلیفہ کے ہاتھ تھمایا تو وہ بے مثل اور سنہری دور معرضِ وجود میں آیا جسے دورِ خلافت راشدہ کا نام دیا جاتا ہے۔

سبق ملا رسول اللہ ﷺ سے لائی گئی اس تبدیلی سے تو یہ کہ جب بھی ایک اللہ' ایک قانون اور ایک سربراہ ہوگا خلافتِ راشدہ کے دور کا دور دورہ ہوگا۔ اور جب بھی اس کے برعکس یعنی جعلی خداؤں' انسان ساختہ رسومات وخرافات اور سربراہان کی بہتات ہوگی تو دورِ جہالت اپنی تمام جہتوں اور وسعتوں سے نمودار ہوگا۔

امتِ مسلمہ سے ہمالہ قد غلطی ہوئی تو یہی کہ سوختہ بختی وقت گزرنے کے ساتھ ان حاصل کردہ تینوں وحدتوں کو پھر کثرتوں میں بدل دیا گیا۔ ملاحظہ ہو اسلام پر کیا گزری؟

Marfat.com

اوپر بیان کیا گیا کہ پہلی کثرت بتوں کی تھی۔ یہ مصنوعی خدا نہ بولتے تھے' نہ کوئی پلاننگ کرتے تھے۔ نہ دھمکاتے تھے نہ اپنے پیروکاروں کو زیر کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ جدید دور کے مصنوعی خدا خواہ وہ ویٹو پاور کے حامل ہوں یا لوٹ کھسوٹ کر بڑے بنے ہوں اپنی خدائی کو اس طور پر منواتے ہیں کہ دیگر لٹے پٹے سربراہوں خصوصاً مسلمان سربراہوں کو ان کے چرنوں میں حاضر ہو کر اپنی غلامی اور مسکینی کا اظہار کر کے چند مراعات و نوازشات سے مستفید ہونا ہوتا ہے۔ حالیہ دورۂ امریکا اسی سلسلے کی کڑی تھا۔

دوسری یعنی قرآنِ مجید کی شکل میں حاصل کردہ وحدت کو بڑی ہوشیاری اور عیاری سے پھر اس طور بدل دیا گیا کہ باغبان بھی خوش رہے اور راضی رہے صیاد بھی۔ کم و بیش ہر مسلم ملک میں قرآنِ مجید کو شیلفوں میں سجایا یا متبرک سمجھتے ہوئے اور تعویز ٹونے وغیرہ کے لیے استعمال کیا۔ عدالتی و انتظامی امور طے کیے تو انسان ساختہ آئین و قوانین سے حالانکہ آئینی کتابچے بنانے کی اجازت ہی نہ تھی' قرآنِ مجید میں آیا:

''پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے آئینی کتابچے لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا (اسلامی) ہے تا کہ ایسا کرنے سے تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کیلئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی ان کے لیے موجب ہلاکت ہے'' (بقرۃ:79)۔

نظام تو انسان ساختہ کتابچوں اور قوانین سے چلایا جا رہا ہے لیکن دلیل یہ دی جاتی ہے کہ کئی ایک اسلامی قوانین بھی تو رائج ہیں۔ ان نادانوں کو یہ سوجھ نہیں کہ کچھ اسلامی قوانین اور کچھ غیر اسلامی قوانین کا ملغوبہ تو عذاب کی ایک شکل ہے۔ فرمایا گیا:

''تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصہ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے

Marfat.com

خبر نہیں جو تم کر رہے ہو" (بقرۃ:85)۔

تیسری کثرت جس سے قبائلی سرداروں سے اقتدار چھین کر ایک خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ تھمایا گیا یعنی وحدت کی شکل دی گئی تھی آج برعکس ہو گئی ہے تو اس طرح کہ خلیفۃ المسلمین کو چلتا کر کے آج امتِ مسلمہ پر کوئی 57 سربراہان مسلط ہیں۔ یہ قرآن وسنت کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ ایک وقت پر جب اسلامی دنیا مشرق ومغرب کے کناروں تک پھیل چکی تو ایک ہی خلیفۃ المسلمین کی سربراہی میں تھی۔ اسلامی دنیا تو ایک ملک کی حیثیت سے تھی، یہ مصر، شام، عراق، ایران وغیرہ تو اس مملکتِ واحدہ کے صوبے تھے۔ اغیار نے اس ملک کو مصنوعی لکیروں سے منقسم کیا اس لیے کہ ایسا کرنے میں ان کے مفادات مضمر تھے۔ جب ہم ایک اسلامی ملک، ایک امت اور ایک حکمران کی شکل میں تھے تو دنیا میں غلبہ مسلمانوں کا تھا، امریکہ کی 53 ریاستوں نے آج ایک صدر کے ہاتھ باگ ڈور تھما رکھی ہے تو دنیا میں غلبہ امریکیوں کا ہے۔ ہم ایک سے 57 بن گئے اور امریکہ 53 سے ایک بن گیا تو مغلوبیت ہمارا مقدر ٹھہرا اور غلبہ ایک والوں یعنی امریکا کا ہے۔

بڑی آسانی سے سمجھ آنے والا فارمولا ہے اگر ہمیں قرآن وسنت کے مطالبے کو پورا کرتے ہوئے دنیا میں غالب حیثیت حاصل کرنی ہے تو اس کا حل ایک ہی ہے کہ ہم معرضِ وجود میں آنے والی کثرتوں کو پھر وحدتوں میں بدلیں اور ایسا اسی شکل میں ممکن ہے کہ نظامِ خلافت کو بحال کر کے پوری دنیائے اسلام کو ایک ایسی مملکتِ واحدہ کی صورت دیں، جو ایک خلیفۃ المسلمین کی قیادت میں ہو اور جس کا آئین قرآن وسنت ہو۔ موجودہ درجنوں مسلم ممالک اس مملکتِ واحدہ کے صوبے ہوں۔ وقت آئے گا کہ کسی بھی طاغوتی ملک کے سربراہ کو چار و ناچار خلیفۃ المسلمین کے حضور حاضری دینی پڑے گی۔ ایسا ہونے میں کسی کی وجاہت اور کسی کی اہانت کا ذرہ بھر سوال نہیں اس لیے کہ ایسا نظام اللہ کا وضع کردہ اور رسول ﷺ کا آزمودہ ہے۔ انسانیت کی بھلائی اور بڑائی اسی میں ہے۔

Marfat.com

اسلامی یا جمہوری طرزِ انتخاب، منزل ہے کہاں تیری؟

Marfat.com

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلماں کدھر جائے

Marfat.com

اسلامی یا جمہوری طرزِ انتخاب' منزل ہے کہاں تیری؟

زندگی میں کئی سوالات و معاملات سے واسطہ پڑا البتہ دو سوالات ایسے ہیں کہ ان کے جوابات ڈھونڈنے کیلئے عمر کا ایک وافر حصہ صرف کرنا پڑا۔ کالج کی پڑھائی اور پھر پہلے محکمہ اریگیشن پھر واپڈا کی ملازمت کے دوران میں جو اہم سوال ذہن کے دریچوں پر دستک دیتا رہا وہ یہ تھا کہ امتِ مسلمہ آج کی دنیا میں مغلوب ہے تو کیوں؟ تعلیماتِ قرآن کے مطابق بڑا واضح ہے کہ ''مسلمان ہو اور دنیا میں مغلوب ......ایک تضاد ہے''۔ علامہ اقبالؒ نے ایک وقت پر برملا کہا تھا کہ ''اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے''۔ پھر ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی مشکل سے آخر وہ شاہیں زیرِ دام آیا

بالکل اسی طرح مذکورہ سوال کا جواب برسہا برس بعد 1982ء میں سورۂ نور کی آیہ مبارکہ نمبر 55 کو پڑھتے وقت دوٹوک سامنے آیا۔ فرمایا گیا:

''اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے' ان کیلئے ان کے اس دین کو غالب کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا''۔

یعنی تین مرحلے ہیں' پہلے نظامِ خلافت قائم ہو' پھر غلبۂ دین اور پھر انسانیت کے لئے برکات و ثمراتِ دین کی باری آتی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ اگر کسی درخت کے پھل کھانے ہوں تو وہ اس ایک صورت ہی میں ممکن ہے کہ شاخوں سے پہلے تنا ہو اور تنے سے پہلے جڑ ہو۔ اسوۂ رسول ﷺ سے بھی یہی ترتیب اخذ ہوتی ہے۔ مکہ میں کی گئی محنت سے مدینہ جاتے ہی پہلے نظامِ خلافت اس وقت قائم ہوا جب 4 مربع میل پر مشتمل پہلے ایک ریاست معرضِ وجود میں آئی' پھر

Marfat.com

غزوات سے واسطہ پڑا جس کے نتیجے کے طور پر ایک وقت پر پورے جزیرۃ العرب میں اسلام بطورِ غالب طاقت نمودار ہوا اور تیسرے مرحلے پر دنیا والوں نے برکات وثمرات سے استفادہ کیا۔ عملی طور پر کیا تبدیلی آئی؟ رسول ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو جہالت کا دور دورہ تھا اور دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت جب قرآن وسنت پر مبنی نظام رواں دواں تھا۔

نظامِ خلافت کو قائم کرنے کیلئے پرانے نظام کو مسمار اور نئے نظام کو استوار کرنا پڑا۔ جب میرے دل نے گواہی دی کہ اسوۂ رسول ﷺ کا یہ مطالبہ ہے کہ پہلے سے موجود نظام کا حصہ بن کر اسے تقویت دینے کے ساتھ نئے نظام کو لانے کی حماقت نہ کی جائے تو استعفیٰ دے دیا اور اس استعفےٰ میں لکھا کہ دنیا بہت کما لی اب باقی عمر کا حصہ آخرت کمانے میں صرف کروں گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس لکھے پر بفضلہ تعالیٰ تا تاریخ قائم ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخری دم تک قیامِ خلافت کے مسنون طریقے پر قائم دائم رکھے۔

مشکل تھا اس وقت ملازمت سے فارغ ہونا۔ میں اس وقت بیسویں گریڈ کی آخری انکریمنٹ لے چکا تھا اور ابھی میری سروس چند سال رہتی تھی۔ کچھ عرصہ دقت بھی محسوس کی کیونکہ تمام بچے زیرِ تعلیم تھے۔ لیکن اس ''کچھ عرصے'' کے بعد جو دن چڑھا پہلے دن سے بہتر چڑھا' مالی طور پر ہی نہیں علمی اور روحانی طور پر بھی۔

میدانِ عمل میں داخل ہوا تو زندگی کے دوسرے بڑے مسئلے سے دوچار ہوا۔ کچھ لوگ انتخابی سیاست کے ذریعے اسلامی نظام قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے تو کچھ انقلابی سیاست کے ذریعہ سے۔ دونوں طرح کے قائدین نے دعوت دی لیکن سوچا کہ پہلے یہ پتہ کروں کہ یہ انتخابی اور انقلابی کی آخر حقیقت کیا ہے؟ مطلب یہ کہ قرآن وسنت کا اس کے متعلق موقف کیا ہے؟ میں نے اللہ کی دی ہوئی توفیق سے اس مسئلے پر یوں جیسے مورچہ باندھ کر کام کیا ہے۔ ضروری ٹھہرا کہ اس تحقیق کے نتائج کو اہلِ علم و دانش کے سامنے استفادے کیلئے پیش کروں۔ جھجک جو آڑے آئی تو یہ کہ انتخابی اور انقلابی سیاست کو جب کھنگالا گیا تو اس میں ان افراد اور جماعتوں کا بھی ذکر

Marfat.com

آیا جو ایک عرصے سے کسی نہ کسی طور اسلامی نظام لانے کی کوشش میں مصروف تھیں اور ہیں۔ زیرِ بحث مسئلے پر جو ذکر آئے گا تو کچھ ایسی مبارک ہستیوں کے نام بھی آئیں گے کہ جن کو سر کا تاج سمجھتا ہوں۔ ایک تو اس لیے کہ وہ کام ہی ایسے میں مصروف ہوئے جو انبیاءؑ کا طرۂ امتیاز ہے اور دوسرے اس لیے کہ ان میں سے بعض تو استاد کی حیثیت رکھتے تھے' بہت کچھ سیکھا ہے ان سے۔ حلفاً عرض کرتا چلوں کہ بظاہر تنقید لیکن اصل میں مطمحِ نظر تصحیح ہے۔ ظاہر ہے تنقید برائے تنقید اور تنقید برائے تصحیح میں بڑا فرق ہے۔

بات کا آغاز جماعتِ اسلامی کے اس اجتماع سے کرتے ہیں جو پاکستان کے چھوٹے سے قصبے ماچھی گوٹھ میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی صدارت میں ہوا۔ بڑی محنت سے تیار کردہ ایک منظم و مربوط جماعت اس موقع پر دولخت ہوگئی۔ ایک حصہ جس میں امین احسن اصلاحیؒ ڈاکٹر اسرار احمدؒ عبدالرحیم اشرفؒ اور دوسرے کئی اکابرین شامل تھے' مصر تھے کہ جماعتِ اسلامی سابقہ نہج یعنی انقلابی طرزِ سیاست پر گامزن رہے جبکہ دوسرا حصہ خود سید مودودیؒ کی قیادت میں انتخابی طرزِ سیاست میں کود پڑا۔ ان دو انداز ہائے سیاست کا اقامتِ دین کے کام میں در آنا ایک ہمالہ قد تبدیلی تھی جس کے دور رس نتائج صرف پاکستان نہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پوری دنیا پر مرتب ہوئے اور آج تک ہو رہے ہیں۔

اس انقلابی اور انتخابی قضیے کی اصل کو سمجھنے کیلئے' ظاہر ہے' اس جدوجہد کو دیکھا جانا چاہیے جو مکہ و مدینہ میں کی گئی۔ اس لیے کہ ایسے معاملے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اگر تمہارا کسی معاملہ میں نزاع پیدا ہو جائے تو اسے اللہ و رسول ﷺ کی طرف پھیر دو'' (نساء:59)۔ کچھ دانشوروں کا یہ خیال کہ اسلام نے نظام کی تبدیلی کیلئے کوئی طریقہ دیا ہی نہیں' سخت بھول کا مظہر ہے۔ دورِ نبوت کا تو نچوڑ ہی جیسے اوپر بیان ہوا نظام کی تبدیلی ہے۔ دورِ جہالت کو دورِ خلافت میں بدلا گیا تو آخر کوئی طریقہ تو اپنایا گیا۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ تبدیلی نظام کیلئے جو تگ و دو مکہ میں کی گئی وہ انقلابی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ رسول ﷺ کی موجودگی میں

Marfat.com

انتخابات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور دوسرے اس لیے کہ اسلامی طرزِ انتخاب صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے جب انتخاب کرنا وہاں مطلوب ہو جہاں اسلام صرف انتخابات میں ہی نہیں، زندگی کے ہر دائرۂ کار میں سرایت کر گیا ہو۔ بالفاظِ دیگر جہاں اسلام نافذ ہو یعنی وہ خطۂ زمین اسلامی ہو۔ مکہ میں چونکہ اسلام نافذ نہیں ہوا تھا لہٰذا اسلامی طرزِ انتخاب کا کیا سوال؟ مدینہ پہنچتے ہی جب ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست وجود میں آ گئی تھی تو اسلامی طرزِ انتخاب کو اپنایا جا سکتا تھا لیکن رسول ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تک نہ اپنایا گیا تو اسی لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی موجودگی میں انتخابات کا کوئی سوال نہ تھا۔ ہاں دورِ خلافتِ راشدہ کا آغاز ہی ہوا تو انتخابات سے لیکن اپنایا گیا تو اسلامی طرزِ انتخاب، یہودی یا جمہوری طرزِ انتخاب کا سوچا تک نہ گیا۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی از حد ضروری ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس کے متعلق ایسا سوچنے سے کہ یہ انتخابات کے متعلق خاموش ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و حاکمیت پر حرف آتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے جب فرما دیا کہ "آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا" (مائدہ:3) تو یہ سوچنا کہ کوئی کمی رہ گئی جسے صدیوں بعد کسی نامراد جمہوریت سے پوری کیا جائے گا صرف ایک غیر معقول بات ہی نہیں قیامت کو اللہ تعالیٰ سے بغاوت گردانا جائے گا۔

ماخوذ ہوا مکہ و مدینہ میں کی گئی سیاست سے تو یہ کہ جب تک کسی ملک میں اسلام نافذ نہ ہو جیسے کہ ہمارے ہاں پاکستان میں ہے تو انقلابی طرزِ سیاست کو اپنانا مسنون ہے لیکن جب اللہ کرے یہ مسلم ملک سے ایک اسلامی ملک کی حیثیت اختیار کر جائے تو پھر جب دوسرے دائرہ ہائے زندگی میں اسلام کا دور دورہ ہوگا حکومت بھی استوار ہوگی اور استوار رہے گی تو انتخابی طرزِ سیاست سے۔ مطلب ہوا تو یہ کہ جب تک ملکِ عزیز پاکستان میں اسلام نافذ نہیں ہوتا طریقہ انقلابی ہی رہے گا اور جب بطورِ اسلامی ملک معرضِ وجود میں آ گیا تو طرزِ سیاست انتخابی ہوگا۔ لیکن جب بھی انتخابی ہوگا، اسلامی انتخابی ہوگا نہ کہ جمہوری انتخابی۔

ماچھی گوٹھ میں جو واقعہ ہوا وہ دلخراش ہی نہیں دلدوز اور دل شکن بھی تھا۔ چاہیے تو یہ تھا

Marfat.com

کہ وہاں پر جدا ہونے والے دونوں حصے متحد رہ کر اسلامی نظام نافذ کرتے یعنی مسلم ملک کو اسلامی بناتے۔ جب متفقہ کوششوں سے اسلامی نظام معرضِ وجود میں آ جاتا تو اسلامی طرزِ انتخاب اپناتے۔ ماچھی گوٹھ میں انتخابی اور انقلابی سیاست کی بحث تھی ہی لاحاصل۔ اصل معاملہ تو اسلامی یا جمہوری طرزِ سیاست کو اپنانے کا تھا۔ اسلامی طرزِ سیاست کے حق میں فیصلہ ہوتا تو دولخت ہونے کا' جیسے کہ ہم ابھی ذکر کریں گے' کوئی سوال ہی نہ تھا۔

انقلابی طرزِ سیاست اختیار کرنے والے حصے کا تو ہم ذکر بعد میں کریں گے' انتخابی طرزِ سیاست اپنانے والوں سے اس اہم موڑ پر پے در پے متعدد لغزشیں ہوئیں۔ پہلی لغزش یہ کہ جس دور میں اسوۂ رسول ﷺ کو مدنظر رکھتے ہوئے سابقہ یعنی انقلابی طرزِ سیاست کو ہی جاری رکھنا چاہیے تھا' بھول کر انتخابی طرزِ سیاست کو اپنایا گیا۔ دوسری لغزش یہ کہ جب یہ انتخابی راستہ اختیار کرنے والے حضرات میدانِ عمل میں اترے تو رسمِ زمانہ کی پیروی کرتے ہوئے جمہوری طرزِ سیاست کو اپنایا۔ بھول گئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دورِ نبوت کو پایہ تکمیل تک پہنچتے وقت اعلان فرمادیا کہ "آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے" تو طرزِ سیاست کا بھی ظاہر ہے' اہتمام کر دیا تھا' گنجائش نہ چھوڑی تھی کہ صدیوں بعد کوئی جمہوریت آ ٹپکے گی تو طرزِ سیاست اسی کا اپنانا۔ جمہوری طرزِ سیاست یا جمہوریت کا ذکر آیا تو یہ جاننا از بس ضروری ٹھہرا کہ یہ جمہوریت آخر ہے کیا بلا؟ جمہوریت ایک ایسا نظامِ زندگی ہے جو یونان کے کھنڈرات سے برآمد کیا گیا تین نمایاں مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے۔ ایک تو اللہ کی مرضی کی بجائے من مرضی کرنے کیلئے۔ دوسرے اسلام کا توڑ یعنی اسلام کو مسمار کرنے کیلئے اور تیسرے غرباء کو اقتدار سے محروم رکھنے کیلئے۔ یعنی کوئی غریب خواہ کتنا بھی اہل' دانشمند اور ذی روح کیوں نہ ہو حکمرانی کے خواب تو دیکھ سکتا ہے حکمران کبھی نہیں بن سکتا۔

من مانی کا نظام معرضِ وجود میں نہیں آ سکتا تھا جب تک اللہ سے حاکمیت چھین کر بندوں کے ہاتھ نہ تھمادی جائے۔ ایسا ہی کیا گیا اور فارمولا اپنایا گیا تو یہ کہ جو کوئی پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت حاصل کرے جسے چاہے حلال اور جسے چاہے حرام قرار دے دے۔ یہی حاکمیت کا

Marfat.com

چھینا جانا ہے اس لیے کہ قرآن وسنت کے مطابق یہ حلال اور حرام قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے نکل کر مخلوق کی حاکمیت کا تصور انسانی بغاوت ہے اور ڈٹ کر۔ ہم نے اوپر جمہوریت کیلئے نامراد کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ بھی کہ انسان ساختہ نظام' قرآن وسنت کے نظام یعنی اسلام کا مدمقابل ہے خواہ وہ اشتراکیت ہو' آمریت ہو یا جمہوریت وغیرہ۔ یہ نظام اتنے پلید اور نجس ہیں کہ زبان پر آتے ہی کلی کر لینی چاہیے۔

تیسری لغزش یہ کہ جب جمہوریت یعنی نظامِ باطل کو اسلام کے ساتھ ملا کر اسلامی جمہوریت کو معرضِ وجود میں لایا گیا تو قرآنِ مجید کی اس آیۂ مبارکہ کی زد میں آ گئے جس میں فرمایا گیا کہ "حق کو باطل سے نہ ملاؤ" (بقرۃ:42)۔

چوتھی لغزش یہ کہ ایک خاتون یعنی فاطمہ جناح کو ایوب خان کے مقابل کھڑا کر کے اس کی کامیابی کیلئے مقدور بھر کوشش کی گئی۔ پانچویں لغزش یہ کہ جب ایوب خان نے جملہ ارکانِ جماعتِ اسلامی کو پابندِ سلاسل کیا اور جماعت کے تمام دفاتر پر قفل چڑھا دیئے تو نظامِ باطل میں اپیل دائر کر دی۔ اندرونِ ملک ہی نہیں بیرونِ ملک بھی اس وقت جماعتِ اسلامی کا امیج عروج پر تھا۔ کاش ڈٹ جاتے کہ ہم جیل سے نہیں نکلیں گے جب تک اسلامی نظام قائم نہیں ہو جاتا تو دو چار سالوں میں یقیناً مطلوبہ نظام معرضِ وجود میں آ جاتا' نیلسن منڈیلا تو 27 سال کال کوٹھری میں ڈٹا رہا۔ نکلا تو نسلی امتیاز کا قلع قمع کر کے۔ چھٹی لغزش یہ کہ اسلامی جماعت نے جمہوری نظامِ باطل میں کود کر یعنی اس کا حصہ بن کر اسے پروموٹ کرنے کی پہل کی۔ اگر یہ اس سے متنفر ہونے کی پہل کرتی تو پھر دوسری کوئی بھی جماعت اس گندگی کے گٹر میں چھلانگ نہ لگاتی۔ اس وقت سے لیکر آج تک ہمارے ہاں کی دنیا ہی مختلف ہوتی۔

دل صد چاک اور غمگین ہے یہ بیان کرتے ہوئے کہ لغزشوں کا دلخراش سلسلہ اور بھیانک یوٹرن اس عظیم ہستی کی موجودگی میں ہوا جس نے دنیا والوں کو اس وقت بیدار کیا اور تبدیلی نظام اور بحالی نظامِ قرآن وسنت کا درس دیا جب ایک لمبا عرصہ دورِ ملوکیت اور دورِ غلامی نے ایسے تصور ہی کو جبر

Marfat.com

وگمراہی کی دبیز تہوں میں چھپا رکھا تھا۔ صاحبِ تفہیم القرآن' عظیم مفکر' کوہِ عزم و ہمت' استاذِ محترم سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا یہ ناواجب یوٹرن اس عورت کے کیے گئے عمل کے مثل واقع ہوا جو رات بھر کاتتی رہی اور صبح ہوتے ہی اپنے تمام کاتے کو ادھیڑ بکھیر کر رکھ دیا۔ محنت و حکمت سے تیار کردہ ایک انتہائی منظم جماعت اس وقت پٹڑی سے اتر گئی' آج تک اتری ہوئی ہے۔ اس کی توانائیاں اور صلاحیتیں جمہوریت جیسے اسلام مخالف نظام کو پروموٹ کرنے میں صرف ہو رہی ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ اسلام کی سبکی کا باعث بن رہی ہیں۔ بڑا قیمتی اثاثہ ہے اسلام کی یہ جماعت' دعا ہے ایک اور یوٹرن لے اور وہی مسنون طرزِ سیاست اپنائے جو اس نے ایوب دور سے پہلے اپنا رکھا تھا۔

ماچھی گوٹھ میں علیحدہ ہو کر انقلابی طرزِ سیاست اپنانے والوں میں امین احسن اصلاحیؒ ڈاکٹر اسرار احمدؒ عبدالرحیم اشرفؒ وغیرہ جیسی متعدد صاحبانِ فکر و نظر اور اہلِ عقل و دانش کی سی عظیم ہستیاں تھیں۔ علیحدہ ہونے کے بعد باقی حضرات تو نشر و اشاعت کے کام میں مصروف ہو گئے' ایک ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے تحریکی کام کا بیڑا اٹھایا۔ ڈاکٹر صاحب کی عظمت کو سلام' انقلابی طرزِ سیاست کو اپنایا تو یہ محسوس کرتے ہوئے کہ امتِ مسلمہ کا زوال قرآن سے دوری کی وجہ سے ہے' اپنی جدوجہد کا عنوان ہی رجوع الی القرآن رکھا۔ پھر کیا تھا ہر طرف قرآن قرآن کی صدا گونجی۔ قرآن کالج اور متعدد قرآن اکیڈمیاں قائم کیں لیکن انسان پھر انسان ہے' لغزش ہو گئی۔ اس لغزش کو سمجھنے کیلئے پھر دورِ نبوت کی ورق گردانی کرتے ہیں۔

رسول ﷺ جو تبدیلی لائے تو اپروچ یک نکاتی تھی اور وہ تھی قرآنِ مجید کا نفاذ۔ جوں جوں قرآنِ مجید نازل ہوتا گیا معاً یعنی بغیر کسی تاخیر کے نافذ ہوتا گیا۔ دو تبدیلیاں واقع ہوئیں اس نفاذ سے۔ ایک تو نیا نظام...... قرآن و سنت کا نظام استوار ہوتا گیا اور دوسرے جو پراگندہ و فرسودہ نظام پہلے سے تھا اس کا قلع قمع ہوتا گیا۔ دورِ نبوت کا ذکر ہو تو ہماری نگاہ صرف ان مصائب و مشکلات پر پڑتی ہے جو رسول ﷺ کو نفاذِ قرآن کی وجہ سے پیش آئیں۔ رسول ﷺ اور صحابہؓ کو ان مراحل سے گزرنا پڑا جس کا ذکر ڈاکٹر مرحوم اکثر کرتے تھے اور بجا کرتے تھے۔ قرآنِ مجید نافذ نہ

Marfat.com

کیا جاتا تو ان مصائب ومشکلات سے واسطہ نہ پڑتا۔

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ کسی بھی ملک کا نظام وہاں پر اپنائے گئے آئین کا پروڈکٹ ہوتا ہے۔ آئین اگر اشتراکی ہو تو نظام اشتراکی' آئین اگر جمہوری تو نظام جمہوریت اور آئین اگر قرآن وسنت ہو تو نظام خلافت۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب ہمارے ہاں اختیار کیے گئے انسان ساختہ کتابچے کی بجائے قرآنِ مجید کو آئینِ مملکت بنانے کی جدوجہد کرتے۔ دورِ نبوت گواہ' قرآنِ حکیم خوب جانتا ہے کہ اسلامی نظام کیسے لانا ہے۔ اسلامی نظام کا مطلب ہے کہ زندگی کا ہر شعبہ اور دائرۂ کار قرآنی احکامات پر مبنی ہو۔ ایسا تبھی ممکن ہے کہ قرآنِ مجید ہی آئینِ مملکت ہو۔ قرآنِ مجید کو طاقوں میں سجا کر انسان ساختہ کتابچے سے امور مملکت چلانے کا مطلب غیر اسلام سے سمجھوتہ بلکہ اسے پروموٹ کرنا ہے۔ لغزش کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ تک موقف اختیار کیا کہ اگر موجودہ آئینِ پاکستان میں فلاں فلاں تبدیلی کر دی جائے تو وہ اسلامی ہو جاتا ہے۔ بھول گئے کہ جس میں تبدیلی ہو سکے وہ مسلمانوں کا آئین ہوتا ہی نہیں (لا مبدل لکلمتہ) اس لیے کہ بچوں کا کھلونا ہو گا ایسا آئین جس میں ایک حکمران آئے گا تو اپنی مرضی کی ترامیم کرے گا اور دوسرا آئے گا تو اپنی مرضی کی۔ یہی کچھ ہو رہا ہے جب سے پاکستان بنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ترامیم والے کیا گل کھلائیں گے' اس نے انسانی ہاتھوں بنے کتابچے کی بھرپور ممانعت کر دی۔ فرمایا:

''پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا ہوا (اسلامی) ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کیلئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کیلئے موجب ہلاکت ہے'' (بقرۃ:79)۔

یاد ہو گا کہ عین دورِ نبوت میں کچھ نادانوں نے دعویٰ کیا کہ وہ بھی قرآن جیسی آئینی

Marfat.com

کتاب بنا سکتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں چیلنج دیا گیا کہ چلو لاؤ بنا کر یہ واضح کرنے کیلئے کہ کوئی آئینی دستاویز بنانا انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ وہ تو اس دور میں اس چیلنج پر پورا نہ اتر سکے' یہ جسارت بلکہ حماقت کر رکھی ہے تو ہمارے ہاں کے دانشوروں نے۔

تلاش حق اور اعلانِ حق کے بعد نفاذِ حق کا مرحلہ ہوتا ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب اپنی بے مثل دوسری تگ و دو کے ساتھ نفاذِ قرآن یا دوسرے لفظوں میں قرآنِ مجید کو آئینِ پاکستان قرار دینے کو بھی شامل کر لیتے تو آج تک کافی سفر طے ہو چکا ہوتا بلکہ بعید نہیں کہ اسلامی نظام کا قیام ایک حقیقت بن گیا ہوتا۔

پس چہ باید کرد گو ملکِ عزیز پاکستان میں تا تاریخ ہم بہت کچھ کھو چکے لیکن ابھی بھی صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے کے مصداق جماعتِ اسلامی اور تنظیمِ اسلامی باہم ایک ہو کر اس ملک میں انسانی ہاتھوں لکھے کتابچے کی بجائے قرآنِ مجید کو آئینِ پاکستان بنانے میں تن من دھن کی بازی لگا دیں تو راقم اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ انشاء اللہ اور بہت سی دوسری جماعتیں بھی اس قافلے میں شامل ہو جائیں گی۔ قرآنِ مجید کو دستورِ مملکت بنانے میں دورِ نبوت میں بھی مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا' آج بھی کرنا پڑے گا لیکن کوئی مضائقہ نہیں۔ نبی کائنات ﷺ اور صحابہؓ کی کوششیں' محنتیں اور قربانیاں بالآخر اس دور میں کامیاب ہوئیں' کوئی وجہ نہیں کہ ایسی ہی مخلصانہ کوششیں آج بار آور نہ ہوں۔ نصرتِ ایزدی منتظر ہے کوئی مستحق آگے بڑھے۔

آخر میں ایک دفعہ پھر گزارش کر دوں کہ یہ معروضات ایک عرصہ سے میرے ذہن میں گردش کرتی رہیں۔ برملا پیش نہ کر سکا۔ جھجک تھی تو یہی کہ میری اس تصحیحی کوشش کو محض تنقید نہ سمجھ لیا جائے۔ حوصلہ ملا تو دو باتوں سے' ایک تو ایک خاتون کی ایک دفعہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کی تصحیح کرنے سے اور دوسرے ڈر گیا کہ قبر میں یہ باتیں ساتھ لے گیا تو کہیں کتمانِ حق کی زد میں نہ آ جاؤں۔

Marfat.com

مغربی فکر کی یلغار اور امتِ مسلمہ

Marfat.com

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بیگانۂ مضراب

Marfat.com

مغربی فکر کی یلغار اور امتِ مسلمہ

بعثتِ رسول ﷺ اور آپ ﷺ کو عطا کیے ہوئے دین کی نشر و اشاعت سے تشکیل پانے والی امتِ مسلمہ اپنے آغاز سے ہی ابتلا و آزمائش کا شکار ہے۔ نت نئے حربوں اور سازشوں کے ذریعے اس امت کو مٹانے یا اس میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور اس کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد جب مسلمانوں کے عقائد میں ضعف اور معاملات میں دیانت کا پہلو کمزور ہونے لگا تو اس کے ردعمل کے طور پر ان کے اجتماعی معاملات اور سود و زیاں کے فیصلے ان شاطر لوگوں کے ہاتھوں میں چلے گئے جو ظاہری وضع قطع سے تو مسلمان تھے مگر ان کے قلوب حرص و ہوس اور منصب اقتدار کے حصول میں ڈوبے ہوئے تھے اور اس کی طلب میں وہ اسلام کے ہر حکم سے سرتابی کرنے کو تیار رہتے تھے۔ مسلمانوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغرب کی جارح، مادہ پرست اور مادر پدر آزاد تہذیب کی حامل قوم اسلام کی الہامی اور پاکیزہ تہذیب کا حلیہ بگاڑنے کیلئے اپنی پوری عسکری اور فکری قوت کے ساتھ حملہ آور ہو گئی۔

یہ باطل قوتیں توپ و تفنگ سے حق و صداقت کی ایمان افروز قوتوں کو مٹا نہ سکیں تو انہوں نے پینترا بدلا اور امتِ مسلمہ کی قوت ایمانی اور جذبہ سرفروشی کو مٹانے کیلئے اس پر اپنی فکری اور نظریاتی یلغار کر دی۔ جس کا تسلسل عرصۂ دراز سے تارِ عنکبوت کی طرح اس امت کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے اور یہ سب کچھ اچانک نہیں ہوا، بلکہ اپنی فکری اور نظریاتی گمراہیوں کو زیادہ زود اثر بنانے کیلئے اسلام دشمن قوتوں نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا۔ مستشرقین نے فلسفۂ اسلام کو سمجھنے میں برسوں کھپا دیئے۔ تحقیق و تصنیف اور تعلیماتِ قرآنی اور سیرتِ رسول ﷺ پر برسوں عرق ریزی کی۔ اس محنت کے نتیجے میں وہ اسکالرز اور محققین تیار ہوئے جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی شامل رہے، چونکہ تدریس و تعلم کے ضمن میں جو مواد پڑھایا گیا وہ یہودی اور عیسائی مفکرین اور

Marfat.com

اسکالرز کا مرتب کیا ہوا تھا' اس لیے مسلم طلبہ بھی اسلام کے خلاف مواد میں بھرے زہر کو پہچان نہ سکے اور اسلام کی تعبیر و تشریح اس زاویے اور نقطۂ نگاہ سے کرنے لگے جو باطل کا مطمع نظر تھا۔ انہوں نے بھی اسلام کی تشریح اپنے افکار و نظریات کے زیر اثر کی۔ عناد و تعصب کی عینک لگا کر کسی چیز کا مشاہدہ کیا جائے یا اپنی کم فہمی اور دقیقہ سنجی کو کام میں نہ لایا جائے یا کسی دوسرے کی فکری مرعوبیت کے زیر اثر پڑھا اور سمجھا جائے تو نتیجہ حقائق کے برعکس ہی نکلتا ہے' خواہ وہ قرآن کے مطالعے سے ہی مستنبط کیوں نہ کیا گیا ہو۔ اس لیے قرآنِ کریم نے واضح کر دیا ہے:

''اس (قرآنِ کریم) سے (اللہ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے تو نافرمانوں ہی کو'' (البقرۃ:26)۔

مغرب کے استعماری دور میں نہ صرف یہ کہ اسلام پر بہت تحقیق کی گئی بلکہ مستشرقین کے ایک بڑے گروہ نے اسلام پر رکیک حملے کیے۔ اسلام کے بنیادی عقائد کی غلط تعبیر کی۔ قرآنِ حکیم' رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی' عقیدۂ آخرت اور اسلام کے نظامِ اجتماعی کو ہر پہلو سے ہدف تنقید بنا کر متبادل فکر کے طور پر عیسائیت کو پیش کیا گیا۔ استعماری ادوار میں کہیں عسکری اور کہیں فکری محاذ پر مسلم امت کے فکر و فلسفے اور اس کے تہذیب و تمدن کی ہیئت ترکیبی کو تبدیل کرنے کی کوششیں جاری رہیں۔ مضبوط قوت ارادی اور تسلسل کے ساتھ کسی بھی عمل کو کیا جائے تو نتیجہ کسی حد تک اپنے ہدف کے مطابق ہی نکلتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ باطل کے گمراہ کن فکر و فلسفہ کے زیر اثر آ گیا۔ پوری طرح سے عیسائیت کا رنگ تو اس پر نہ چڑھ سکا' البتہ مسلمانوں کی اکثریت پوری طرح مسلمان بھی نہ رہی۔ آج مسلمانوں کی حالتِ زار اس حقیقت کی عکاسی کر رہی ہے۔ ہم میں سے اکثر کا معاملہ یہ ہے کہ ہم دین اور لادینیت کے درمیان ایک بے مقصد زندگی گزار رہے ہیں اور اپنی اس حالت پر تشویش کی بجائے پوری طرح مطمئن اور شاداں و فرحاں ہیں اور کبھی ہمارے ماتھے پر یہ سوچ کر شکن بھی نہیں آتی کہ ہم اپنے دین کی اساسی تعلیمات کو بھی بھلا چکے ہیں اور اگر کسی اعتبار سے اس پر عمل کرتے بھی ہیں تو ایک رسم کے طور پر سر

Marfat.com

سے اتار دیتے ہیں، رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی۔

امریکا دورِ حاضر کی اپنے تئیں مطلق العنان قوت ہے۔ امتِ مسلمہ کو اس نے اپنی فکری اور تہذیبی یلغار سے اور کچھ مختلف قسم کے قرضوں کے جال میں پھنسا کر پوری طرح اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ انکل سام کے راج کا دور دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد شروع ہوا۔ اس وقت اس کے سامنے دو بڑے محاذ تھے۔ ایک محاذ اشتراکیت کا تھا جس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اس کی اولین ترجیح تھی، کیونکہ یہ نظام دنیا میں عملی طور پر نافذ تھا۔ امریکا کو بحیثیت ایک قوم اور اپنے سرمایہ دارانہ نظام کو خطرات لاحق تھے اور اسے اس نظام سے سرد جنگ کی کیفیت میں کم و بیش 50 برس گزر چکے تھے، چنانچہ پاکستان اور دیگر ممالک کو اتحادی بنا کر امریکا نے اس نظام کا خاتمہ کر دیا۔ اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نظام اپنے بیخ و بن سے تو اب بھی نہیں اکھڑ سکا ہے، تاہم ایک خطرے کی علامت کے طور پر اب یہ امریکا کی فہرست میں نہیں ہے۔

دوسرے محاذ پر جسے پورا عالمِ مغرب اپنے وجود کیلئے بہت بڑا خطرہ سمجھتا ہے، وہ اسلام ہے، چنانچہ اب مغرب کی فکری و تہذیبی جنگ صرف عالمِ اسلام سے ہے۔ اس میں فتح حاصل کرنے کیلئے وہ تمام حربے استعمال کر رہا ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر اس کی مضبوط گرفت رکھنا، جدید تعلیم یافتہ نوجوان نسل جو مغرب و مشرق کا جدید ایڈیشن ہے اسے اپنی فکری اور عملی گمراہیوں کا آلۂ کار بنانا، اپنی پسند کے لوگوں کو مسلم دنیا پر مسلط کرنا اور روایتی اور بنیاد پرست مسلمانوں کو دبا کر رکھنے کیلئے من پسند آمروں کو ہر قسم کی عسکری اور فکری معاونت فراہم کرنا مغرب کے ایجنڈے میں سرفہرست ہے کیونکہ اب اسلام ہی ایک ایسا خطرہ ہے جو اس کے حواس پر پوری طرح چھایا ہوا ہے۔ یوں بھی مغرب کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ اپنی قوم کو جگائے رکھنے کیلئے کوئی نہ کوئی ایشو ایسا تخلیق کرتا رہتا ہے جس سے مغربی معاشرے میں ہلچل پیدا ہوتی رہے اس لیے بھی امریکا جیسی سپر پاور نے اسلام کو دہشت گردی کی علامت کے طور پر اپنی قوم کے سامنے پیش کیا ہوا ہے۔

ڈاکٹر میری بیباک Yale University میں اسٹریٹجک اسٹڈیز کی پروفیسر رہی

Marfat.com

ہیں۔ان کے موضوعات میں امریکی دفاعی پالیسی، اسلام بطور دین، تہذیب وقانون، فوجی تاریخ اور حکمت عملی وغیرہ شامل ہیں۔موصوفہ نیشنل سیکیورٹی کونسل حکومت امریکا میں بھی کام کر چکی ہیں۔وہ اپنی کتاب Jihadist Idiology and the war on terror میں لکھتی ہیں:

''اس بارے میں کوئی ابہام نہیں کہ دشمن کون ہے۔اس کا جواب ہم نے یہی پایا کہ دشمن اسلام ہے۔اسلام سے دشمنی نئی نہیں ہے، یہ صلیبی جنگوں سے بھی پرانی ہے۔دنیا میں سیاسی میدان میں سرمایہ داری کا مقابلہ کسی سے نہیں۔صرف اسلام ایک مزاحمت کی حامل قوت ہے اس کا راستہ روکنا بہت ضروری ہے۔اسلام پر براہِ راست حملے کیلئے بھی کوئی رکاوٹ نہیں، اس کے باوجود اس پر متبادل راستوں سے حملہ جاری رہے گا۔بنیاد پرست، جنگ جو، انقلابی، سیاسی یہ سارے نام اس حملے کو آسان بنانے میں معاون ہیں۔ان کا استعمال جاری رہے گا۔اسلام میں جہاد کا تصور واضح ہے لیکن مزاحمت کی قوت بھی یہی ہے، اس لیے اسلام اور اس کے پیروکاروں پر اسے ترک کرنے کیلئے دباؤ جاری رہے گا''۔ان تمام منصوبہ بندیوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلم امہ کے بارے میں ان کے کتنے خطرناک عزائم ہیں اور ان کی تکمیل میں مغرب کتنی مربوط اور جامع منصوبہ بندی کے تحت عمل پیرا ہے۔

امریکا کا یہ عالمی ایجنڈا پورے کرۂ ارض کیلئے ہے۔اس میں اشتراکیت کے علاوہ ہر وہ گروہ اور قوم شامل ہے جس سے امریکا کو کسی بھی پہلو سے خطرہ اور تشویش ہے اور آج کل اس کا سب سے بڑا ہدف مسلمان اور تعلیماتِ اسلام ہیں۔اسے اندیشہ ہے کہ اگر اسلام کی دبی ہوئی چنگاری کو ذرا بھی ہوا لگ گئی اور یہ بھڑک اٹھی تو ان کی خرمن تہذیب کو جلا کر بھسم کر دے گی۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

فرقہ واریت پھیلانا اور مذہب کے حساس پہلوؤں کو اسلامی معاشروں میں انتشار کا سبب بنانا بھی امریکی ایجنڈے کا ہی ایک حصہ ہے تاکہ اسلامی ممالک داخلی طور پر بھی بدنظمی اور انارکی کی صورتِ حال سے دوچار رہیں، کیونکہ خارجی طور پر بھی اسلامی سرحد پر اور ان کی معیشت وتجارت پر

Marfat.com

مغرب کی ہی عمل داری ہے۔ نہ ہماری سرحدیں محفوظ ہیں اور نہ جغرافیائی اعتبار سے ہم کسی مضبوط حصار میں ہیں۔ المیہ تو یہی ہے کہ ہم نہ خارجہ طور پر امن میں ہیں اور نہ ہی اپنے داخلی معاملات میں ہمیں کوئی استحکام حاصل ہے۔ عسکری لحاظ سے بھی ہم موم کی ناک ہیں' ایک فون کال بھی اسے موڑ دینے کیلئے کافی ہے اور فکری اور نظری سیلاب کا رخ موڑ دینے کی صلاحیت سے بھی محروم ہیں۔ ہم نے بحیثیت مجموعی اپنی قوم کی ناؤ اس قوم کے ہاتھوں میں دے دی ہے جسے اپنے درخشاں ماضی میں ہم نے جہالت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے خود اس کو شعور و آگہی کی روشنی دکھائی تھی اور دکھ کی بات یہ ہے کہ اس سوئی ہوئی قوم کو جگا کر ہم خود سو گئے۔ ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے۔

رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں' اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھام لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے'' (مؤطا امام مالک' کتاب القدر' باب 1' حدیث 1628)۔

اب دعویٰ تو ہم مسلمان یہ کرتے ہیں کہ ہم اصل حامل کتاب و سنت ہیں مگر ہم اسلام کی کوئی ایسی ٹھوس اور جامع تشریح نہیں کر پاتے جو تمام مکاتبِ فکر کے لیے متفق علیہ ہو۔ برخلاف اس کے کہ ہر مسلک اور ہر مکتبۂ فکر کی اپنی ہی تشریح ہے اور وہ اسکی کو اسلام کی اصل اور مستند تشریح منوانے پر مصر ہے اور کسی دوسرے کی تشریح و تعبیر کو تسلیم کرنے پر تیار ہی نہیں ہوتا' چنانچہ اس فرق و تفاوت سے مسلم امت بحیثیت مجموعی انتشار و تذبذب کا شکار ہے۔

پاکستان میں ہی دینی جماعتوں کی کثرت اس امر کی واضح علامت ہے کہ اختلاف و انتشار حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ عوام الناس بالعموم اور ہماری جدید تعلیم یافتہ نئی نسل بالخصوص ان حالات میں انتہائی پراگندہ خیالی کا شکار ہے اور اس ضمن میں ایک اور مطالبہ شدت کے ساتھ سامنے آ رہا ہے کہ جدید تقاضوں اور روز افزوں بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر اسلام کی کوئی ایسی از سرِ نو تشریح کی جائے جو سب کیلئے قابلِ قبول ہو اور قابلِ عمل ہو۔

Marfat.com

ہمارے علمی حلقوں میں بھی ایک بے چینی اور غیر یقینی کی سی کیفیت پائی جاتی ہے۔ مغرب کی فکری یورش نے اسلام کے تصورِ علم پر بھی ضرب کاری لگائی ہے جس کے سبب مسلم عوام ہی نہیں خواص کے نزدیک بھی حقیقی علم کی تعبیر و تشریح اور اصل مقصدیت کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ مغرب کی فکری اور تہذیبی مغلوبیت سے نجات کی راہ صرف ایک ہے کہ حالات کے دھارے کو اپنے حق میں موڑ لیا جائے۔ اسلام حق و صداقت کا پیغام ہے اور اس کی تعلیمات میں انسان کے تمام احوال وظروف کا مکمل حل موجود ہے۔ یہ کوئی جامد و ساکت دین نہیں' بلکہ ایک انقلابی اور تحریکی مزاج کا حامل دین ہے۔ اس کی تبلیغ پورے شرح وبسط کے ساتھ اس نہج پر ہونی چاہیے کہ لوحِ ذہن پر کندہ ہو جائے اور اس پر اغیار کی فکری ونظری گمراہی کا رنگ چڑھ ہی نہ سکے کیونکہ اسلام کے علاوہ ہر رنگ فریب نظر ہے۔ ظاہری خوش نمائی اس کا اصل روپ ہے۔ بحوالہ قرآن:

''(کہہ دو کہ ہم نے)) اللہ کا رنگ اختیار کرلیا ہے اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں' (البقرۃ:138)۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اگر اب بھی ہم مسلمان خوابِ غفلت سے نہ جاگے' اگر اب بھی ہم نے اپنے آپ کو دریافت نہ کیا' اپنے دین کی آفاقی اقدار کی قدر نہیں کی اور اغیار کی تعمیر کی ہوئی غلام گردشوں ہی میں بھٹکتے رہے' خارجی اور داخلی محاذوں پر لڑنے کیلئے خود کو کمربستہ نہیں کیا تو پھر ہماری حیات دنیوی کی ساری بھاگ دوڑ' تمام تگ و دو اور اسلام کو ایک لیبل کی طرح سینے پر سجائے رکھنا سب کچھ سعی لاحاصل اور صحرا میں پانی تلاش کرنے اور تیرنا سیکھے بغیر سمندر میں چھلانگ لگا دینے کے مترادف ہے۔

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشت خاک میں پیدا ہو آتشِ ہمہ سوز

Marfat.com

67 سال بیت گئے اسلامی نظام نافذ نہیں ہو پایا، آخر کیوں؟

Marfat.com

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پر دم ہے اگر تو تو نہیں خطرۂ افتاد

Marfat.com

67 سال بیت گئے اسلامی نظام نافذ نہیں ہو پایا'

آخر کیوں؟

اس اہم سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ بانی پاکستان محترم محمد علی جناح نے ایک چھوٹا سا جملہ فرمایا تھا کہ ہم مسلمانوں کا آئین چودہ سو سال پہلے طے پاچکا اور وہ ہے قرآن۔ کون و مکاں پوچھتے ہیں کہ مسلمانانِ پاکستان نے قرآنِ مجید کو کیا آئین بنایا؟ جواب دوٹوک کہ نہیں بنایا۔ اس کے برعکس بار بار انسانی ہاتھوں کتابچے بنا کر انہیں آئینِ پاکستان قرار دیا اور آج تک دیے ہوئے ہیں۔ قرآنِ مجید کی تو بلکہ مخالفت کی کیوں کہ قرآنِ مجید اجازت نہیں دیتا کہ انسانی ہاتھوں کتابچے لکھ کر انہیں آئینی حیثیت دی جائے۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے (اسلامی ہے) تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کرلیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کیلئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کیلئے موجب ہلاکت ہے'' (بقرة:79)۔

دورِ نبوت کے کچھ بزعمِ خویش خردمندوں نے دعویٰ کیا کہ وہ بھی قرآنِ مجید کی طرح آئین بنا سکتے ہیں' لیکن چیلنج کیے جانے پر نہ بنا سکے اور اس طرح ثابت کر گئے کہ قرآن کا بدل بنانا انسان کے بس کی بات نہیں۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آتے وقت قرآنِ مجید کو حسبِ وعدہ اگر آئینِ مملکت بنایا جاتا تو ہمارے ہاں تخلیقِ پاکستان کے پہلے دن سے اسلامی نظام اسی طرح رائج ہوتا جیسے کہ خود رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں ہوا۔ آپ ﷺ نے اسلامی نظام لانے کا یک نکاتی ایجنڈا اپنایا اور وہ اس طرح کہ جوں جوں قرآنِ مجید نازل ہوتا گیا' فی الفور نافذ کیا گیا۔ فی الفور اس لیے کہ ایسا ایک لمحہ نہ آئے کہ اللہ کا کوئی قانون دنیا میں موجود تو ہو لیکن نافذ نہ ہو۔ دوہمالہ قد تبدیلیاں واقع ہوئیں قرآنِ مجید کو نافذ کرنے سے۔ ایک تو نیا نظام استوار ہوتا گیا اور ایک وقت جب پوری تفصیلات کے ساتھ نافذ

Marfat.com

ہو گیا تو وحی کی ضرورت نہ رہی' سلسلہ نبوت کو بھی ختم کر دیا گیا۔ دوسرے پہلے سے موجود فرسودہ و بیہودہ نظام کا قلع قمع ہوتا گیا۔ مخالفینِ اسلام کو نئے یعنی اسلامی نظام کا آنا بھی ناگوار تھا لیکن یہ تو قطعاً قبول نہ تھا کہ ان کا آباؤ اجدادی نظام ملیامیٹ ہو۔ وہ بار بار رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے یہ مطالبہ لے کر کہ یا تو کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسی میں ترمیم کر دو (یونس:15)۔ جب نہ مانی گئی تو شعب ابی طالب کی سختیاں' ہجرت' غزوات اور سرایا۔ سیرتِ رسول ﷺ پر نظر دوڑائیں تو ہماری توجہ ان سختیوں اور مصائب پر پڑتی ہے' یہ ادراک نہیں کر پاتے کہ اگر قرآنِ مجید نافذ نہ ہوتا تو نہ اسلامی نظام قائم ہوتا اور نہ ہی مصائب و مشکلات سے واسطہ پڑتا۔ پھر یہ بھی کہ جب بھی کسی کو کسی جگہ پر اسلامی نظام قائم کرنا درکار ہو تو اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ اسی یک نکاتی ایجنڈے یعنی قرآنِ مجید کو نافذ کرے۔ مزاحمت ہوگی' مصائب و مشکلات سے واسطہ پڑے گا لیکن کوئی مضائقہ نہیں' مسنون راستہ ہے ہی یہی۔ چونکہ ہمارے ہاں اس راستے کو نہ اپنایا گیا لہٰذا ہمارے ہاں اسلامی نظام آنے نہ پایا تو اسی وجہ سے۔

ہمارے اسلامی نظام کے نہ آنے کی دوسری وجہ وہ چال ہے جو سفید چمڑی والے نے چلی۔ صحرائے سینا میں بنی اسرائیل کی روش سے اس نے اخذ کیا کہ جو قوم کچھ وقت غلامی کی زنجیروں میں جکڑی جائے اور آقاؤں کے طور طریقوں کی عادی ہو جائے وہ غلامانہ ذہنیت سے نہیں نکل پاتی۔ اس روش کو یقینی بنانے کیلئے اس نے تین کام کیے۔ ایک تو اپنے طور طریقوں والی مسلمانوں میں سے ایسی کھیپ تیار کی کہ جو اس کے برصغیر چھوڑنے کے بعد ان کے متبادل کے طور پر کام کرے۔ بدقسمتی سے معمارانِ پاکستان کے چل بسنے کے بعد پاکستان نہ صرف انہی کے ہتھے چڑھ گیا بلکہ چڑھتا ہی چلا گیا۔ دوسرے یہ بھی پلان کیا کہ انگریز کو تو جانا ہی ہے لیکن انگریزی باقی رہے کیونکہ اغیاری زبان کسی قوم میں خود شناسی پیدا ہونے نہیں دیتی۔ تیسرا کام جو اس نے کیا وہ ان کے لحاظ سے بہت موثر اور ہمارے لحاظ سے بہت ہی تباہ کن ثابت ہوا۔ ایسے قوانین تیار کیے جو اسلام کی ضد ہوں۔ آج تک ہم انہیں قوانین کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہماری عدالتوں میں تعزیرات کے نام سے وہی قوانین ہیں۔ ہمارا آئین اور ہمارا نظامِ زندگی پردیسی قوانین سے لبریز ہے۔ اگر ہم نے کوئی اسلامی قانون اپنانے کی سعی کی ہے تو کچھ اسلام اور کچھ غیر اسلام کے

Marfat.com

آمیزے کو اختیار کیا ہے جو ایک عذاب کی شکل ہے (بقرۃ:85)۔

قانون کی بات ہوئی تو یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کسی بھی ملک کا نظامِ زندگی وہاں پر اختیار کیے گئے آئین کا پروڈکٹ ہوتا ہے۔ آئین اگر آمر کا تیار کردہ ہو تو آمریت کو معرضِ وجود میں لاتا ہے' اشتراکی ہو تو اشتراکیت کو' جمہوری ہو تو جمہوریت کو اور اگر قانون قرآن و سنت کا ہو تو نظام لازماً خلافت کا ہوتا ہے۔ ہم نے چونکہ انگریز کے جمہوری قانون کو اپنا رکھا ہے ہمارے ہاں جمہوریت کا نظام رواں دواں ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ جمہوریت ہو' آمریت ہو' اشتراکیت ہو یا کوئی بھی انسان ساختہ نظام ہو وہ اسلام کے متبادل کے طور پر اسلام کی پابندیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے اور من مرضی کی زندگی اختیار کرنے کیلئے معرضِ وجود میں لایا جاتا ہے۔ من مرضی کی زندگی کا مطلب ہے کہ انسان خود اس قابل ہوں کہ وہ جسے چاہے حلال قرار دیں اور جسے چاہے حرام۔ اصل میں اسلام کی ضد کے طور پر آئے ہوئے یہ نظام الٰہی نظام کو چیلنج کرتے ہیں اور بنابریں حرام ہیں۔ آمریت حرام ہے' اشتراکیت حرام ہے' جمہوریت حرام ہے۔

ہمارے ہاں اس لیے آج تک اسلامی نظام نہیں آ پایا کہ ہمارے ہاں کی کچھ جماعتیں تو حلف اٹھا کر خود ساختہ آئین اور اس کے پیدا کردہ نظام کو پروموٹ کرتی ہیں۔ جو جماعتیں ایسا کرنے سے اجتناب کرتی ہیں وہ بھی قرآنِ مجید کو آئین بنانے کی بات نہیں کرتیں' موجودہ آئین کو ترامیم کے ذریعے مسلمان کرنا چاہتی ہیں۔ بھول جاتی ہیں کہ جس میں ترمیم ہو سکے وہ مسلمان کا آئین ہوتا ہی نہیں۔ موجودہ آئین میں کوئی بیس ترامیم ہو چکیں زیادہ نے اسے مزید غیر اسلامی کیا ہے۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟ جب دینی جماعتیں انسان ساختہ آئین میں الجھ گئیں اور قرآنِ مجید کو آئینِ مملکت بنانے کی طرف نہ آئیں تو اسلامی نظام ہمارے ملک میں کیسے آتا؟ نہیں آیا' کبھی نہیں آئے گا۔ آئے گا تو قرآنِ مجید کو شیلفوں سے نکال کر نافذ اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کر کے بالفاظِ دیگر قرآنِ مجید کو آئینِ پاکستان بنا کر۔ ہاں قرآنِ مجید کے بطور آئین ہوتے ہوئے چند ذیلی دستاویزات کی ضرورت پڑے گی۔ موجودہ آئین کو بھی مسلمان کر کے ایک ذیلی دستاویز بنایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com